مقالاتِ حجۃ الاسلامؒ

مجموعہ تالیفات

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ

ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ
چوک فوارہ ملتان پاکستان
(0322-6180738, 061-4519240)

مقالات حجۃ الاسلام
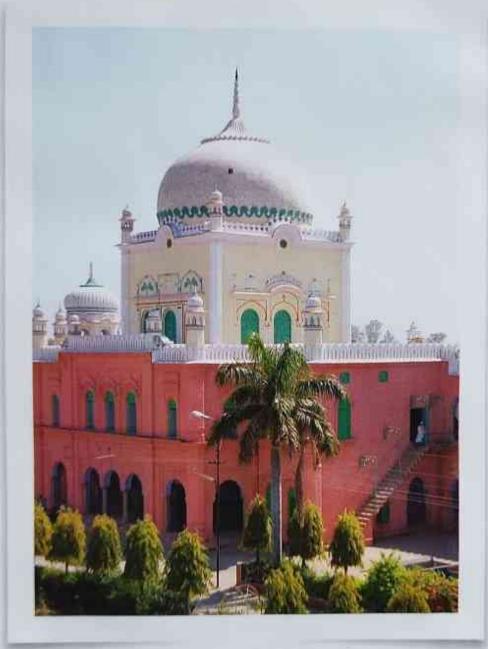
سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس اللہ سرہ

سیدنا الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتویؒ قدس اللہ سرہٗ

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی حویلی کا وہ بالائی حصہ جس میں بیٹھ کر آپ نے ''قبلہ نما''، ''تحذیر الناس'' اور ''ہدیۃ الشیعہ'' جیسی کتب تالیف فرمائیں۔

دہلی کے مشہور قبرستان مہندیان میں واقع اُستاذِ کل حضرت مولانا مملوک علی نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ کا مزار مبارک جن کا فیض دارالعلوم دیوبند کی شکل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے ذریعے عالم اسلام میں جاری وساری ہے۔

نانوتہ کی جامع مسجد کی مشہور محراب جس میں کھڑے ہوکر
سید احمد شہید رحمہ اللہ نے اہل نانوتہ سے جہاد کی بیعت لی تھی
سامنے مسجد کی اندرونی محراب بھی دیکھی جاسکتی ہے

شجرۂ مبارکہ

سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے
حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

1. خلیفہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ
2. محمد بن ابی بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ
3. قاسم بن محمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ
4. شیخ عبدالرزاق رحمہ اللہ
5. شیخ مسعود رحمہ اللہ
6. شیخ وحیدالدین رحمہ اللہ
7. شیخ شادی الصدیقی رحمہ اللہ
8. شیخ سراج رحمہ اللہ
9. شیخ نور رحمہ اللہ
10. شیخ زکریا رحمہ اللہ
11. شیخ عبداللہ رحمہ اللہ
12. شبہاء الدین رحمہ اللہ
13. شیخ محمود رحمہ اللہ
14. شیخ نورالدین القتال رحمہ اللہ
15. شیخ اسماعیل الشہید رحمہ اللہ
16. شیخ صدرالدین الحاج رحمہ اللہ
17. شیخ رکن الدین السمرقندی رحمہ اللہ
18. شیخ صدرالدین رحمہ اللہ
19. شیخ خلیل رحمہ اللہ
20. شیخ خواجہ یوسف رحمہ اللہ
21. شیخ شہاب الدین رحمہ اللہ
22. شیخ بہاء الدین رحمہ اللہ
23. شیخ رفیع الدین رحمہ اللہ
24. شیخ رکن الدین رحمہ اللہ
25. شیخ نورالدین الثانی رحمہ اللہ
26. شیخ نجم الدین رحمہ اللہ
27. شیخ نورالدین الثالث رحمہ اللہ
28. شیخ ضیاء الدین رحمہ اللہ
29. شیخ قیام الدین رحمہ اللہ
30. شیخ نورالدین الرابع رحمہ اللہ
31. شیخ نجم الدین الثانی رحمہ اللہ
32. شیخ قاضی مظہرالدین رحمہ اللہ
33. شیخ قاضی میراں بڑے رحمہ اللہ
34. شیخ جمال الدین رحمہ اللہ
35. شیخ امان اللہ
36. مفتی مبارک
37. قاضی طہٰ
38. شاہ محمد
39. مولوی ہاشم
40. عبدالسمیع
41. محمد مفتی رحمہ اللہ
42. ابوالفتح
43. علاؤالدین
44. محمد بخش
45. غلام شاہ
46. شیخ اسد علی
47. مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

(ماخوذ از شجرۂ خاندانِ صدیقی نانوتہ، مرتبہ: مولانا محمد اُسامہ صدیقی نانوتوی)

مقالاتِ حجۃ الاسلام

جلد 1

مجموعہ تالیفات

سیدنا الامام الکبیر آیۃ من آیات اللہ قاسم العلوم والخیرات

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ

۱۲۴۸ھ تا ۱۲۹۷ھ

بانی دار العلوم دیوبند

مُرتّب

قاری محمد اسحاق

(مدیر ماہنامہ "محاسن اسلام" ملتان)

اِدارۂ تالیفاتِ اشرفیہ

چوک فوارہ ملتان [0322-6180738]

مقالاتِ حجۃ الاسلام جلد ۶

تاریخ اشاعت .... ذوالحجہ ۱۴۴۱ھ
ناشر .... ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان
طباعت .... ساؤتھ پنجاب پرنٹنگ پریس، ملتان
بائنڈنگ .... ابوذر بک بائنڈنگ..... ملتان

انتباہ

قارئین سے گذارش

ادارہ کی حتی الامکان کوشش ہوتی ہے کہ پروف ریڈنگ معیاری ہو۔ الحمدللہ اس کا کیلئے ادارہ میں علماء کی ایک جماعت موجود رہتی ہے۔ پھر بھی کوئی غلطی نظر آئے تو برائے مہربانی مطلع فرما کر ممنون فرمائیں تا کہ آئندہ اشاعت میں درست ہو سکے۔ جزاکم اللہ

ملنے کے پتے

ادارہ تالیفات اشرفیہ چوک فوارہ ملتان پاکستان

ادارہ اسلامیات .... انارکلی .... لاہور
مکتبہ سید احمد شہید .... اردو بازار ...... لاہور
مکتبہ رحمانیہ .... اُردو بازار .... لاہور
اسلامی کتاب گھر ...... خیابان سرسید ...... راولپنڈی
اسلامک بک کمپنی ...... امین پور بازار ...... فیصل آباد
مکتبہ رشیدیہ ...... سرکی روڈ ...... کوئٹہ
مکتبۃ الشیخ ...... بہادر آباد ...... کراچی
دارالاشاعت .... اُردو بازار .... کراچی
قرآن محل ...... کمیٹی چوک ...... راولپنڈی
مکتبہ دارالاخلاص ... قصہ خوانی بازار ...... پشاور
مکتبہ اسلامیہ ...... امین پور بازار ...... فیصل آباد
ممتاز کتب خانہ ...... قصہ خوانی بازار ...... پشاور
مکتبہ ماجدیہ ...... سرکی روڈ ...... کوئٹہ
مکتبہ عمر فاروق ...... شاہ فیصل کالونی ...... کراچی
والی کتاب گھر ... گوجرانوالہ ... مکتبہ علمیہ ... اکوڑہ خٹک
مکتبہ نعمانیہ ... گوجرانوالہ ... اسلامی کتاب گھر ... ایبٹ آباد
الامام محمد قاسم النانوتوی ریسرچ لائبریری مردان: 0341-9164891

ISLAMIC EDUCATIONAL TRUST U.K
(ISLAMIC BOOKS CENTERE
119-121- HALLIWELL ROAD
BOLTON BLI 3NE. (U.K.)

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ کی نظر میں

اے کجا رفت آں مدار ابتدا
آں محمدؒ قاسم مولائے ما
آیتے بودہ ز آیاتِ خدا
منبع جود و سخاء کانِ عطا
بود در اخلاص نیکو بے سہیم
سابق الاقران بالخلق العظیم
منبع علم لدنی بود آں
وقت تقریرش بدے گوہر فشاں
حامیٔ اسلام و دینِ احمدی
رد کنِ جملہ ہنود پادری
مرشد موصل برائے طالباں
ہادیٔ کامل برائے گم رہاں
داشت صرف علم دین ہمت بلند
مدرسہ کردہ بنا در دیوبند
مہتمم جملہ مدرس بے نظیر
فیض شاں لامع چو خورشید منیر

(مثنوی زیر و بم، ص: ۳۲)

قاسم الخیرات

مدحیہ اشعار

از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

نفسی الفداء لقاسم الخیرات　　وبمھجتی افدی لذی البرکات
فیضانہ بالعلم عمّ بحارہ　　مأواہ عند اللّٰہ فی الجنات
عالی ذی الشرف الترفیع ورتبۃ　　مشھورۃ بالخیر والبرکات
اولی الاعاظم بالمحل الافضل　　اعلی الا ماجد قامع البدعات
نص محق وجھہ ای للوری　　ھو اٰیۃ حق من الاٰیات
سلطان اصحاب الحقائق بالعُلٰی　　شیخ المشائخ، زبدۃ الحسنات
شیخ رشید کامل متفرد　　ھاد الی المخلوق بالدعوات
اللّٰہ فضّلہ و اعلیٰ امرہ　　رَغما لاھل الکفر والبدعات
منہ استقام اساس دین محمّد　　وبہ تجدّد رونق الحسنات
وبہ تلوح معالم الاسلام　　و الی الولاۃ خلاصۃ البرکات
افعالہ اعمالہ حرکاتہ　　فبانما الاعمال بالنیّات
نور الھدی عفّا رسوم جھالۃ　　بدر الدُّجی فی عالم الظلمات
ومن القلوب الی القلوب شواھد　　یشھدن قبل تشاھد الحالات
یدعولک العبد الذلیل مضرعا　　رفع المراتب، رافع الدرجات

(آمین!)

فضل وکمال حضرت نانوتوی رحمہ اللہ

چند اشعار مرثیہ...از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

ہمیں گلشن کنوں کو رشکِ ہنداست　　ہمیں دارالعلوم دیو بند است
بمرغانِ چمن فضلش ہویدا　　چمن اندر چمن مارآتش پیدا
بہر ہر مرغ خود گوید کہ اُعْطِیْ　　فَاِنِّیْ قَاسِمٌ وَّاللّٰہ یُعْطِیْ
بماہِ ہند آمد ضوء ازیں مہر　　براعدائے چنیں مہرے شود قہر
بارضِ ہند بے شک آں فلک ہست!　　بچشم ہند انسانش مَلک ہست
بذاتِ بانیش رحمت بباری!!　　بہ قربِ رحمت جانش در آری
بہر سو دینِ برحق زاں علم شد!!　　حکایتہائے شرک و کُفر کم شد
جہادے کردہٗ و دیں رافزودہ !!　　کہ شرک و کفر از عالم ربودہ
بہم ایمان و دیں از بس رسیدند　　زنورش کفر و بے دینی رمیدند
بعلمے جہل از گیتی رواں شد　　بیامد حق و باطل از جہاں شد
محمد قاسم الخیرات ذی شاں　　گرفتہ دین برحق روئقے زاں
بباغِ دین احمد باغبانست　　کہ ایں گلشن بعہد نوچنانست
شریعت را ہزاراں برعلم کرد　　طریقت را بلوحِ دل رقم کرد
شدہ درشرق وغرب ازوئے فسانہ　　جنوب و در شمال ازوئے ترانہ
کہ صیت فضل وفیض او محیط است　　چو نورِ مہر برعالم بسیط است

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنے شیخ کی خدمت میں

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اپنی تالیف ''آبِ حیات'' کے شروع میں سفر حجاز اور اپنے شیخ سید الطائفہ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کی خدمت میں حاضری کا عجیب والہانہ اور محبت وعقیدت سے لبریز تذکرہ فرماتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اوراق مسودہ کا پشتارہ باندھ کر جہاز پر چڑھا اور محض بامداد خداوندی باوجود گمراہی اور نامہ سیاہی کے جس کی وجہ سے اپنی رسائی تو درکنار ہمراہیوں کی گم گشتگی کا بھی اندیشہ تھا دریا پار ہوکر جدہ پہنچا اور وہاں سے بسواری شتر دو روز میں دونوں قبلوں کی زیارت سے مشرف ہوا... ''بیت اللہ زادھا اللہ شرفًا وعزۃً الٰی یوم القیامۃ'' کا طواف میسر آیا اور حضرت پیر ومرشد ادام اللہ فیوضہ کی قدم بوسی سے رُتبہ عالی پایا...

''اعنی بزیارت مطلع انوار سبحانی منبع اسرار صمدانی مورد افضال ذی الجلال والاکرام مخدوم مطاعِ خاص و عام سر حلقہ مخلصان سراپا اخلاص سر لشکر صدیقاں باختصاص رونق شریعت زیب، طریقت ذریعہ نجات وسیلہ سعادات دستاویز مغفرت، نیاز مندان بہانۂ واگذاشت مستمندان ہادیٔ گمراہان مقتدائے دین، پناہان زبدۂ زمان، عمدۂ دوران سیدنا ومرشدنا ومولانا الحاج امداد اللہ لازال کاسمہ امداد امن اللہ للمسلمین واہل اللہ کی زیارت سے جو ہنگامۂ رست خیر مثال غدر ہندوستان کے بعد وطن قدیمی تھانہ بھون ضلع سہارن پور ومظفر نگر کو چھوڑ کر بحکم اشارات باطنی بلد اللہ الامین مکہ معظمہ زادہا اللہ شرفاً وعزۃً میں مقیم ہیں...'' بہرہ اندوز شرف وعزت ہوا بوجہ تہید ستی دین و دُنیا اور کچھ پیش کش نہ کرسکا، اوراق سیاہ مسودہ مذکور کو پیش کر کے رسم پیشکش بجالایا...

مگر شکر عنایات کس زبان سے کیجئے کہ اس ہدیۂ مختصرہ کو قبول فرما کر صلہ وانعام میں دُعائیں دیں... علاوہ بریں تصحیح وجدانی اور تحسین زبانی سے اس ہیچمدان کی اطمینان فرمائی، اپنی کم مائیگی اور ہیچمدانی کے سبب جو تحریر مذکور کے صحت میں تردد تھا رفع ہوگیا...

دارالعلوم دیوبند

دِلِ افرنگ کا کانٹا

عین حق ہے جو تجھے علم کا دریا کہہ دوں یہ بھی سچ ہے کہ تجھے گلشن تقویٰ کہہ دوں
ایشیا ہے جو انگوٹھی تو پھر اُس میں تجھ کو کیوں نہ میں ایک چمکتا ہوا ہیرا کہہ دوں
جتنے دل والے ہیں وہ تجھ پہ ہیں شیدا دل سے کیوں نہ دل والوں کی تجھ کو تمنا کہہ دوں
ہاں تیرے اشرفؒ وعثمانیؒ وطیبؒ کو میں جھوٹ کیا ہوگا اگر فخر زمانہ کہہ دوں
ہاں بجا ہوگا! کہ میں تیرے حسینؒ احمد کو پیکر عشق کہوں، علم سراپا کہہ دوں
ایک دو چار جو ہوتے تو گِنا دیتا میں حق ہے یہ، تجھ کو نوادر کا خزانہ کہہ دوں

بار بار آتا ہے گیلانی کے دل میں کہ تجھے
دلِ افرنگ میں اٹکا ہوا کانٹا کہہ دوں

(سید امین گیلانی رحمہ اللہ)

حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو شورش کاشمیری کا خراجِ تحسین

شافع کون و مکاں کی راہ پر لاتا رہا گمرہان شرک کو توحید سکھلاتا رہا
پرچم اِسلام اَبر درفشاں کے روپ میں بتکدوں کی چار دیواری پہ لہراتا رہا
ہمرہان دل گرفتہ کو بہ اعلان جہاد تیغ جوہر دار کا آئینہ دکھلاتا رہا
اس کے سینے میں خدا کا آخری پیغام تھا وہ خدا کی سرزمیں میں حجت اِسلام تھا

❁❁❁

شجرۂ طریقت وجہاد

عصرِ حاضر میں جہاد فی سبیل اللہ کی روایت اللہ تعالیٰ نے حضرت سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعے سے دوبارہ زندہ کی جسے آپ کے سلسلۂ طریقت وجہاد کے مردانِ سیف وقلم نے آج تک جاری رکھا ہے۔ مختصر نقشہ حسبِ ذیل ہے:

عرض مرتب وناشر

پہلے مجھے پڑھئے!
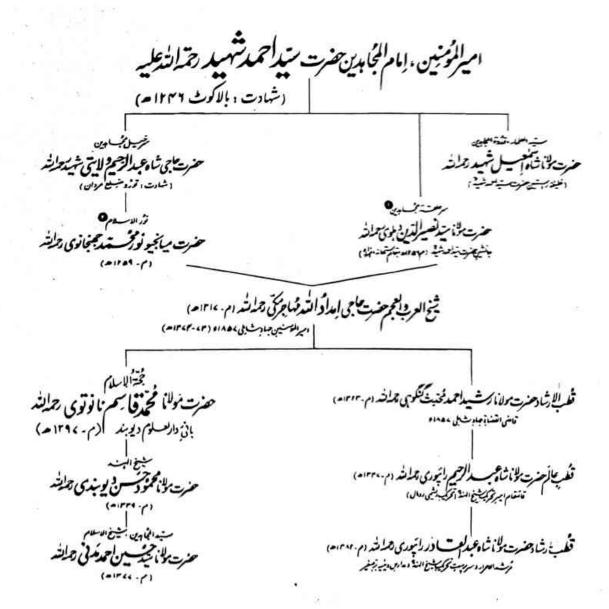
بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آج سے تقریباً چالیس برس قبل کی بات ہے ادارہ کا ابتدائی دور تھا۔ تبلیغی جماعت کے ایک بزرگ مولانا محمد اسلم صاحب رحمہ اللہ جونشتر ہسپتال ملتان کی جامع مسجد کے امام وخطیب تھے ان کی رہائش پہلے کراچی میں تھی مولانا نے کراچی میں ایک اشاعتی ادارہ ''مکتبہ حقانیہ'' کے نام سے شروع کیا ہوا تھا۔ جب وہ ملتان آئے تو اپنے مکتبہ کی مطبوعہ تمام کتب فروخت کر دیں۔ مولانا کی مطبوعہ کتب میں سے ایک کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' تھی راقم الحروف نے مولانا سے اس کتاب کا اسٹاک خرید لیا۔ اسے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کرامت سمجھئے کہ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کی خرید وفروخت میں ایسی برکت دی کہ اُسی سال 1980ء میں بندہ کو پہلی مرتبہ حج کی سعادت بھی نصیب ہوگئی۔

الحمد للہ ''هدية الشيعه'' ادارہ کی اوّلین مطبوعات میں سے ہے جو قدیم طباعت کا عکس در عکس شائع ہوتی آ رہی ہے۔

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی نادر ونایاب تالیف ''آب حیات'' بھی ماشاء اللہ ادارہ کی قدیم ترین مطبوعات میں سے ہے اُس دور میں ناشران کتب کسی بھی ایسی کتاب کو شائع نہیں کرتے۔ جس کی فروخت بہت کم یا سست ہو۔

یہ اللہ تعالیٰ کا بے پایاں فضل واحسان ہے کہ ''آبِ حیات'' کا عکسی ایڈیشن

شائع کرنے کی توفیق ملی۔ راقم الحروف کو یاد ہے کہ جب بندہ نے پہلی مرتبہ ''آب حیات'' شائع کی تو شیخ الحدیث حضرت مولانا عبدالحق صاحب رحمہ اللہ (مہتمم جامعہ دارالعلوم حقانیہ اکوڑہ خٹک) نے داد وتحسین اور دُعاؤں سے مزین مکتوب گرامی بھی ارسال فرمایا۔ اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تیسری تالیف ''تقریر دل پذیر'' بھی ایک عرصہ سے ادارہ کی مطبوعات میں شامل ہے۔ راقم الحروف کے زیر انتظام ادارہ کے نام سے یہ بات مترشح ہے کہ یہ ادارہ صرف حکیم الامت رحمہ اللہ کی تالیفات ہی شائع کرتا ہے لیکن یہ بات اَوّلین ترجیح کی حد تک تو درست ہے مگر اس کے ساتھ ساتھ دیگر اکابر رحمہم اللہ کی تالیفات کو شائع کرنے کی توفیق نصیب ہوتی رہتی ہے۔

ایک وقت تھا کہ امیر تبلیغ حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ کی تالیف ''امانی الاحبار عربی شرح معانی الآثار'' تقریباً ناپید تھی ہمارے محسن حضرت مولانا قاری محمد طاہر رحیمی صاحب رحمہ اللہ کی ترغیب پر اس عظیم کتاب کی اشاعت کی توفیق اس وقت ہوئی جبکہ ادارہ کا ابتدائی دور تھا۔ اسی طرح شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ کی عظیم شرح ''اوجز المسالک عربی شرح مؤطا امام مالک'' جو کہ 15 جلدوں میں تھی اس کی اشاعت کی بھی توفیق نصیب ہوئی۔

اسی طرح حدیث شریف کا ضخیم مبارک مجموعہ ''کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال'' بھی ادارہ سے شائع ہوئی۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے فضل واحسان کی مبارک یادیں ہیں۔ ادارہ کی ابتداء تھی لیکن حضرات اکابر ومشائخ اور والدین کی دُعائیں تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ضخیم نایاب عربی کتب کی اشاعت کا بھی شرف بخشا اور اس پر پھر اکابر کی دُعائیں نصیب ہوئیں۔

بعض اکابر راقم الحروف کے متعلق فرماتے کہ آپ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی زندہ کرامت ہیں۔ چند ماہ قبل 7 مارچ 2020ء کو سیدی حضرت مولانا

مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مد ظلہم اپنے سفر ملتان کے دوران ادارہ میں بھی تشریف لائے۔ ادارہ کی جدید کاوش "مقالات حکیم الامت" کا مسودہ اور دیگر جدید مطبوعات دیکھنے کے بعد خوب دعاؤں سے نوازا۔ حضرت ہی کی برکت سے اس کا نام "مقالات حکیم الامت" رکھا گیا۔ بلا شبہ اکابر علماء کی دعائیں اور ان کے نیک جذبات جملہ اراکین ادارہ کے لئے باعث صد افتخار ہیں۔

"مقالات حکیم الامت" کی ترتیب کے دوران ایک صاحب نے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی ایک تصنیف کا مطالبہ کیا۔ تلاش کے باوجود وہ دستیاب نہ ہو سکی، اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ داعیہ بھی دل میں پیدا کر دیا کہ جس طرح حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے نادر و نایاب رسائل جمع ہو کر شائع کئے جا رہے ہیں۔ اسی طرح حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی مذکورہ تین تالیفات (آبِ حیات، ھدیۃ الشیعہ اور تقریر دل پذیر) کے علاوہ دیگر تالیفات رسائل، مکتوبات اور افادات کو بھی تلاش کر کے "مقالات حجۃ الاسلام" کے تحت شائع کر دیا جائے۔

اس مبارک داعیہ کے بعد موجودہ اکابر اور اشرفیہ مجلس علم و تحقیق کے احباب کی مشاورت پر یہ کام بھی بنام خدا شروع کر دیا۔ شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مد ظلہم کو اس کام کی اطلاع دی تو حضرت نے نہ صرف خوب دعاؤں سے نوازا بلکہ کرم بالائے کرم کا معاملہ فرمایا اور "عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت" کے دفتر میں موجود تالیفات نانوتوی سے خوب استفادہ کرنے کی اجازت بھی مرحمت فرما دی۔ پھر اس اہم علمی کام میں برابر اپنے قیمتی مشوروں سے نوازتے رہے۔

اللہ تعالیٰ نے شاہین ختم نبوت مولانا اللہ وسایا صاحب مد ظلہم کو خوب صلاحیتوں سے نوازا ہے ماشاء اللہ عالمی سطح پر علم دوست حضرات حضرت کے یمین و یسار ہیں جو کسی بھی علمی کام میں حضرت کے دست و بازو بن جاتے ہیں ایسے ہی احباب میں سے ایک شخصیت مولانا محمد عابد صاحب لاہوری مدظلہ کی ہے۔ حضرت

مدظلہم کے توسط سے مولانا لاہوری تک رسائی ہوئی تو ''مقالات حجۃ الاسلام'' کے سلسلہ میں ہر قسم کے تعاون کیلئے گویا تیار بیٹھے تھے۔ مولانا نے ذاتی لائبریری سے چار جلدیں فی الفور بھجوا دیں کہ ان میں موجودہ تالیفات سے کمپوزنگ یا سکینگ جیسے چاہو تصرف کرنے کی اجازت ہے۔ پھر ''احوال و آثار و باقیات و متعلقات حضرت نانوتوی رحمہ اللہ'' جیسی نایاب کتاب بھی ارسال فرمادی۔ اللہ پاک مولانا عابد صاحب کو جزائے خیر سے نوازیں کہ وہ اس مجموعہ کی اشاعت کے لئے راقم الحروف سے بھی چند قدم آگے رہے اور ہر قسم کی خدمت کیلئے کمر بستہ رہے۔

پھر مولانا لاہوری مدظلہ کی برکت سے مردان میں مقیم حضرت مولانا منظور قاسمی صاحب مدظلہ تک رسائی ہوئی جو کہ مردان میں ''حضرت امام محمد قاسم نانوتوی ریسرچ اکیڈمی'' کے تحت علمی خدمات میں مصروف ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا ایک نایاب ترین رسالہ ''الحظ المقسوم من قاسم العلوم'' ہے جس کی دستیابی سے مایوسی ہو چکی تھی اللہ پاک نے اس ''مردِ مردان'' کے ذریعے نہ صرف اس کا قدیم عکس نصیب فرمادیا بلکہ مولانا کے استاذ محترم حضرت مولانا اکبر رحمٰن حقانی صاحب مدظلہم کے مقدمہ کے ساتھ جدید کمپیوٹر کمپوزنگ کا تصحیح شدہ نسخہ بھی مل گیا۔ مولانا قاسمی صاحب مدظلہ کے توسط سے جب ان کے استاذ محترم مفتی صاحب مدظلہم سے رابطہ ہوا تو انہوں نے نہ صرف خوب دعاؤں سے نوازا بلکہ اپنی شبانہ روز علمی و تدریسی مصروفیات کے باوجود ایک جامع عالمانہ تقریظ بھی قلمبند فرمادی۔

ہندوستان میں مقیم مولانا محمد حذیفہ وستانوی مدظلہم تک رسائی ہوئی جو کہ ماشاء اللہ ''قاسمی علوم وفکر'' کی ترویج واشاعت کے لئے موفق من اللہ ہیں۔ مولانا سے رابطہ ہوا تو پتہ چلا کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیف ''حجۃ الاسلام'' کی تصحیح وحواشی کا علمی کارنامہ محترم جناب حکیم فخر الاسلام مظاہری مدظلہ کے ہاتھوں ہو رہا ہے۔ ماشاء اللہ حکیم صاحب علوم قاسمیہ کے امین و شارح ہیں۔ اللہ کے کرم سے ''حجۃ

الاسلام" کا یہ تصحیح شدہ نسخہ مولانا حذیفہ صاحب کے توسط سے دستیاب ہوا۔ اللہ تعالیٰ سرحد پار کی ان دونوں شخصیات کے علم وعمل اور عمر میں برکتیں عطاء فرمائیں کہ اس علمی کام میں تعاون پر اللہ تعالیٰ ہی انہیں اپنی شایان شان جزا عطا فرمائیں۔ آمین

ہمارے بزرگ خطاط حضرت سید نفیس الحسینی صاحب رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ ایک کمپیوٹر دس خطاط کے برابر کام کرتا ہے لیکن اس کے کئے ہوئے کام کی تصحیح کے لئے بھی دس آدمیوں کی ضرورت ہے۔ انسانی بساط کی حد تک کوشش کی گئی ہے کہ تصحیح کا معیار اچھا ہو۔ لیکن اس قدر محنت کے باوجود ہمیں اعتراف ہے کہ ؎

حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

کمپوز شدہ رسائل کی تصحیح در تصحیح کے باوجود اغلاط کا رہ جانا ممکن ہی نہیں بلکہ یقینی ہے۔ اس لیے تقریباً 26 رسائل ومکتوبات کا قدیمی عکس بھی دے دیا گیا ہے اور یہ عکس بھی صرف سکین کر کے نہیں دیدیا گیا بلکہ ہر ہر صفحہ پر محنت کر کے اس کو بہتر سے بہتر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اہل علم سے استدعا ہے کہ دوران مطالعہ تصحیح وترتیب کے حوالہ سے جو اُمور قابل اصلاح ہوں راقم الحروف کو ان سے مطلع فرمادیں تا کہ آئندہ ایڈیشن میں مزید بہتر انداز میں شائع ہو سکے۔

اللہ تعالیٰ جملہ احباب ومعاونین کو اپنی رحمت کا مورد بنائے اور ہمیں اپنے اکابر کے علم وفکر کی روشنی میں چلنے کی توفیق دے۔ آمین

والسلام محمد اسحٰق غفرلہٗ

عشرہ آخر ذیقعدہ ۱۴۴۱ھ

بمطابق جولائی 2020ء

انتساب

عارف ربانی حضرت الحاج محمد شریف صاحب رحمہ اللہ

(خلیفہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ)

عارف باللہ حضرت ڈاکٹر محمد عبدالحئی عارفی نور اللہ مرقدہ

(خلیفہ حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ)

والد گرامی حضرت مولانا عبدالقیوم مہاجر مدنی رحمہ اللہ

کے نام

جن کی مبارک صحبتوں اور دُعاؤں کا فیضان

آج بھی کھلی آنکھوں نظر آتا ہے

فَرَحْمَةُ اللهِ عَلَيْهِمْ رَحْمَةً وَّاسِعَةً

احقر مرتب

محمد اسحٰق غفرلہ

مقالات حجۃ الاسلام پر ایک اِجمالی نظر

جلد 1

حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی سوانح پر مشتمل اہم مضامین

جلد 2

جلد 3

آب حیات مع قدیمی عکس

جلد 4

جلد 5

جلد 9

جلد 10

جلد 11

جلد 12

جلد 13

جلد 14

جلد 15

جلد 16

جلد 12

جلد 13

جلد 14

جلد 15

جلد 16

جلد 17

فہرست عنوانات

مقالات حجۃ الاسلام...اکابر کی نظر میں...تقاریظ وتاثرات

حالات طیب.... حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

بانیٔ دار العلوم دیو بند...از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

آزادیٔ ہند کا خاموش راہنما دار العلوم دیو بند

دنیائے اِسلام کی عظیم ترین شخصیت حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ (تاریخ کے آئینہ میں)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ
تعارف وخدمات...حیات مبارکہ....سنین کے آئینے میں

تاریخی حقائق.....حجۃ الاسلام حضرت مولانا
محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی زندگی کے بعض گوشے

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

از حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب رحمہ اللہ

تعارف تصانیف حجۃ الاسلام رحمہ اللہ

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ شان

حُجّۃ الاسلام

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی چند کتب کا تعارف

شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ کے قلم سے

انوارِ قاسمی

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ برصغیر کی اُن عظیم شخصیتوں میں سے ہیں جنہوں نے اس خطے کی تاریخ پر نہایت دُوررَس اثرات مرتب کئے ہیں اور اپنی علمی وعملی کاوشوں سے تاریخ کے دھارے کو اسلام کے حق میں موڑا ہے، وہ ان خدا مست بزرگوں کے قافلہ کے سالار ہیں جن کی جدوجہد چونکہ خالص اللہ کے لئے تھی، اس لئے انہوں نے نام ونمود کے ادنیٰ شائبے سے بھی اپنا دامن بچایا اور کبھی اپنے عظیم الشان کارناموں کو لوگوں کے سامنے متعارف کرانے کی کوشش نہ کی چنانچہ اُن کے علمی وعملی کارنامے جس شرح تفصیل کے ساتھ سامنے آنے چاہئیں تھے، اتنی تفصیل کے ساتھ سامنے نہ آسکے۔

ماضی قریب کے مؤرخین میں سے حضرت علامہ مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے تین جلدوں میں "سوانح قاسمی" مرتب فرمائی جو عرصہ ہوا منظرِ عام پر آچکی ہے لیکن مولانا گیلانی رحمۃ اللہ علیہ ایک ایسے قلم کے بادشاہ ہیں جس کی "قلمرو" موضوع کی سرحدوں سے نا آشنا ہے، اس لئے ان کی تالیف عام معلومات کا تو بیش بہا خزانہ ہے لیکن وہ شخص اس سے کما حقہ فائدہ نہیں اُٹھا سکتا جو صرف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سوانح اور کارناموں کے بارے میں کچھ جاننا چاہتا ہو۔ (از کتاب تبصرے، ص:۹۸)

تفسیر المعوّذتین

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی تصانیف میں ''اسرارِ قرآنی'' کے نام سے ایک چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ کے متعدد خطوط جمع کئے گئے ہیں، ان ہی میں سے ایک خط میں موصوف رحمۃ اللہ علیہ نے ''استعاذہ'' اور ''معوّذتین'' سے متعلق بڑی عجیب وغریب بحث فرمائی ہے، زیر تبصرہ رسالہ اسی بحث کا عربی ترجمہ ہے جسے مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند نے اہتمام کے ساتھ شائع کیا ہے۔

اس رسالہ میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے معوّذتین کی تفسیر پر ایک نرالے رُخ سے بحث فرمائی ہے، اور اس میں بڑے نادر تفسیری نکات بیان فرمائے ہیں، تمام عربی داں حضرات کے لئے یہ رسالہ نہایت مفید، مؤثر اور فکر انگیز ہے۔

شروع میں حضرت مولانا محمد طیب صاحب قاسمی مدظلہم مہتمم دارالعلوم دیوبندؒ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تعارف پر ایک دلچسپ مضمون لکھا ہے، اس میں وہ تحریر فرماتے ہیں: ''کسی عالم نے دارالعلوم دیوبند کے پہلے صدر مدرّس حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آپ اور مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہم سبق بھی ہیں اور درس وتدریس میں ساتھ رہے ہیں، لیکن اس کے باوجود ہمیں آپ دونوں میں بڑا تفاوت محسوس ہوتا ہے، پوچھنا یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کے پاس علوم ومعارف کے یہ عجیب وغریب خزانے کہاں سے آئے؟ اس پر حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ اللہ نے انہیں پختہ کار عقل اور حکمتِ بالغہ سے نوازا ہے اس لئے آپ کے قلب پر ہمیشہ حکیمانہ مضامین وارد ہوتے ہیں، دوسری وجہ یہ ہے کہ ان میں ادب اور تواضع کی صفات جبلّی طور پر موجود ہیں، اور یہ صفات انسان کے علم وعرفان میں بڑا اضافہ کرتی ہیں، اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ انہوں نے عبادت اور نفس کشی میں ایسی کاوشیں کی ہیں کہ ان کا خاصہ ہی یہ ہے کہ وہ حقائق ومعارف کے رُخ سے پردہ اُٹھا دیتی ہیں۔ (ص: ۱۳،۱۴)

یہ واقعہ کتنا بصیرت افروز ہے....! آج کی دنیا میں اوّل تو اس کا تصور کرنا ہی مشکل ہے کہ کسی عالم یا ماہر فن کے سامنے اس کے کسی دوسرے ہم عصر کو اس پر فوقیت دی جائے، اور اسی سے اس کی وجہ بھی پوچھی جائے، پھر اگر یہ "گستاخی" کسی سے سرزد ہو جائے تو کیا وہ عالم اتنے کھلے دِل سے اس کی فوقیت وفضیلت کا اعتراف کرسکتا ہے؟ یہ ہے درحقیقت وہ علم جو انسان کو وراثت انبیاء کا مقام عطاء کرتا ہے۔

سچ ہے کہ پھلوں سے لدی ہوئی شاخ ہمیشہ جھکتی ہے، علم کی خاصیت ہی یہ ہے کہ وہ انسان میں تواضع پیدا کرتا ہے، اور جہاں اپنے علم کا دعویٰ اور اپنی ہمہ دانی پر غرہ ہو، وہاں علم ہو ہی نہیں سکتا۔ (جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ، از کتاب تبصرے، ص: ۱۸۸)

حجۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اسمِ گرامی علمی حلقوں میں تعارف کا محتاج نہیں ہے، یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ آج برصغیر پاک وہند میں جہاں جہاں علمِ دین کی کوئی کرن نظر آتی ہے وہ زیادہ تر اسی آفتابِ علم کا پرتو ہے، بحرِ حکمت کے اس شناور کو اللہ نے جو علوم ومعارف عطا فرمائے تھے ان کی نظیر اس آخری دور میں خال خال ہی ہے، اس مردِ باخدا نے اس زمانے میں ہندوستان کے اندر حق کا آوازہ بلند کیا تھا جب وہاں حق کے پرستاروں کے لئے دار کے تختے لٹکے ہوئے تھے۔

انہوں نے اپنی زندگی میں تلوار کا جہاد بھی کیا، قلم کا بھی اور زبان کا بھی اور آخر میں دیوبند کے اندر "دارالعلوم" کے نام سے ایک ایسا چشمۂ فیض جاری کر دیا جس نے ایک عالم کو سیراب کیا، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃً واسعۃً۔

"حجۃ الاسلام" حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تصنیف ہے جسے آپ نے چوبیس گھنٹے کی ایک فرصت میں قلم برداشتہ تحریر فرمایا تھا۔

اصل میں یہ ایک تقریر تھی جو آپ نے "چاندا پور" کے "میلۂ خدا شناسی" کے لئے لکھی تھی، یہ میلہ مئی ۱۸۷۶ء کو انگریزوں نے عیسائیت کی ترویج کے لئے ضلع

شاہجہاں پور کے ایک رئیس منشی پیارے لال کبیر منتھی کو آلۂ کار بنا کر منعقد کیا تھا، اور اس میں ہر مذہب والے کو اپنے مذہب کی تشریح کی دعوت دی گئی تھی، انگلستان کا ایک شعلہ بیان مقرر پادری نولیس اس میلے کا کماندار اعلیٰ تھا۔

اس میلے کی دلچسپ رُوداد ''میلۂ خدا شناسی'' کے نام سے الگ چھپ چکی ہے، مختصر یہ کہ حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے دلائل کے زور، ایمان کی قوت اور اندازِ بیان کی سحر انگیزی سے اس پورے میلے پر اس طرح چھا گئے تھے کہ غیر مسلموں نے بھی آپ کو اس میلہ کا فاتح قرار دیا۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اس مجلس میں شرکت کا دعوت نامہ عین وقت پر پہنچا تھا، اور آپ نے ایک دن رات میں بیٹھ کر یہ تقریر لکھی تھی! ''میلۂ خدا شناسی'' میں تو آپ نے تمام تقریر زبانی ہی فرمائی، لیکن یہ تقریر بعد میں دار العلوم دیو بند سے ''حجۃ الاسلامؒ'' کے نام سے شائع ہوئی۔

اس تقریر کو بلاشبہ ''دریا بکوزہ'' کہا جا سکتا ہے، اس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریباً تمام اسلامی عقائد کو مختصر مگر دِل نشین اور مستحکم دلائل کے ساتھ اس خوب صورتی سے بیان فرمایا ہے کہ اس کا ایک ایک صفحہ عقل اور دِل کو بیک وقت اپیل کرتا ہے، خدا کے وجود، توحید، اولاد سے بے نیازی، ابطالِ تثلیث، مسئلۂ تقدیر، جبر وقدر، عباداتِ بدنی و مالی کے فلسفے، اثباتِ رسالت وعصمتِ انبیاء، شفاعت، ابطالِ کفارہ، مدارِ نبوت، معجزات، اعجازِ قرآن، تحقیقِ نسخ، معجزہ شقِ قمر، حلتِ گوشت، حرمتِ مردار، طریقۂ ذبح اسلامی، ان میں سے ہر ایک مسئلے پر اس تقریر میں مدلل کلام موجود ہے، دلائل اتنے واضح کہ عقل مطمئن ہوتی چلی جائے، اور اندازِ بیان اتنا دِل نشین کہ براہِ راست دل پر اثر انداز ہو، ایک ایک سطر سے مصنف کا یہ یقین اور اعتماد ٹپکتا ہے کہ اسلام ہی دینِ حق ہے۔ مصنف رحمہ اللہ کی خصوصیت یہ ہے کہ وہ دقیق فلسفیانہ باتوں کو گرد و پیش کی خارجی مثالوں سے اس طرح واضح فرماتے ہیں کہ وہ دِل میں اُترتی چلی جاتی

ہیں، ''خدا کا کوئی بیٹا'' نہیں ہوسکتا'' اس موضوع پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''اپنے گھر اگر بندر یا سور کی شکل کا لڑکا پیدا ہو جائے تو کس قدر رنجیدہ ہوں کہ الٰہی پناہ! حالانکہ بندر اور سور اور آدمی، اور بھی کچھ نہیں تو مخلوق ہونے اور کھانے پینے اور بول و براز میں تو شریک ہیں، اور خدا کے لئے ایسی اولاد تجویز کریں جس کو کچھ مناسبت ہی نہ ہو۔ تم ہی فرماؤ کہ جو شخص کھانے پینے کا محتاج ہو، بول و براز سے مجبور ہو، اس میں اور خدا میں کون سی بات کا اشتراک ہے جو خدا کا بیٹا یا خدا کہتے ہو؟ (ص:۶۲)''

انبیاء کی ضرورت اور ان کے معصوم ہونے کو کس لطیف پیرائے میں بیان فرماتے ہیں:

''بادشاہانِ دُنیا اس تھوڑی سی نخوت پر اپنے ہی بنی نوع سے نہیں کہتے، دُکان دُکان اور مکان مکان پر کہتے نہیں پھرتے، مقربانِ بارگاہ ہی سے کہہ دیتے ہیں، وہ اوروں کو سنا دیتے ہیں، اور بذریعۂ اشتہارات و منادی اعلان کرا دیتے ہیں، خداوندِ عالم کو ایسا کیا کم سمجھ لیا ہے کہ وہ ہر کسی سے کہتا پھرے، وہاں بھی یہی ہوگا کہ اپنے مقربوں سے اور خواصوں سے فرمائے اور وہ اوروں کو پہنچائیں، ایسے لوگوں کو اہلِ اسلام انبیاء اور پیغمبر اور رسول کہتے ہیں۔''

''لیکن دنیا کے تقرب اور خواصی کے لئے سراپا اطاعت ہونا ضرور ہے، اپنے مخالفوں کو اپنی بارگاہ میں کون گھسنے دیتا ہے؟ اور مسندِ قرب پر کون قدم رکھنے دیتا ہے؟ اس لئے یہ ضرور ہے کہ وہ مقرب جن پر اسرار و مافی الضمیر آشکار کئے جائیں یعنی اُصول اَحکام سے اطلاع دی جائے، ظاہر و باطن میں مطیع ہوں، مگر جس کو خداوندِ علیم وخبیر باعتبارِ ظاہر و باطن مطیع و فرمانبردار سمجھے گا اس میں غلطی ممکن نہیں، البتہ بادشاہانِ دنیا موافق و مخالف و مطیع و عاصی و مخلص و مکار کے سمجھنے میں بسا اوقات غلطی کھا جاتے ہیں۔۔۔ مگر اللہ تعالیٰ کی درگاہ کے مقرب بوجہ عدمِ امکانِ غلط فہمی ہمیشہ مطیع و مقرب ہی رہیں گے، نظر بریں یہ لازم ہے کہ انبیاء معصوم بھی ہوں۔ (ص:۹۳،۹۴)''

اعجازِ قرآنِ کریم پر گفتگو کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

''علاوہ بریں عبارتِ قرآنی ہر کس و ناکس رند بازاری کے نزدیک بھی اسی طرح

اور عبارتوں سے ممتاز ہوتی ہے جیسے کسی خوش نویس کا خط بدنویس کے خط سے، پھر جیسے تناسبِ خدوخال معشوقان اور تناسب حروف خطِ خوش نویسان معلوم ہو جاتا ہے، اور پھر کوئی اس کی حقیقت اس سے زیادہ نہیں بتا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے، ایسے ہی تناسبِ عبارتِ قرآنی...... ہر کسی کو معلوم ہو جاتا ہے، پر اس کی ''حقیقت'' اس سے زیادہ کوئی نہیں بتلا سکتا کہ دیکھ لو یہ موجود ہے۔ (ص:۱۰۵)

معجزۂ ''شق قمر'' پر بطلیموسی یا جدید فیثا غوری فلکیات کی رُو سے جو اعتراضات ہو سکتے تھے اس پر مفصل اور فاضلانہ گفتگو کے بعد اس اعتراض کا جواب دیتے ہوئے کہ:

''کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اگر انشقاقِ قمر ہوا ہوتا تو سارے جہان میں شور پڑ جاتا، تاریخوں میں لکھا جاتا۔'' تحریر فرماتے ہیں:

''علاوہ بریں طلوعِ قمر کے تھوڑی دیر کے بعد یہ قصہ واقع ہوا، اس لئے کہ جبلِ حرا کے دونوں ٹکڑوں کے بیچ میں حائل ہو جانے کا مذکور ہے، اس صورت میں ممالکِ مغرب میں تو اس وقت تک عجب نہیں طلوع بھی نہ ہوا ہو اور بعض مواقع میں عجب نہیں کہ ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے کی آڑ میں آ گیا ہو اور اس لئے انشقاقِ قمر اس جا پر محسوس نہ ہوا ہو، ہاں! ہندوستان میں اس وقت ارتفاعِ قمر البتہ زیادہ ہوگا۔ اور اس لئے وہاں اور جگہ کی نسبت اس کی اطلاع کا زیادہ احتمال ہے، مگر جیسے اس وقت ہندوستان میں ارتفاعِ قمر زیادہ ہوگا ویسا ہی اس وقت رات بھی آدھی ہوگی اور ظاہر ہے اس وقت کون جاگتا ہوتا ہے۔ سوا اس کے ہندوستانیوں کو قدیم سے اس طرح توجہ ہی نہیں تھی کہ تاریخ لکھا کریں، بایں ہمہ تاریخوں میں وارِد ہے کہ یہاں کے ایک راجہ نے ایک رات یہ واقعہ بچشمِ خود دیکھا تھا۔'' (ص:۱۴۱، ۱۴۲)

یہ ''مشتے نمونے از خروارے'' ہے، پوری کتاب کا حال یہی ہے کہ اسے پڑھ کر دِل کو اطمینان کی دولت میسر آتی ہے، اور قلب و دماغ کے دریچے کھلتے ہیں، کتاب مجموعی طور پر عام فہم ہے، لیکن بعض جگہ دقیق مباحث بھی آ گئے ہیں اور کسی جگہ اجمال کی وجہ سے عام ذہن ان باتوں کی طرف منتقل نہیں ہوتا، جن کی طرف حضرت مصنف رحمہ اللہ نے اشارہ

کیا ہے، اس لئے ضرورت تھی کہ ایسے مواقع کی تشریح کی جاتی، چنانچہ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب اُستاذ دارالعلوم دیو بند نے ایسے مقامات کی فاضلانہ تشریحات متن کے ساتھ ہی تحریر فرمادی ہیں، جن کی وجہ سے کتاب کا فائدہ بڑھ گیا ہے۔

کتاب کے شروع میں شیخ الہند حضرت مولانا محمود الحسن صاحب قدس سرہٗ کا ایک مختصر مقدمہ ہے جس میں کتاب کی تصنیف کا واقعہ مذکور ہے، اور اس کے بعد ''تبصرہ'' کے عنوان سے مولانا اشتیاق احمد صاحب مدظلہم نے ''میلۂ خداشناسی'' کے منظر و پسِ منظر پر روشنی ڈالی ہے۔ بلاشبہ ''حجۃ الاسلام'' ایسی کتاب ہے کہ اسے گھر گھر پھیلنا چاہئے، مسلمانوں اور غیر مسلم دونوں طبقوں میں اس کی خوب نشر واشاعت ہونی چاہئے، نیز ضرورت ہے کہ اس کتاب کے دُوسری زبانوں بالخصوص عربی اور انگریزی میں ترجمے کئے جائیں۔ (از کتاب تبصرے، ص: ۲۱۴)

قاسم العلوم

یہ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ان علمی مکاتیب کا مجموعہ ہے جو حضرتِ موصوف نے مختلف علمی سوالات کے جواب میں تحریر فرمائے اور مطبع مجتبائی دہلی کے پہلے مالک منشی ممتاز علی صاحب نے انہیں مرتب کر کے شائع کیا۔

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا علمی مقام بلند کسی تعارف کا محتاج نہیں، اللہ تعالیٰ نے انہیں وہبی علوم سے نوازا تھا، اور یہ کتاب انہی وہبی علوم کی ایک جھلک ہے۔

ان تمام مکاتیب میں علوم و معارف اور حقائق و اَسرار کا بحرِ ناپیدا کنار موج زن نظر آتا ہے۔ اصل مکاتیب فارسی میں ہیں، پروفیسر انوارالحسن صاحب نے اُردو میں ان کا ترجمہ کر کے بڑی عظیم خدمت انجام دی ہے، ترجمہ صاف، سلیس اور رَواں ہے، مکاتب کا اصل فارسی متن بھی ساتھ موجود ہے، جس سے اہلِ علم ہر وقت مراجعت کر سکتے ہیں، اُمید ہے کہ علمی حلقے اس کتاب کی کماحقہ پذیرائی کریں گے۔

(ذی القعدہ و ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ)....(از کتاب تبصرے، ص: ۳۶۸)

مقالاتِ حُجّۃ الاسلام

موجودہ اکابر کی نظر میں

تقاریظ و تاثرات

تصانیف قاسم ... عصری افادیت

از حضرت مولانا حکیم فخر الاسلام مظاہری مدظلہ العالی

دینِ حق کو بغیر کسی ملاوٹ کے پیش کرنا فکرِ دیوبند کے مؤسسین اور اُن کے فیض یافتگان کا امتیاز ہے۔ اِس باب میں فکری اور کلامی نہج پر مولانا محمد قاسم نانوتوی (۱۸۳۲۔۱۸۸۰ء) کا نام سب سے اول اور کام سب سے منفرد ہے۔ اسلام کے تیئں اُن کے فکری اصلاحات اور تصحیح خیالات و افکار کا ایک حصہ وہ علوم ہیں جن پر قابو پانے سے ۔ ایک طرح سے ۔ عقلیں عاجز ہیں۔ جس جس نے اُن علوم کی شرح و ترجمانی کی وہ اپنی بساط بھر کچھ حصے پر ہی دسترس حاصل کر سکا۔

ممکن ہے اِس مقام پر قاری کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ سلف سے خلف تک عارفین و محققین نے بڑے بڑے علوم بیان کیے ہیں، پھر فاتحِ مباحثۂ شاہ جہاں پور کے یہاں آخر وہ کیا چیزیں ہیں کہ جنہیں پڑھنے کے بعد بڑے بڑے عبقری بھی انگشت بدنداں رہ گئے ہیں۔ لہٰذا مناسب ہے کہ نانوتوی علوم کے اُن بنیادی امور پر کچھ گفتگو کی جائے جو افکارِ حاضرہ کے لیے اِطلاقی حیثیت رکھتے ہیں، حالاں کہ لوگ اُن کو عام طور پر پرانے زمانے کے مروج فنون ہی سمجھتے ہیں:

۱۔ یہ بات علوم نانوتوی کی خصوصیات میں سے ہے کہ اُن کے یہاں مسئلہ کا تجزیہ بھی اور نتائج بھی، سب طبیعیاتی منہج پر ہوتے ہیں۔ گویا حضرتؒ کے طرزِ بیان سے عقل اور سائنس، فلسفہ اور طبیعیات کی دوئی استدلالی امور میں ختم ہو جاتی ہے۔ اور

دونوں ایک دوسرے سے متحارب ہونے کے بجائے معاون محسوس ہوتے ہیں۔ لیکن یہ تعاون وہ نہیں ہے جسے اہلِ مغرب نے باور کرایا ہے کہ عقل کے صحیح اصولوں کو ترک کر کے فلسفے کو مادہ پرست سائنس کا خادم بنا دیا۔ بلکہ حضرت نانوتویؒ نے اپنی تصنیفات میں یہ دکھلایا ہے کہ سائنس تو خیر فلسفہ کی خادم ہی ہے؛ لیکن فلسفہ کا اعلیٰ درجہ جسے عقل صحیح کہیے اور عقل صحیح کا بھی بلند ترین مرتبہ یعنی غبار خواہش کی آلودگی سے محفوظ: ''عقل مصفی بھی اپنے اِدراک میں غلطی نہیں کرتی؛ مگر اُس کا اِدراک یہی ہے کہ معقولات کو بے واسطۂ دلائل سمجھے۔ نوبتِ استدلال نہ آئے۔'' ﴿قاسم نانوتوی: ''حجۃ الاسلام'' ص ۵۷۔ مکتبہ دار العلوم ۱۴۲۷ھ﴾ اسی بنا پر وہ فرماتے ہیں کہ: ''تمام احکامِ الٰہی و رسالت پناہی عقلی ہیں؛ مگر ہر عقل کو وہاں تک رسائی نہیں۔'' ﴿محمد نعمان ارشدی: مولانا قاسم نانوتویؒ نگارشاتِ اکابر ص ۶۹۸ مذہب منصور سے ماخوذ، حجۃ الاسلام اکیڈمی، ۲۰۱۸﴾

تصنیفاتِ قاسم کے متعلق اِنہی خصوصیات کا ذکر حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ اِس طرح کرتے ہیں کہ اِن تحقیقات میں:

''حقائق سب کے سب منقول ہیں؛ لیکن پیرایۂ بیان بلاحوالۂ نقل، خالص معقول اور اُس کے ساتھ فلسفیانہ اور سائنٹفک۔ گویا عقل وطبع دونوں کو صحیح معنی میں حضرتؒ نے دین کا ایک خدمت گار بنا کر دکھلایا ہے کہ فلسفہ اور سائنس کا کان پکڑا اور دین کے جون سے گوشے کی چاہی خدمت لے لی، جس سے دین کی نسبت سے عقل وطبع دونوں کا موقف بھی خود بخود کھل کر سامنے آجاتا ہے۔'' ﴿حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ ص ۲۰﴾

ہندومت کا چیلنج

حضرت مولانا کی تصنیفات میں گفتگو آسان بھی ہے اور مشکل بھی اور اکثر مشکل ہی ہیں۔ آریہ سماجی تحریک کے بانی سوامی دیانند سرسوتی (۱۸۲۴-۱۸۸۳) نے ایک موقع پر گیارہ سوالات یا اِعتراضات کیے، جن کے جواب کا مجموعہ دو کتابوں پر مشتمل ہے۔ دس اعتراضات کے جوابات تو ''انتصار الاسلام'' میں ہیں۔ یہ کتاب آسان

ہے۔اور ایک اعتراض - جو سوامی جی کے خیال میں بہت بھاری اعتراض تھا کہ: مسلمان کعبہ کی پوجا کرتے ہیں جو پتھر کی ایک عمارت ہے۔ پنڈت جی کے خیال میں عقلی بنیاد پر اِس کا جواب دینا کسی کے بس کا نہیں تھا۔ اِس اعتراض کے جواب میں ''قبلہ نما'' رقم فرمائی۔'' (قاسم العلوم ص ۳۶۴) 'قبلہ نما'' (مکتبہ دار العلوم دیوبند) کے ابتدائی ۵۳ صفحے تو آسان ہیں؛ لیکن صفحات ۸۰- تا - ۲۴۸ر میں نہایت عالی مضامین ہیں۔مضامین کی اُن منزلوں تک رسائی کے لیے دشوار گزار گھاٹیاں عبور کرنا ضروری ہے۔اور وہ گھاٹیاں قدیم وجدید علوم ہیں۔یعنی کہنا چاہیے کہ اِن ابحاث سے عہدِ حاضر کے افکار کا تعاقب اور فلسفی و سائنسی اصول ونتائج وابستہ ہیں۔

پنڈت جی کے ہی ایک شاگرد کے جواب میں ''جواب ترکی بہ ترکی'' لکھی گئی۔جس طرح معترض کی جانب خیالات واعتراضات پنڈت جی کے تھے، شاگرد لالہ آنند لال کی طرف منسوب تھے، ویسے ہی جواب میں حضرت نانوتویؒ کے افکار واستدلالات تھے، شاگرد مولانا عبد العلیؒ کے قلم سے لکھے گئے تھے۔اِسی طرح پنڈت جی کی گفتگوؤں اور تحریروں میں عقل اور قوانین فطرت (Laws of nature) کی بنیادوں پر اسلام پر اعتراضات اور اپنے مذہب کی بے دلیل فوقیت کا ذکر ہوتا تھا۔اِن سب کے تدارک کے لیے یعنی ہندوازم کے مقابلے میں خالص عقلی بنیادوں پر اسلام کا دفاع اور سناتن مذہب پر تنقیدات کے واسطے حضرت نانوتویؒ کی تحریریں بے نظیر ہیں۔

کتاب ''تقریر دل پذیر'' کا حال سنئے

اِس کا تقریباً نصف آخر نصف میں اوتاروں کے تصور کا رد، آواگون کے عقیدے کا تجزیہ، پھر اِبطال جس طرح اِس کتاب میں کیا گیا ہے، مشکل ہی سے کہیں مل سکے گا۔ہندومت ،عیسائیوں کی تثلیث،مغربیوں کے تعاقب کے ساتھ ساتھ جدید معتزلیوں کی عقل پرستی ،لاز آف نیچر کے پرستاروں کی فطرت پرستی کی حقیقتیں واشگاف کی گئی ہیں اور اِن کھلے مباحثوں میں عہدِ حاضر کے فلاسفرز کو چیلنج پیش کیا گیا

ہے۔ حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "یہ رسالہ بے نظیر ہے۔ چشم روزگار نے بھی مثل اس کے کوئی کتاب یا رسالہ نہ دیکھا ہوگا۔ ناظرِ فہیم و منصف بعد ملا حظہ کے اِس کو جان سے زیادہ عزیز سمجھے گا۔"

(پیش لفظ بہ عنوان "می باید دید" از مولانا فخر الحسن گنگوہیؒ بر تقریر دل پذیر ص ۳۶۴)

آفاقی اور عالمی چیلنج: کتاب "تقریر دل پذیر" الامام محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ کی آخری اور مفصل تصنیف ہے جو حضرت مولانا محمد منیر صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) کی اِس درخواست پر لکھی گئی کہ: ایک تقریر مُثبتِ توحید و رسالت ایسی تحریر ہو، کہ جس میں یہ شرائط ملحوظ رکھی جائیں کہ: ۱- پابندی کسی مذہب کی نہ پائی جائے۔ ۲- محض دلائلِ عقلی سے یا مشہورات سے ثبوت ہو۔ ۳- روزمرہ کے محاورات میں لکھی جائے۔ ۴- علمی اصطلاحات سے گریز کیا جائے۔

یہ کتاب اِن ہی شرائط کے ساتھ تصنیف ہونا شروع ہوئی، اثنائے تحریر میں کچھ حضرت مصنفؒ کو خیال ہوا اور کچھ بعض بعض بزرگوں نے مشورہ دیا کہ اگر اِجمالاً سب امور اِعتقادیہ کا اِس میں ثبوت ہو جاوے تو بہتر ہے۔ اِس سبب سے یہ تقریر طویل ہوتی گئی۔ (۱) "خاتمۃ الطبع"، مطبع بحر العلوم، ص ۲۶۶-۲۶۷۔ ساتھ ہی خالص علمی عقلی مسائل اور بنے بنائے اصولوں کا اِجرا نہیں؛ بلکہ کائنات کی موجودات سے اصولوں کا ثابت کرنا وغیرہ امور کو زیرِ بحث لانے کی وجہ سے تحریر کا آسان رکھنا آسان نہ رہا۔

علوم جدیدہ اور سائنس کے مسائل مثلاً حرکت، زمانہ، تکوناتِ عالم، یعنی کائنات کی ابتدا، انتہا (Cosmology) ذراتی طبعیات، ریاضیات، نفسیات، وجدانیات اور دور حاضر کے ماورائی فلفسے مثلاً کانٹ وغیرہ کے افکار اصول خیر و شر وغیرہ موضوعات زیرِ بحث آنے کے لحاظ سے علم کلام جدید کی تدوین میں اِس کتاب کو اگر کلیدی اور اساسی حیثیت دی جائے، تو بے جا نہ ہوگا۔

اِس قسم کی کتابوں میں حضرتؒ کا طریقۂ کار یہ ہے کہ: ۱- قدیم سے چلے آرہے

اصول-جنھیں مسلّم کہا جاتا ہے-استدلالی نہج پر طبعی طریقۂ کار کے ذریعے تحلیلی وتجزیاتی بنیاد پراُن کا مسلم ہوناواضح کیا گیا ہے۔۲-جومسائل تنقیح طلب تھے،اُن کے لیے بھی تحلیلی بنیاد براہین وضع کر کے اُن کے اصول اور قانون ہونے پر پیدا ہونے ہر اشتباہ کے اِمکان کو دور کر دیا جائے۔۳-جو نئے مسائل تھے، نئے حالات اور علوم کے پیدا کردہ تھے، نئے اصولوں اور مسلمات پر مبنی تھے، اُن کے مسلم ہونے یا مطلق (universal) ہونے پر کلام کر کے،اُن کی حدود واضح کی ہیں۔اُن کے نظریاتی (Theoretical) اور اصولی (Doctrine) ہونے کی حیثیتوں پر کلام کیا گیا ہے۔اِس کی مثال نیوٹن کا یونیورسل لا آف گریویٹیشن ہے۔

پوری کتاب میں جو کچھ سمجھایا اُسی سے موجودہ دور میں سائنس کے تناظر میں سب سے اہم کلامی مسئلہ ''تکونات'' (Cosmology) وابستہ ہے۔مصنفِ کتاب تمام عقائد کے باب میں ''وجود'' سے لے کر ''موجودات'' تک میں اور فاصل بین الوجود والموجود یعنی ''انتزاعیات''، ''اَشکال'' اور ''ہیاکل'' تک میں اُسی خط وسط کی تحقیق وتدقیق کرتے کرتے واصل بحق ہو کر موجودِ اصلی وحقیقی سے جا ملے، جس کی تمثیل امام غزالی نے ''صراط مستقیم'' سے دی ہے۔

حقائق پر مبنی اصول وتحقیقات کا جو خاکہ حضرت کے پیشِ نظر تھا، خود ''تقریر دل پذیر'' میں، ابھی بہت کچھ باقی تھا۔اور یہ بھی اِس پر ہے کہ جتنا کچھ لکھا اُس میں بھی مخاطبین کی رعایت سے قلم کو روک روک کر بار بار اِس قسم کے فقرے لکھنے پڑے کہ:

''عقل کے احاطے کی میں شرح کرتا۔(ا) پر کیا کروں کہ جگہ تنگ اور وقت تنگ۔'' ''اگر اندیشۂ تطویل نہ ہوتا تو...دلائل کو مفصل بیان کرتا۔''

(عہدِ الست کے متعلق) ''اگر فرصت کم اور لکھنے کی جلدی زیادہ نہ ہوتی، تو اِس بات کو دلائل سے بھی ثابت کر دیتا کہ محبت بے دیکھے، برتے پیدا نہیں ہوتی۔'' آگ، ہوا، ''زمین اور پانی میں سے ہر ایک علاحدہ علاحدہ اجزائے مختلفہ سے مرکب

ہے...فقط زمین کا حال بیان کیے دیتا ہوں۔'' وغیرہ۔

کتاب کے مطالعے کے بعد رہ جانے والی تشنگی دور کرنے کے ساتھ فہم میں جلا پیدا کرنے کی صورت، اب صرف یہ ہے کہ مصنف کی تین کتابوں کے مطالعہ کی زحمت مزید اُٹھائی جائے: ۱-مباحثۂ شاہ جہاں پور۔۲-حجۃ الاسلام۔۳-قبلہ نما۔

لیکن اگر تینوں کے مطالعے کی ہمت یا فرصت نہ ہو،تو کم از کم پہلی دو کتابیں ضرور دیکھ لینا چاہیے۔اِس سے دو فائدے ہیں: ایک تو ''تقریر دل پذیر'' کے مضامین سمجھنے میں ان دونوں کتابوں سے مدد ملے گی۔دوسرے یہ کہ آفاقی نہج پر کلامی مسائل میں جو مباحث حضرت مصنف علام کے پیشِ نظر رہے ہیں۔اُن میں سے چار مباحث،۱: خدا تعالی کا ثبوت۔۲: خدا تعالی کی توحید (توحید ذات،توحیدِ صفات)

۳: نبوت کی ضرورت۔۴: نبی کے اوصاف و دلائل۔اِن مباحث پر گفتگو تو زیرِ نظر کتاب تقریر دل پذیر میں ہو چکی۔البتہ چار بحثیں اور ہیں جن کے لیے ''مباحثۂ شاہ جہاں پور'' اور ''حجۃ الاسلام'' کے مطالعے کی ضرورت ہنوز قائم ہے۔

تصانیفِ قاسم کی جانب عباقرہ کا اِلتفات

''تقریر دل پذیر'' کا اُسلوب بالکل نرالا ہے۔مصنف نے اپنے دلائل و حقائق اور کتاب کے مندرجات پر رائے دینے کے باب میں پہلے ہی یہ ہدایت کر دی ہے کہ: ''ایک بار اول سے آخر تک دیکھ جائیں اور بے سب دیکھے حرف گیر نہ ہوں کہ شاید پہلی بات کا ثبوت آخر میں نکلے اور آخر کا اول سے کام چلے۔'' (تقریر دل پذیر ص ۲۴ شیخ الہند اکیڈمی ص ۲۴) اِسی حوصلے کے ساتھ کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے۔لیکن حوصلہ پست کرنے اور اِستفادہ ترک کرنے کی گنجائش نہیں۔آگے دریا ہے، پیچھے آگ۔اس لیے شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندیؒ (۱۸۵۱-۱۹۲۰ء) اِن تصنیفات سے بے نیازی کی اجازت نہیں دیتے؛ بلکہ یہ مشورہ دیتے ہیں کہ: حضرت نانوتویؒ کے رسائل کے مطالعہ میں بھی کچھ وقت ضرور صرف فرماویں اور پورے غور سے کام لیں اور انصاف

سے دیکھیں کہ'': یہ رسالے دور حاضر کی ضروریات کے لیے ''سب تدابیر سے فائق اور مختصر اور بہتر اور مفید تر ہیں یا نہیں؟'' (مقدمہ: حجۃ الاسلام)

متکلم زمانہ کے علم و استدلال کے یہ امتیازی اوصاف ہیں جن کا نظارہ فلک روزگار کر چکا ہے۔ مذاہب غیر، اہلِ باطل، اہلِ الحاد اِن کے سامنے سپر ڈال چکے ہیں۔ اِن کے چرچے آج تک جاری ہیں۔ حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ میلۂ خداشناسی میں آب زر سے لکھے جانے والے کارنامے کے علی الرغم دلائل قاسمؒ سے غیر مسلموں کے تاثر کی کیفیت ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں:

''یہ تو اغیار کا قصہ ہے جو عرض کیا گیا؛ لیکن خود مسلمان کہلانے والے ایسے فضلا بھی جن کی آنکھوں کو فلسفۂ جدیدہ اور سائنس نے خیرہ کر دیا تھا، وہ بھی جب یہ بیانات سنتے تھے یا آج علمائے دیوبند سے اُن کی ترجمانی کو سنتے ہیں، تو وہ نہ صرف مرعوب ہی ہوتے ہیں؛ بلکہ اُن کے خیالات کی دنیا میں اِنقلاب بپا ہو جاتا ہے اور وہ سوچ میں پڑ جاتے ہیں کہ اِن دلائلِ قاہرہ کے عقائد و افکارِ دین کے بارے میں آخر وہ کس طرح اپنے اِس طبعیاتی یا سائنسی موقف کو قائم رکھیں اور کیوں کر نہ اعترافِ حق کریں۔ اِس حقیر ناکارہ کو خود بھی بارہا اِس کا تجربہ ہوا کہ اِس قسم کی جس مجلس میں بھی قابل گریجویٹوں سے خطاب ہوا اور مناسب موقع حضرت والا کے علوم کی ترجمانی کی نوبت آئی، تو بارہا یہی اِعتراف و اِقرار کا منظر دیکھنے میں آیا۔'' آگے لکھتے ہیں:

اِس سے ہم اِس نتیجے پر پہنچے کہ آج کے دور کے اِنکار و اِلحاد اور دہریت و زندقہ کا قرارِ واقعی اِستیصال یا دفاع اگر ممکن ہے، تو اِسی حکمتِ قاسمیہ کی علمی روشنی سے ممکن ہے جو کہ آج کے فلسفہ اور سائنس کے مسلمات اور نئے نئے اِنکشافات ہی کے اصول سامنے لا کر اِسلام کی صداقت کا لوہا منوا سکتی ہے۔ اور جس میں حقیقی طور پر حجت کی شان موجود ہے۔'' (حکیم الاسلام، محمد طیب: حکمتِ قاسمیہ ص ۲۸-۳۰)

مستفیدین علوم قاسم

الامام محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ کی تصانیف کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بہ خوبی لگایا جاسکتا ہے کہ حضرت مولانا محمود حسن دیوبندیؒ جیسے معقولات ومنقولات کے جامع متبحر عالم نے حضرتؒ کی اردو کی بعض کتابیں خود مصنف نانوتویؒ سے سبقاً سبقاً پڑھیں۔ پھر شیخ الہندؒ سے علامہ عبید اللہ سندھیؒ نے کتاب ''حجۃ الاسلام'' اِسی طرح پڑھی یعنی سبقاً سوبقاً۔ علامہ انور شاہ کشمیریؒ نے ''تقریر دل پذیر'' کا درس دیا جس کے مستفیدین میں حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ بھی شامل تھے۔ اور تلمیذِ علامہ بلیاوی حضرت مولانا سید فرید احمد باقری قاسمی مدظلہ جو۔ مولانا سعید احمد پالن پوری مرحوم کے ساتھیوں میں ہیں۔ نے راقم سطور کو زبانی بتایا کہ علامہ ابراہیم بلیاویؒ نے ''تقریر دل پذیر'' حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ سے سبقاً سبقاً پڑھی۔

ترجمانانِ علوم قاسم

اس طرح الامام نانوتویؒ کے علوم کی اشاعت ہوتی رہی۔ اور اِس تعلق سے پہلا نمایاں نام مولانا سید فخر الحسن گنگوہیؒ کا ہے جنہوں نے تقریر دل پذیر کی تسہیل کا لازوال کارنامہ انجام دیا۔ اِن ترجمانانِ علومِ نانوتوی کا ذکر کرتے ہوئے حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحبؒ لکھتے ہیں: ترجمانِ حکمت قاسمی ''کے ایک فردِ کامل حضرت اقدس مولانا سید احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۷-۱۳۳۰) تھے جن کی درسی اور غیر درسی تقریریں اِسی حکمت (قاسمیہ) سے مملو ہوتی تھیں۔'' (حکیم الاسلام: حکمتِ قاسمیہ)

مولانا احمد حسن امروہی کے خطبات ومکتوبات مولانا نسیم احمد فریدی کے مرتب کردہ، موجود ہیں، اُنہیں ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ دوسرے فردِ کامل مولانا عبد العلی خلف شیخ نصیب علی فریدی (وفات: ۱۳ جمادی الاول ۱۳۴۷ھ/۲۹، اکتوبر ۱۹۲۸ء) ہیں جن کی کتاب ''جواب ترکی بہ ترکی'' حضرت نانوتویؒ کے اہم ترین اِفادات میں سے ہے۔ یہ کتاب ۸۷ صفحات پر مشتمل ہے جو ایام رمضان میں گیارہ دنوں میں لکھی گئی۔ اُسلوب

،اصول اور دلائل بالکل حضرت نانوتویؒ کے ہیں یعنی منقول بلا حوالۂ نقل معقول کے پیرایہ میں۔ مزید معلومات کے لیے ماہ نامہ ندائے شاہی مرادا باد مدرسہ شاہی نمبر ص ۳۰۴ تا ۳۱۶ ملاحظہ فرمائیے۔ اخیر کے اِن دو شاگردوں کا اُسلوب بیان اور طرزِ استدلال بالکل استاذ کی کاربن کاپی یا ڈیجیٹل عکس ہوتی تھی۔

حضرت نانوتویؒ کے علوم کو اِطلاقی حیثیت دینے کے حوالے سے اپنی وسعتوں کے ساتھ گزشتہ ڈیڑھ سو سال کے تمام عرصے میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۸۰-۱۳۶۲ھ = ۱۸۶۳-۱۹۴۳ء) کا شمار پہلے نمبر پر ہے۔ حضرت نانوتویؒ کی معرفتِ ذات، امت کے اِس حکیم کو کس درجے حاصل تھی، اِس کا اندازہ اقتباسات ذیل سے ہوتا ہے: ''حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی تقریر بھی اور تحریر بھی کیسی جامع ہیں ۔سبحان اللہ۔ معلوم ہوتا ہے کہ علوم بھر دیے گئے ہیں۔'' (حکیم الامت: الافاضات الیومیہ من الافادات القومیہ، جلد ۱ ص ۳۷۲، جلد ۵ ص ۲۵۶، جلد ۲۵ ص ۳۸، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ۱۴۲۳ھ)

''ہے تو بے ادبی؛ مگر میں بے ادبی نہیں سمجھتا۔ اس لیے کہ یہ عرفاً بے ادبی سمجھی جاتی ہے، حقیقت میں بے ادبی نہیں۔ وہ یہ ہے کہ خدا تعالی کے فضل سے امام غزالی اور رازی سے افضل اِس وقت موجود ہیں۔ دیکھ لیجئے امام غزالی اور رازی کے بھی مصنفات موجود ہیں اور اِس وقت بعض بزرگوں کے بھی موجود ہیں۔ موازنہ کر لیا جائے۔'' ﴿: ''بعض بزرگوں'' سے مراد حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی جیسے حضرات ہیں﴾ (ملفوظات جلد ۱ ص ۳۷۲، جلد ۵ ص ۲۵۶، جلد ۲ ص ۳۶۵، مکتبہ تالیفات اشرفیہ، ملتان ۱۴۲۳ھ)

حکیم الامت حضرت تھانویؒ کے فکری، حکمی، فلسفی و کلامی تالیفات کو حضرت نانوتویؒ کے کلامی مسائل کی شرح و ترجمانی کے طور پر دیکھنا چاہیے۔ کیوں کہ حضرت تھانویؒ کے ذریعہ پیش کیے گئے ہزاروں صفحات میں پچاسوں مسائل حضرت نانوتوی کے ذکر کیے ہوئے دقیق، غامض و نادر دلائل کی سریع الفہم تعبیرات ہیں۔ اسی طرح اصول نانوتوی کی جس کثرت سے نشر و اِشاعت حضرت تھانویؒ نے فرمائی ہے؛ وہ کسی

اور مصنف و مفکر کے یہاں دیکھنے کو نہیں ملتی۔ بطور مثال ''**المصالح العقلیة للأحکام النقلیة**'' میں مندرج مضمون ''حقیقتِ قیامت'' ملاحظہ کیا جاسکتا ہے۔ اِس کے علاوہ بعض موقعوں پر یہ ہوا کہ حضرت نانوتویؒ کے کسی مفصل مضمون کا جامع ملخص حضرت تھانویؒ نے ذکر فرمایا ہے: مثال: مسئلہ دیدارِ خداوندی پر بیان کردہ حضرت نانوتویؒ کی تفصیلات جو ۴۰ سے زائد صفحات میں ہیں۔ اور بیان القرآن میں **لا تُدرِکُه الابصار وھُوَ یُدْرِکُ الاَبصار** کی ایک صفحے میں بیان کردہ تفسیر اُسی مضمون کی دریا بکوزہ تعبیر ہے۔ ''تلخیص ہدایۃ الحکمۃ'' کے مطالعہ کے ساتھ ''درایۃ العصمۃ'' میں ہیئت اور فلکیات کے متعلق قدیم و جدید فلاسفہ، جدید ماہرینِ فلکیات اور اہلِ سائنس کے مسلّمات پر حضرت تھانویؒ کی تنقیدات اگر نظر میں نہ رکھی جائیں، تو حضرت نانوتویؒ کے علوم سے مناسبت اور اُن کی فہم و تفہیم مشکل ہی رہے گی۔ نیز ''طبیعت'' اور ''افادیت''، ''قوانین فطرت'' کا بیان بھی اسی قبیل سے ہے۔ اِن تمام موقعوں پر حضرت تھانویؒ کے اصول اور مسائل، حضرت نانوتویؒ کی بیان کردہ تفصیلات کے ذریعہ فہم سے قریب لائی جاسکتی ہیں۔

الامام محمد قاسم نانوتویؒ سے بکثرت استفادہ کرنے والے مذکورۃ الصدر عالی مقام شاگردوں کے علاوہ علی الترتیب حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ، شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، علامہ ابراہیم بلیاوی، حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ، مولانا انوار الحسن شیرکوٹیؒ، مولانا اشتیاق احمد دیوبندیؒ کے بعد فقہی اور معقولی دقیقہ سنجی کے حل کی دو کاوشیں مولانا سعید احمد پالن پوری کی منظرِ عام پر آئیں۔ اگر چہ مولانا سعید احمد پالن پوری اور بہتر خدمات انجام دے سکتے تھے؛ لیکن۔ فنونِ عقلیہ پر عبور اور اپنے تمام تر علمی رسوخ کے علی الرغم۔ افکارِ حاضرہ کے تناظر میں کلامی مسائل، دلائل اور عقلی اصولوں کی اِطلاقی نوعیتوں سے دلچسپی نہ ہونے کی وجہ سے وہ حضرت نانوتویؒ کے ذکر کردہ کلامی مسائل دلائل اور اصولوں کی تفہیم کی طرف

متوجہ نہ ہو سکے۔ جزءِ لایتجزی، بعدِ مجرد، وجود کی گفتگو اور کتاب اللہ وکلام اللہ میں فرق ،عناصر کی بحث وغیرہ سے طلبہ کو مانوس کرنے کی حد تک طالب علم کو اُس کے اس عبوری دور میں کارآمد ہیں؛ لیکن اِن سب جگہوں پر جہاں کہیں عصری کلامی حیثیت سے تحریری یا تقریری گفتگو فرمائی گئی، وہاں اِلتباس پیدا ہو گیا ہے یا مرادِ مصنف سے تجاوز یا تفرد ہو گیا ہے۔ وجہ اِس کی یہ تھی کہ اِس قسم کی بحثوں میں تحقیق کے لیے اُن کے پاس وقت نہ تھا، اُس قدر بات ذکر کر کے وہ آگے بڑھ جاتے ہیں جس سے اُن کا کام چل جائے۔ لیکن اُن کے فنونِ متداولہ درسیہ پر عبور کی وجہ سے ان کی جانب سے کی گئی علوم نانوتوی کی عقلی نوعیتوں کی تفہیم نہایت مفید اور طلبہ و مستفیدین کو قدیم علوم عقلیہ ونقلیہ سے وابستہ رکھنے میں نہایت درجہ معین ہیں۔ خود راقم الحروف کو اِن تحریروں سے سہارا ملا۔ حکمی طرز پر مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ کے بعض خطابات ہیں جو استنباطی اور تجزیاتی نہج پر نتیجہ خیزی کی موروثی مناسبت ظاہر کرتے ہیں۔ اِن کے علاوہ بعض تلخیصات، ترقیمات و ذیلی عناوین کے ساتھ -علوم قاسم کے حوالے سے- جو کچھ کام منظرِ عام پر آئے ہیں؛ جتنی چیزیں میری نظر سے گزریں، اُن سے اندازہ ہوا کہ وہ کاوشیں کچھ مُفہم نہیں ہیں؛ اگرچہ اِن علوم کے پڑھنے کا شوق پیدا کرتی ہیں؛ لیکن اِن میں بڑی مشکل یہ ہے کہ بعض بعض موقعوں پر خلط مراد اور تعبیرات میں اِلتباسات در آئے ہیں۔ ان کے علاوہ جن لوگوں کی جو کچھ کوششیں ہیں، وہ عموماً تاریخی اور سوانحی نوعیت کی ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تصنیفات پر چودھویں صدی ہجری کے ثلثِ آخر میں کام کا نہج مقرر کرنے میں اصل اور کلیدی حیثیت حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ کی ہے۔ اُن کے حسب ذیل حساس سوالوں نے مابعد ادوار میں گویا کام کا رُخ متعین کیا، ''سوانحِ قاسمی'' کی تکمیل پر مولانا مناظر احسن گیلانی کو لکھے گئے مکتوب میں ابتدائی شکریہ کے بعد فرماتے ہیں:

''حضرت والا کی حقیقی سوانح یہ نہیں ہے کہ آپ کب پیدا ہوئے؟ کب وفات

پائی؟ اور اِس درمیان کہاں کہاں اُن کی کیا کیا نقل وحرکت ہوئی؟ حقیقی سوانح یہ ہے کہ اُنہوں نے اپنے لدنی اور وہبی علوم سے جس حکمت کی بنیاد ڈالی وہ کیا ہے؟ کن اصولوں پر مبنی ہے؟ اور ذہنی اور علمی دنیا میں اُس نے کیا اِنقلاب پیدا کیا؟''

حکیم الاسلام کے اِن سوالوں کے ضمن میں پائی جانے والی آرزو کے علی الرغم اطلاقی منہج کے لیے مولانا مناظر احسن گیلانی نے موضوعات کی تعیین اس طرح فرمائی:

۱-خدا تعالیٰ کا ثبوت۔ ۲-اُس کی وحدانیت۔

۳-اُس کا واجب الاطاعت ہونا۔ ۴-نبوت کی ضرورت۔

۵-نبوت کی علامات وصفات۔ ۶-رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت۔

۷-اُن کی خاتمیت۔

۸-اُن کے ظہور کے بعد اُنہیں کے اِتباع میں نجات کا منحصر ہو جانا۔

دورِ جدید میں عقل، فلسفہ، سائنس اور تمدن وغیرہ کے علوم وفنون سے وابستہ افکار ہوں یا اِلحاد، شرک اور مذاہب کی طرف منسوب باطل عقائد ہوں، سب اِنہی عناوین کے ذیلی مباحث ہیں۔ اور یہ بات زبانی نہیں ہے۔ حضرت نانوتویؒ نے جدید مسائل و مباحث کے اِن موضوعات سے تعرض کر کے، اِطلاقی نوعیت واشگاف کی ہے۔ یہاں صرف ایک مثال پیش خدمت ہے۔

بعد، مسافت یعنی ''خلا''، اجزائے لا یتجزی، حرکت اور زمانہ سے متعلق گفتگو کرتے ہوئے ایک نتیجہ یہ ذکر کرتے ہیں کہ: ''حرکت اور مسافت اور زمانہ باہم منطبق ہوتے ہیں۔ جہاں جہاں حرکت ہوگی، وہاں وہاں مسافت بھی ہوگی اور زمانہ بھی ہوگا۔ مگر صورت، انطباقِ حرکت ومسافت تو یہ ہے کہ اگر کوئی جسم کبیر وصغیر حرکت کرتا ہے، تو اُس کا ہر ہر جزو متحرک ہوتا ہے۔ اس لیے ہر ہر جزو کے لیے ایک جدا مسافت، یعنی اُس کے مطابق ایک جدا ہی بُعد بھی ہوتا ہے۔ سو، ایسے ہی ہر ہر جزو کی حرکت کے لیے ایک جدا ہی زمانہ درکار ہوگا۔(۱)، جس سے سوائے جانبِ

ماضی و جانبِ مستقبل- جو بہ منزلہ مشرق و مغرب ہے، یا یوں کہو: طول کی دوطرفین ہیں اور طرف بھی زمانہ میں انقسام نکلے گا۔'' (تقریر دل پذیر ص ۳۷۵)

اِس بحث کو آئنسٹائن کی Space-time continuum theory کے تناظر میں دیکھنا چاہیے۔ آئنسٹائن سے پہلے جو سائنس داں گزرے ہیں وہ اِس بات کے قائل تھے کہ مسافت (خلا, Space) اور زمانہ دونوں آزادانہ طور پر ایک دوسرے سے الگ الگ پائے جاتے ہیں، اِس لیے خلا میں ہونے والی کسی قسم کی حرکت اور بدلاؤ زمانے کو متاثر نہیں کرتا۔ یہ نظریہ سب سے پہلے آئنسٹائن نے (۱۹۰۵ء میں) دیا کہ زمانہ اور خلا ایک دوسرے سے جڑے ہوے ہیں۔ اور یہ کہ زمانہ مطلق نہیں ہے؛ بلکہ متحرک کی حرکت پر اثر انداز ہونے والے ثقل کے لحاظ سے اضافی ہے۔ (وگیان ٹی وی، انڈیا: Spacetime explened in Hindi) نیز ملاحظہ فرمایئے: مولانا عبدالباری ندویؒ کی کتاب ''مذہب اور سائنس'' پر طبعیات وریاضی کے ماہر پروفیسر رضی الدین صدیقی کا مقدمہ۔

لیکن حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متذکرہ بالا اِقتباس کو غور سے پڑھیے- جو آئنسٹائن کی Special theory of Relativity سے ۳۰، ۳۵ سال پہلے کا ہے- آپ محسوس کریں گے کہ اِس میں وہی تحقیق بیان کی گئی ہے جس کی ایجاد کا سہرا آئنسٹائن کے سر باندھا گیا ہے۔ بعد مجرد اور خلا کو ثابت کرنے کے بعد، اُس کے خلاف قائم کیے جانے والے برہانِ تطبیقی اور برہان سلمی کا- پہلے تو- مغالطہ ہونا واضح کیا، پھر ''برہانِ مسافت کے ذریعے ''خلا'' -space- کے باطل ہونے پر پیش کی گئی دلیل کا غلط ہونا ثابت کرتے ہوئے ایک طرف تو اِس اہم شرعی مسئلہ کے لیے عقل کی خدمت مہیا کراتے ہیں جو حدیث میں آتا ہے: ''لا تسُبُّوا الدهر. فَإِنَّ الله هُوَ الدهر '' زمانے کو برا نہ کہو۔ زمانہ ہی خدا ہے، فرماتے ہیں:

''شاید اسی اعتبار پر (انسانی) طبائع میں (فطری طور سے اِس کا) لحاظ

(وخیال) ہے، جو تمام حوادث کو زمانے کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ مگر یہ ہے، تو پھر یہ کتنی بڑی غلطی ہے کہ زمانے کو برا کہتے ہیں۔ اس صورت میں یہ سب و شتم سب کا سب خدا کی طرف عائد ہوگا۔ اور اس وقت میں خدا کو دہر کہنا۔ جیسے سنتے ہیں اہل اسلام کہتے ہیں۔ میں جانتا ہوں، دور از عقل وقیاس (نہ) ہوگا۔" (۳۷۵)

دوسری طرف معراج کا اِستبعاد دور کرنے کے لیے فلسفہ، عقل، سائنس، کائنات میں بھونچال لانے والی جدید تر تحقیق اصولِ اِضافیت Relativity کو دست بستہ حاضرِ خدمت کرتے ہیں:

"جیسے زاویہ میں جانبِ راس محدود ومتناہی ہوتی ہے اور پھر اِس پر بہ خیالِ کشش ساقین الی غیر النہایت وتر کی بھی لا تناہی متصور ہے، ایسے ہی اُس حرکت کو خیال کیجیے جو زاویۂ مذکورہ پر منطبق ہو۔ علی ہذا القیاس وہ زمانہ۔ جو حرکتِ منطبقہ علی الزاویہ پر منطبق ہو ایک جانب سے محدود ومتناہی اور محصور ہوگا۔ اور ایک جانب سے غیر محصور اور غیر محدود اور غیر متناہی ہوگا اور وہ اعتراض لازم نہ آئے گا کہ زمانۂ متناہی میں مسافتِ غیر متناہیہ منقطع ہوگئی۔"...... "مگر چوں کہ ہم جانبِ تناہی میں واقع ہیں اور یہ جانب متناہی اور وہ جانب غیر متناہی مثل وتر آخر زاویہ غیر متناہی الساقین اور اوتارِ باقیہ باہم منطبق اور ایک ساتھ آتے جاتے ہیں۔ اس لیے اِس لاتناہی کا ہم کو احساس نہیں ہوتا۔ اِس صورت میں (ایک اہم اصول دریافت ہوا جسے بعد میں آئنسٹائن نے "اضافیت Relativity" کے نام سے متعارف کرایا، وہ یہ کہ: ف) ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو یا اکثر اشخاص کو زمانۂ قلیل محسوس ہو اور کوئی شخص خاص اِس زمانۂ محدود میں وہ کام کرے جو اوروں سے برسوں اور مہینوں میں نہ ہوسکیں۔"

اور یہ عقیدہ اہلِ اسلام کا کہ "ہمارے پیغمبر جناب محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم" شبِ معراج میں تمام افلاک کی سیر کر آئے اور پھر وہ اتنا لمبا چوڑا قصہ ہے کہ چند روز وشب ؛ بلکہ ہفتوں ؛ بلکہ مہینوں ؛ بلکہ برسوں پھیلایئے تو پھیلے۔ بایں خیال کہ اتنی دیر میں اتنے

کاموں کا کر لینا (عادتاً) محال ہے۔ غلط نہ ہو۔'' (تقریر دل پذیر ص ۷۷، شیخ الہند اکیڈمی)

یہاں اِس امر کی طرف توجہ دلانا مناسب ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ نے ایک مسئلہ کو اپنے برہانی استدلال سے ظاہر فرمایا ہے کہ: ''ہوسکتا ہے کہ ایک شخص کو، یا اکثر اشخاص کو زمانۂ قلیل محسوس ہو اور کوئی شخص خاص اِس زمانۂ محدود میں وہ کام کرے جو اوروں سے برسوں اور مہینوں میں نہ ہوسکیں۔''

یہ اِستنتاج اِس اصول سے وابستہ ہے کہ حرکت پر مبنی زمانہ - ایک جانب سے محدود و متناہی اور محصور ہونے کے باوجود دوسری جانب سے غیر محصور، غیر محدود اور غیر متناہی ہونا ممکن ہے۔ کسے خبر تھی کہ یہ وہی مسئلہ ہے جو سائنس کی دنیا میں ہنگامہ خیزی لانے والا ہے ۔مصنفِ تقریر دل پذیرؒ نے ۱۸۷۹ء میں یا اُس سے کچھ پہلے ''حرکت'' کا موضوع زیرِ بحث لاکر یہ مسئلہ ذکر فرمایا۔ پھر خدا کی قدرت دیکھیے کہ حضرتؒ کی اِس تحقیق کے وقت (۱۸۷۹ء میں ہی) ایک سائنس داں البرٹ آئنسٹائن پیدا ہوتا ہے، جس کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ اِس جیسے سائنس داں صدیوں میں پیدا ہوا کرتے ہیں۔ اِس کو فزکس کی دنیا کا اب تک کا سب سے بڑا سائنس داں تسلیم کیا گیا ہے۔ طبعی کائنات کا آج تک کا سب سے بڑا نظریہ ''عمومی نظریہ اِضافیت'' (General theory of Relativity) اِسی نے دریافت کیا۔ یہی وہ نظریہ ہے جس نے اپنے دریافت کنندہ کو شہرتِ دوام عطا کی۔ لیکن آپ کو یہ معلوم ہو کر حیرانی ہو گی کہ یہ نظریہ اُسی برہانی اِستدلال کی مادہ اور توانائی (E=mc2(square)) کے محاورے میں سائنسی توجیہ ہے جسے حضرت نانوتویؒ نے مذکورہ بالا سطور میں پیش فرمایا ہے۔ دونوں کے ہدف البتہ الگ الگ ہیں۔ تقریر دل پذیر کے مصنف نے تو اِس مسئلہ کو بُعدِ مجرد کے اِثبات کے ضمن میں ''برہانِ مسافت'' کی تردید کرتے ہوے بہ طورِ نتیجہ کے پیش کیا ہے اور اِس کی روشنی میں اِمکانِ واقعۂ معراج - بہ طور تفریع کے - ظاہر فرمایا ہے، جب کہ آئنسٹائن

نے اِس مسئلے کو نیوٹن کے عمومی قانونِ ثقل کی اصلاح کے لیے پیش کیا ہے۔

آئن سٹائن کی تھیوری (نظریۂ اِضافت) کی رو سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ فرض کیجیے ایک ہوائی جہاز کائنات میں روشنی کی رفتار سے تیز چل رہا ہے اور اُس ہوائی جہاز کے آگے ایک لائٹ لگی ہوئی ہے۔ ایسی حالت میں ہوائی جہاز اور روشنی کی رفتار کو ملا کر حساب لگائیں، تو دونوں کے مجموعے کی رفتار روشنی کی رفتار سے دوگنی ہو جائے گی۔

اور رفتار کا یہ تخمینہ ٹوٹنے نہ پائے، اِس کے واسطے ہوائی جہاز میں بیٹھے ہوے لوگوں کے لیے وقت دھیما بہنے لگے گا۔ اِس کا مطلب یہ ہوا کہ اس ہوائی جہاز کا ایک سال زمین کے ہزاروں سال ہو سکتے ہیں۔ آئنسٹائن نے اِسی تخمینے سے یہ ثابت کیا کہ ''وقت'' مطلق نہیں ہے۔ یعنی ہر مکان، ہر شخص اور ہر شی کے لیے یکساں نہیں ہے۔ بلکہ اِضافی (relative) ہے۔ بعض افراد قدرِ قلیل لمحات میں وہ امور انجام دے سکتے ہیں جو دوسروں سے صدیوں میں ممکن نہ ہوں۔ لیکن یہ جو کچھ تخمینہ لگایا گیا، آپ کو یہ جان کر حیرانی ہوگی کہ یہ محض تخمینہ یا مفروضہ نہیں تھا؛ بلکہ اپنے فارمولے سے کہ مادہ توانائی میں اور توانائی مادہ میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ آئن سٹائن نے ایسا ہی کچھ ثابت کر دکھایا تھا۔ اور تعجب بالائے تعجب یہ کہ آئن سٹائن نے نظریہ اِضافیت (۱۹۰۵ء میں) اُس مسلم نظریے کے علی الرغم پیش کیا جس میں سائنس داں مائی کلسن مارلے (Michelson Marley ۱۸۵۲-۱۹۳۱ء) نے ۱۸۸۷ء میں سائنسی مشاہد کے زور پر اپنے اِس اعلان کو حتمی درجہ دے دیا تھا کہ روشنی سے تیز کوئی بھی چیز سفر نہیں کر سکتی۔ چناں چہ آئنسٹائن نے بتلایا کہ اِضافی حیثیت سے بعض احوال میں بعض اشخاص کے لیے یہ امر ممکن ہے کہ وہ نیوٹن کے قانونِ ثقل کو توڑ سکیں اور لائٹ سے زیادہ سُرعت کے ساتھ سفر کر سکیں۔

بہر حال بین مذہبی مذاکرہ اور جدید چیلنجز سے نبرد آزما ہونے کے لیے طبعی طریقے کی تعیین اِنہی مذکورۃ الصدر آٹھ موضوعات سے ہوتی ہے۔ حضرت نانوتویؒ

کے علوم سے استفادہ کر کے اِن اصلی عنوانوں کی تفصیلات بیان کرنا، یہ درحقیقت اصل کام ہے۔ اور سوانح قاسمی کی ایک مستقل جلد میں اِس اصل کام کو پیش کرنے کا مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کا ارادہ تھا جو عمل میں نہ آسکا اور وہ اپنی خواہش کے ضمن میں دوسروں کے لیے اِس انتظار کی راہ دکھا کر رخصت ہو گئے کہ: ”نہیں کہا جا سکتا کہ اِس جلیل علمی و دینی خدمت کی سعادت کسے حاصل ہوتی ہے اور توفیقِ ربانی کس کا اِنتخاب کرتی ہے؟ بجائے خود یہ ایک مستقل کام ہے۔ میرا ذاتی خیال تو یہ ہے کہ ٹھیک عصری تقاضوں کے مطابق دین کی تفہیم کا اِس سے بہتر طریقہ شاید اِس زمانہ میں سوچا بھی نہیں جا سکتا۔“ (مولانا مناظر احسن گیلانی: سوانح قاسمی: ص ۴۳۵)

علوم قاسم کے ناشرین

لیکن اِس مستقل کام اور ٹھیک عصری تقاضوں کے مطابق دین کی تفہیم کے لیے سب سے پہلی چیز جو درکار ہے، وہ کتابوں کی صحت کے ساتھ طباعت اور اِشاعت ہے۔ ۱۵۰ سال پہلے ایک ناشرِ کُتب منشی ممتاز علی میرٹھی نے حضرت نانوتویؒ کے بعض مکتوبات ”قاسم العلوم“ کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا، تو حضرتؒ کے علوم کا تعارف کراتے ہوئے لکھا کہ ”فخر الاماثل مرجع الافاضل حضرت مولانا مولوی محمد قاسم کی ...تصانیف...دیکھنے سے ایمان تازہ ہوتا ہے۔ تحقیقِ بیان و تدقیقِ مضامین سے سلف صالحین وعلمائے محققین کے علم کا سا مزہ ملتا ہے...بندہ اُن کی وضعِ آزادانہ کا عاشق اور اُن کے کلام محققانہ کا شائق ہے۔ مدت سے اِس فکر میں تھا کہ کسی طرح آپ کا کلام حاصل کیجیے اور چھاپ کر عالی طبعانِ روزگار کو تماشہ قدرت کا دکھا دیجیے۔“ ﴿شیرکوٹی، مولانا انوار الحسن: قاسم العلوم مع اردو ترجمہ انوار النجوم ص ۱۵- ۱۳۹۴ھ/ ۱۹۷۴ء﴾

عالی طبعانِ روزگار کو تماشہ قدرت کا دکھانے والے منشی ممتاز علی کے بعد تصانیف قاسم کی اشاعت مختلف مطابع سے ہوتی رہی، مثلاً مطبع ہاشمی اور ضیائی ،فیض ہاشمی میرٹھ، احمدی، فاروقی ،مجتبائی، اکمل المطابع ،مطبع قدیمی، کتب خانہ

رشیدیہ (سب دہلی) صدیقی بریلی، بحرالعلوم لکھنؤ، گلزار احمدی و گلشنِ احمدی، تہذیب آفاق مرادآباد، مشرق العلوم بجنور، اِسٹیم پریس لاہور، بلالی اسٹیم پریس سادھوڑہ انبالہ، شانتی پریس، خیر خواہ سرکار پریس، امداد الغرباء سہارنپور مطبع قاسمی، مکتبہ وحیدیہ، کتب خانہ امدادیہ، اعزازیہ، معراج بک ڈپو، نیشنل پریس، مجلس معارف القرآن، مکتبہ دارالعلوم، شیخ الہند اکیڈمی، حجۃ الاسلام اکیڈمی، دیوبند، مطبع رحمانیہ پ منگیر، نعمانی کتب خانہ، تحریک اہلِ سنت والجماعت لاہور، دارالاشاعت کراچی، نصرۃ العلوم، مکتبہ حفیظیہ، مکتبہ حسینیہ گوجرانوالا وغیرہ چھاپتے رہے۔

لیکن اِن سب مطابع کی دسترس سے بعض چیزیں اب بھی دور ہیں۔ مثلاً غیر مطبوعہ بعض مکتوبات شائع نہیں ہوئے۔ ''جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی'' کی حصول یابی اور اس کی اشاعت بھی ضروری ہے۔ کیوں کہ اس میں پنڈت جی اور حضرت نانوتویؒ کی وہ سلسلے وار مراسلتیں محفوظ ہیں جو- دورانِ قیام رڑکی -شرائط مناظرہ کے باب میں جانبین سے ہوئی تھیں۔ مطابع کی دسترس میں کیا کیا چیزیں نہیں آئی ہیں، اِس کی تفصیل جاننے کے لیے ''حضرت نانوتویؒ کی تالیفات، اِفادات ومکتوبات'' کے اِشاریہ سے مدد لی جا سکتی ہے جسے مولانا نورالحسن راشد نے اپنی تالیف ''قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: احوال، وآثار و باقیات'' میں جمع کردیا ہے جواُن کی نظر میں ناتمام ہے؛ لیکن ایک قیمتی چیز ہے۔

اور جو شخص حضرت نانوتوی کی تصنیفات سے واقفیت کی خواہش رکھتا ہو، اُسے پونے آٹھ سو صفحے کی اِس پوری کتاب کا ہی مطالعہ کرنا چاہیے۔ مطبوعہ غیر مطبوعہ، قلمی، سن، مطابع، مضامین، موضوعات، قدیم، جدید، تصحیح کردہ، غیر تصحیح کردہ، عمدہ ترین نسخے، کمتر درجے کی طباعت، اغلاط و بے احتیاطی پر مبنی طباعت وغیرہ تمام کوائف اُس میں درج ہیں۔ مثلاً اُنہوں نے لکھا ہے:

''سوانح قاسمی میں پہلی جلد کے آغاز پر ''مختصر تذکرہ یا حالات طیب حضرت

مولانا محمد قاسم نانوتویؒ' پوری کتاب شامل کی گئی ہے۔مگر اس کو کیا کہیے کہ اس میں بھی اصل نسخہ (پہلی یا دوسری طباعت) کو بنیاد نہیں بنایا گیا، اس کی بنیاد بھی مطبع قاسمی کی اشاعت معلوم ہوتی ہے؛ مگر مطبع قاسمی کی بھی جوں کی توں نقل نہیں؛ بلکہ نسخہ قاسمی میں جو تغیرات کیے گئے تھے اُن کو نا کافی سمجھتے ہوئے مزید تصحیحات و ترمیمات کی گئی ہیں۔''

(مولانا نورالحسن راشد: آثار و باقیات ص ۱۶۱ مکتبہ نور مظفر نگر ۱۴۲۱ھ)

اصل بات یہی ہے کہ جیسے جیسے زمانہ آگے بڑھتا گیا ٹائٹل اور صفحات میں چمک اور روشنی تو بڑھی؛ لیکن ''اندھیرا ہو گیا بجلی کی روشنی میں'' ہر آنے والے زمانے کی طباعت میں کتابت کی غلطی، تسامح، لاپرواہی، کم اِلتفاتی کی وجہ سے عبارت میں نمایاں خلل پیدا ہونے لگے۔اولین مطبوعات میں شاذ و نادر کبھی کبھار کسی لفظ میں کتابت کی غلطی کوئی تغیر ملے گا۔اِس وقت کی کتابت میں سطر کی سطر چھوٹ جانا یا مکرر رہ جانا عام بات ہے۔الفاظ کی غلطی، مثبت کا منفی ہو جانا بھی کچھ کم یاب نہیں۔چناں چہ ایک کتاب ''حجۃ الاسلام'' ہی کی مثال لے لیجیے: آج بھی اس کتاب کے سب سے عمدہ نسخے مطبع مجتبائی دہلی اور شیخ الہند کے اضافہ عنوانات کے ساتھ شائع ہونے والا نسخہ مطبع احمدی علی گڑھ ۱۳۳۰ھ ہے۔

کتابوں کی اشاعت کا درست طریقہ یہ ہے۔ایک نسخے کے مختلف مطابع کے جتنے ایڈیشن میسر آسکیں، سب کو جمع کرنے کی کاوش کی جائے۔

متعلقہ موضوع سے مناسبت اور ذوق رکھنے والے کسی فاضل سے اُن میں مقارنے کے بعد صحیح تر نسخہ تیار کیا جائے۔پھر اُن میں مرکزی عناوین، ذیلی عناوین، حسب ضرورت بہ قدرِ ضرورت نہایت مختصر حواشی رقم کرائے جائیں اور ترقیمات و پیرا گراف وہ شخص لگائے جو موضوع اور فن سے ممناسبت رکھتا ہو۔اردو ادب میں مہارت و اِختصاص اِس کے لیے کافی نہیں ہوتی۔

بہر حال ہمیں اِس بات کی خوشی ہے کہ ''تالیفات اشرفیہ'' کے ذمے داروں کو خدائے تعالی نے یہ توفیق دی کہ حکیم الامت کی محققانہ تصنیفات کی کمی، کیفی ہر لحاظ سے کثیر

اور وسیع اشاعت کے بعد وہ مدون علم کلام جدید الامام محمد قاسم نانوتوی کی تصنیفات و تحقیقات کی اشاعت کی طرف متوجہ ہوئے۔ خدائے تعالیٰ سے دعا ہے کہ جس طرح تصنیفاتِ حکیم الامت سے اُن کے مکتبے کو رونق ملی اور اُن کی مسلسل مستمر کاوش کے ذریعے امت کے لاکھوں کروڑوں مسلمانوں کو صحیح دین اور صحیح فکر کی تبلیغ ہوئی۔ اور اُن کی دعاؤں کی سوغات اہلِ مکتبہ کے حصے میں آئیں۔ میں نے اہلِ دل کو اُس منظر کے ساتھ دیکھا ہے کہ جب حضرت تھانویؒ کی کوئی اہم کتاب تالیفاتِ اشرفیہ کی جانب سے چھپی ہوئی نظر سے گزرتی کہ جس کا چھپنا عالم اسباب میں ایک خواب ہوتا، اُسے دیکھ کر بے ساختہ اُن کی زبان سے دعائیں جاری ہو جاتیں۔ ملفوظات، مواعظ، کلیدِ مثنوی، اشرف التفاسیر کی طباعت کے کارہائے نمایاں کی انجام دہی کے لیے خود راقم الحروف کے قلب و زبان نہ معلوم کتنی مرتبہ دعاء میں مشغول ہونے کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ الحمدللہ! ''آئینۂ تربیت'' اور ''الکلام الحسن'' جیسی جلدیں کیا کسی کے بس کی بات تھی کہ وہ اپنے دم پر اُن کی حصولیابی کا کوئی ذریعہ ڈھونڈ نکالتا۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ جیسی ذات جس کا یہ شیوہ تھا کہ ''تحریر و تقریر میں ہر دم خدا کی طرف ملتجی'' رہتا اور جس نے اِس آخری دور میں کلامی، عقلی اور فکری منہج کے صحیح اصولوں کو پھر سے زندہ کیا اُسی ذات کی برکت اُسی خدا تعالیٰ سے دعا ہے کہ اِن تالیفات کو بھی قبولیت سے نوازدے، جو مصنف، ناشر کے لیے اجر کا اور امت کے لیے اصلاح کا باعث بنے اور ان کے طفیل اِس ناچیز راقم الحروف کو بھی کچھ حصہ عطا ہو اور محنت ٹھکانے لگے۔

فخر الاسلام

حجۃ الاسلام رحمہ اللہ... جامع الاصول شخصیت

حضرت مولانا مفتی مجد القدوس خبیب رومی زید مجدہٗ
(صدر مفتی مدرسہ عربی مظاہر علوم سہارن پور، ہندوستان)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَحۡدَہٗ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنۡ لَّا نَبِیَّ بَعۡدَہٗ

امابعد! ہندوپاک میں دینی کتب کی نشرواشاعت کے سلسلہ میں ’’ادارہ تالیفات اشرفیہ‘‘ ملتان کا نام محتاج تعارف نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے حکیم الامت حضرت تھانوی قدس سرہ کے خطبات وملفوظات اور دیگر تالیفات کی نشرواشاعت کیلئے ہمارے ممدوح حضرت حافظ محمد اسحٰق صاحب زید مجدہٗ کو ایسی توفیق سے نوازا جو دیگر ناشران کتب کیلئے بھی قابل رشک ہے۔ اس عظیم اشاعتی کام کی بنیاد ان کے شیخ حضرت الشاہ الحاج محمد شریف صاحب رحمہ اللہ (خلیفہ حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ) کی کمال سرپرستی اور دُعاؤں کا فیضان ہے۔ حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ اپنی تحریر میں فرماتے ہیں:

’’مجھے دلی خوشی ہے کہ عزیز القدر حافظ محمد اسحٰق صاحب مجدد الملّت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیفات شائع کرنے کے حریص ہیں۔ انہیں حضرت رحمہ اللہ سے صرف محبت ہی نہیں محبت کا نشہ ہے۔ حضرت کے مسلک اور مذاق کی تبلیغ کے بہت خواہش مند ہیں اور زرِ کثیر خرچ کر کے حضرت کی کتابیں جو نایاب ہیں چھپواتے رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی سعی کو قبول فرما کر ناظرین کیلئے نافعیت اور ہدایت اور اُن کے لیے سرمایۂ آخرت بنائیں۔‘‘ دُعاگو: احقر محمد شریف عفی عنہ

آج سے چند سال قبل جبکہ شائقین علوم رومی حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی عالمانہ و عارفانہ شرح ''کلید مثنوی'' کو یکجا دیکھنے کیلئے ترستے اور تڑپتے تھے۔

حضرت قاری صاحب نے اس عظیم شرح کے ہندوپاک سے منتشر دفاتر کو جمع کر کے دس ضخیم جلدوں میں شائع کیا تو اکابر وقت نے خوب دُعاؤں سے نوازا۔ حضرت مولانا وکیل احمد شیروانی صاحب رحمہ اللہ نے اس موقع پر فرمایا تھا کہ یہ بادشاہوں کا کام تھا جو اللہ پاک نے ایک فقیر سے لے لیا ہے۔ اسی طرح ہندوپاک کے جملہ اکابر بالخصوص سلسلہ اشرفیہ کے حضرات نے وقتاً فوقتاً ادارہ کے حق میں اپنی مستجاب دُعائیں فرمائیں۔ بلاشبہ ادارہ کا اشاعتی فیضان انہی اللہ والوں کی دُعاؤں ہی کا ثمرہ ہے۔

الحمدللہ! ادارہ نے حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تالیفات و تعلیمات پر تجدیدی کام کیے ہیں جن میں مختصر رسائل کے علاوہ ضخیم جلدوں کے مجموعے بھی شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے ادارہ کی جدید تجدیدی خدمات میں ''مقالات حجۃ الاسلام'' (مشتمل بر تالیفات حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ) اور ''مقالات حکیم الامت'' زیور طباعت سے آراستہ ہو رہے ہیں۔

''مقالات حکیم الامت'' کے متعلق یہ سن کر نہایت خوشی ہوئی کہ اس میں قدیم وجدید 300 سے زائد رسائل کو جمع کر کے ترتیب دیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان دونوں تالیفات کو شرف قبول نصیب فرمائیں اور ہمارے دونوں اکابر جو دینی اُصول وفروع کی افہام و تفہیم کیلئے امام الاصول اور جامع الاصول والفروع کی حیثیت رکھتے ہیں اور دینی بصیرت کے حوالے سے ہمارے لیے بمنزلہ ''دونوں آنکھوں'' کے ہیں۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے نزدیک حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کی کتب و رسائل خواص (بلکہ اخص الخواص) کے لیے نافع اور مفید ہیں۔ ایک مرتبہ میرے سامنے حضرت علامہ شیخ عبدالفتاح ابوغدہ رحمہ اللہ نے مفکر اِسلام سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کو سنایا کہ میں نے

ایک مرتبہ حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ سے پوچھا کہ دیوبندی مکتب فکر کے ماتن اور شارح کون ہیں؟ جب کہ شیخ کے خیال میں خود حکیم الاسلام رحمہ اللہ ہی ماتن اور شارح تھے۔ جواب میں حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ عموماً ماتن ایک اور شارح متعدد ہوتے ہیں جب کہ یہاں معاملہ برعکس ہے کہ دیوبندی مکتب فکر کے ماتن حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور قطب الارشاد مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ ہیں جب کہ شارح حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہٗ ہیں۔ اس مکالمہ کو سن کر حضرت علی میاں رحمہ اللہ نے بھی تصدیق و تائید فرمائی۔

جامع المنقول والمعقول حضرت علامہ محمد ابراہیم بلیاوی صاحب رحمہ اللہ کے بقول حضرت نانوتوی رحمہ اللہ امام الاصول تھے، حضرت گنگوہی رحمہ اللہ امام الفروع اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ (اپنے اُستاد خاص حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ کے فیض صحبت کی برکت سے) جامع الاصول والفروع تھے۔

اس لیے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمہ اللہ کے ملفوظات و مواعظ اور کتب ورسائل سے عوام وخواص دونوں ہی مستفید و منتفع ہو سکتے ہیں۔

آج کے پُرفتن دور میں جبکہ افراط و تفریط عام ہے اور دین کی تشریح کے نام سے نت نئے فتنے سر اُٹھا رہے ہیں۔ ان حالات میں ہمارے ان اکابر کی تعلیمات ہی ہیں جن کے متعلق سو فیصد یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ

یہی چراغ جلیں گے تو روشنی ہوگی

اللہ تعالیٰ حضرت قاری صاحب مدظلہ کو اکابر وقت کی مزید در مزید دُعاؤں سے اپنے دامن کو سجانے کی توفیق سے نوازیں اور ایسے نایاب علمی موتی منصہ شہود پر لانے کی توفیق اور ہمت عطا فرماتے رہیں۔ آمین یارب العالمین

والسلام   مجد القدوس خبیب رومی عفا اللہ عنہ

دار الافتاء جامع مسجد آگرہ انڈیا...۲۲ شوال المکرم ۱۴۴۱ ہجری

مقالات حجۃ الاسلام...وقت کی اہم ضرورت

حضرت مولانا مفتی اکبر رحمٰن حقانی دامت برکاتہم العالیہ
استاذ الحدیث دار العلوم عربیہ گجرات ضلع مردان

الحمد لولیہ و الصلوٰۃ علی نبیہ و علی آلہ و اصحابہ اجمعین.

ہمارے آقا کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے جو معجزات عطا فرمائے ہیں وہ علمی معجزات ہوتے تھے۔ قرآن کریم آپ کا علمی معجزہ ہے۔ علامہ سیوطی ارقام فرماتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے حسی معجزے دیئے اور ہمارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالی نے علمی معجزے دیئے۔ اس کی وجہ بقول علامہ سیوطی یہ ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم غبی تھی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوم ذہین تھی۔ اسی ذہانت و فطانت کی وجہ سے امت محمدیہ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے اولوالعزم علماء پیدا کئے جن کی علمی شان کو دیکھ کر بندہ انگشت بدنداں رہ جاتا ہے۔ ان کے علمی و عملی کمالات کو دیکھ کر فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا ہے کہ آیا علم کا بحر لا ساحل ہے یا عمل کا؟ گزشتہ انبیاء کی امتوں میں ان کے پیغام و دعوت کو آگے پہنچانے والے اتنے نہیں تھے، جتنے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں ہیں۔ جنہوں نے نخلستان محمدی کو باطل اور باطل کے حملوں سے بچا کر اس کی آبیاری فرمائی۔

ایک عالم اور شخصیت میں اکثر بہت زیادہ کمالات ہوتے ہیں، لیکن اس کی شہرت ایک خاص کمال سے ہوتی ہے۔ اس نخلستان محمدی کا ایک محافظ، ایک عظیم فرد جو

حقیقت میں فرد فرید کہلانے کا مستحق اور حقدار ہے لکھتے ہیں ''مگر کوئی ملقب ہوتا ہے تو اپنے اوصاف غالبہ کے ساتھ ملقب ہوتا ہے۔ مرزا مظہر جان جاناں صاحب اور شاہ غلام علی صاحب رحمہ اللہ اور شاہ ولی اللہ صاحب رحمہ اللہ اور شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ، چاروں صاحب جامع بین الفقر والعلم تھے، پر مرزا صاحب اور شاہ غلام علی صاحب تو فقیری میں مشہور ہوئے، اور شاہ ولی اللہ صاحب اور شاہ عبد العزیز صاحب رحمہ اللہ علم میں۔ وجہ اس کی یہ ہوئی کہ ان کے علم پر ان کی فقیری غالب تھی، اور ان کی فقیری پر ان کا علم'' (تحذیر الناس، ص: 48)

مذکورہ جملے اور نکتے جن صاحب علم کے حوالہ سے میں نے نقل کئے یہ حضرت ترجمان الحقائق حجۃ الاسلام آیۃ من آیات اللہ حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ ہے۔ آپ کے علمی اور عملی کمالات اتنے ہیں کہ اب ہم اس فیصلہ کرنے سے عاجز ہیں کہ آپ کو کونسے زمرہ میں شمار کریں، آپ کی فہم وفراست، علم و تحقیق بھی عروج پر، اور فقر ودرویشی بھی ضرب المثل تھی۔ علم وتحقیق، قوت استدلال، فہم وفراست کو دیکھ کر متقدمین محققین اور علم الاسرار والحکم کے غوطہ زنوں کی علمی موشگافیاں سمجھ میں آجاتی ہیں اور حضرت شیخ اکبر رحمہ اللہ، امام ربانی رحمہ اللہ، شاہ ولی اللہ کی طرح وجدان وبیان کے شناور اگر ہے تو وہ حضرت قاسم العلوم کی ذات بابرکت ہے، بلکہ شریعت و اسرار شریعت جاننے والے سلسلے کا ایک سرا آپ سے جا ملتا ہے۔

آپ اپنی خاص طرز فکر واستدلال کے لحاظ سے مذکورہ اکابر سے بھی کچھ امتیازی شان رکھتے تھے۔ (**وھذا من فضل اللہ یؤتیہ من یشاء**) شیخ اکبر، امام ربانی، حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض وہ افکار جو سمجھ میں نہیں آسکتے یا عقل اس کو آسانی سے تسلیم نہیں کرتی ہے، اگر ہم حضرت ترجمان الحقائق کے فکر وفلسفہ اور تصانیف کا بنظر غائر مطالعہ کریں تو ان اکابر کے افکار و وجدانی اُمور سمجھ میں آجاتے ہیں۔ حضرت ترجمان الحقائق نے پیچیدہ اور فلسفیانہ وصوفیانہ امور کی وضاحت ایسے پیرایہ میں کی

ہے کہ فہم سلیم رکھنے والا اس کو سمجھ سکتا ہے۔ اسلامی عقائد اور احکام کو ایسے اسلوب میں پیش کیا ہے جو دعوتی ہونے کے ساتھ ساتھ مدلل و مبرہن بھی ہے۔ اور اپنی خداداد فہم و فراست سے شریعت حقہ کے عقائد و احکام کو ایک عجیب لبادہ میں پیش کیا۔ شیخ اکبر رحمہ اللہ، حضرت مجدد رحمہ اللہ، حضرت شاہ ولی اللہ کے بعض وجدانی وعرفانی احوال کو دلائل و براہین کا لباس پہنا کرامت کے سامنے پیش کیا۔ جو آپ کی کمال فہم و فراست، علمی پختگی کے ساتھ ساتھ تصفیہ باطن پر دلالت کرتی ہے۔

منکرین توحید، رسالت، حشر ونشر وغیرہ کو لاجواب بلکہ قائل کر دیا۔ "قبلہ نما" کو اٹھا کر دیکھ لیں تب حضرت ترجمان الحقائق کی ذہن ثاقب کی رسائی معلوم ہوگی۔ پوری اسلامی تاریخ میں یہ پہلی شخصیت ہے جس نے مسئلہ قبلہ کی مذہبی حیثیت کو عقلی انداز میں بیان کیا۔ اور سوامی دیانند سرسوتی کے عقلی اعتراضات کو طشت از بام کر دیا۔ یاد رہے کہ سوامی دیانند کے اعتراضات کے جواب سے اس دور کے اصحاب علم ودانش خاموش ہوئے تھے۔ حضرت نے اپنے مخصوص اسلوب و انداز بیان سے اس طرح جواب دیا جو خالص آپ کے ذہن اور عقل وفہم کا کمال ہے۔ دیگراں راچہ رسد۔

حضرت نانوتوی جدید علم کلام کے بانی ہیں۔ یعنی متجددین اور ملحدین اور بے دینوں کو جدید اور عقلی اسلوب میں جواب دینا آپ کا خاصہ ہے۔ ویسے آپ سے پہلے ابن عربی، غزالی، رازی، ابن تیمیہ، مجدد الف ثانی، احمد بن مسکویہ، شاہ ولی اللہ اور اس طرح کے کئی فلاسفہ، متکلمین اسلام اور صوفیائے کرام نے بڑی خدمت کی ہے، لیکن ان میں اگر ایک کے پاس حجت و برہان کا غلبہ ہے تو دوسرے کے یہاں وجدان وعرفان کا غلبہ ہے۔ منکرین اور مخالفین کو کبھی حجت و برھان کے ذریعے قائل کرتے ہیں کبھی وجدان وفراست سے۔ لیکن حضرت ترجمان الحقائق برہان و وجدان کے جامع ہیں۔ آپ کا وجدان برہانی، اور برہان وجدانی ہوتا تھا۔ نبوت کی ایسی تشریح کی کہ گذشتہ حکمائے اسلام کی کتابوں میں اس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ منکرین ومخالفین کو

اس طرح قائل کیا کہ وہ اقرار وتصدیق پر مجبور ہوئے۔ بلاشبہ جو مقولہ حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب کی طرف منسوب ہے وہ صد فیصد حضرت ترجمان الحقائق کے حق میں صادق ہے کہ ''وہ تو حضرت حق تعالیٰ کے صفت علم کے مظہر اتم تھے۔''

حضرت ترجمان الحقائق نے برہان ووجدان میں تطبیق کی اور بعض ایسے غوامض اور مابعد الطبیعاتی مسائل کو عقل و برہان کے ترازو میں تول کرامت کو پیش کیا جسے برہان و دلیل کے لباس میں پیش کرنا مشکل کام ہے۔ مثلا حضرت شاہ صاحب کی فیوض الحرمین یا شیخ اکبر کی فصوص الحکم یا فتوحات و دیگر رسائل کو دد یکھئے۔ حضرت الامام النانوتوی رحمہ اللہ، شیخ اکبر ابن عربی، مجدد الف ثانی، شاہ ولی اللہ کے سلسلے کے ان ائمہ متبوعین میں سے ہیں جنہیں دنیا ایک عظیم مدبر، متکلم اور واقف اسرار شریعت کے طور پر جانتی ہے۔ آپ کی تصانیف میں ان ائمہ کی طرح وہی رنگ ڈھنگ موجود ہے۔ بلکہ مذکورہ اکابر سے چند خصوصیات میں امتیازی شان رکھتے ہیں۔ علماء متکلمین شریعت کو معقولی انداز میں پیش کرتے ہیں، مذکورہ اکابر نے وجدانی وعرفانی انداز بیان اختیار کیا۔ حضرت ترجمان الحقائق نے معقولات و وجدانیات سے بڑھ کر معقولات ووجدانیات کو محسوسات کا لباس پہنایا، جو آسانی سے سمجھ آسکتے ہیں۔ آپ کا انداز بیان عالمانہ، عارفانہ، فقیہانہ اور متکلمانہ ہے۔ بعض آیات قرآنیہ اور احادیث نبویہ کی تشریح کرتے ہوئے آپ نے ایسے امور کا استنباط کیا ہے جو خالص آپ ہی کا حصہ ہے، اور میری ناقص علم کے مطابق آج تک کسی کی رسائی اس کی طرف نہیں ہوئی ہے۔ ''اسرار قرآنی'' اور آپ کی دیگر تصانیف اس پر شاہد ہیں۔

صرف تحذیر الناس کا اگر کوئی بنظر غائر مطالعہ کرے تو نبوت، ختم نبوت، اس کی درجات اور کمال محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے انداز میں بیان کیا ہے کہ مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کی بشری صورت میں اعجاز محمدی کا پرتو اور عکس نظر آتا ہے۔ اور ورثۃ الانبیاء ہونے کی وجہ سے کمال علم وفہم کا مظاہرہ کیا ہے۔ حضرت نانوتوی کی اپنی کچھ خاص

اصطلاحات ہوتی ہیں، وہ اپنی اصطلاحات میں بات کرتے ہیں۔

حضرت ترجمان الحقائق رحمہ اللہ بعض اوقات اپنی تصانیف میں ایسے قواعد کلیہ وضع کرتے ہیں جس سے بہت سے جزئی مسائل کا استخراج کرتے ہیں۔ منطق وفلسفہ اور علم کلام کے گویا آپ بانی ہے۔ محقق طوسی کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ تجرید الاعتقاد اور شرح الاشارات کو پڑھ کر معلوم ہوتا ہے کہ ان کو فلسفہ اور عقلی علوم میں کتنی مہارت حاصل تھی۔ خلیفہ اور امام کی عصمت پر محقق طوسی نے فلسفیانہ انداز میں منطقی دلائل دیئے ہیں۔ محقق طوسی علم منطق اور فلسفہ کا سہارا لے کر امام اور خلیفہ کی عصمت کو ثابت کرتے ہیں۔ حضرت ترجمان الحقائق نے ان کے اس منطقی اور فلسفی موشگافیوں کو طشت از بام کردیا ہے۔ محقق طوسی نے عصمت امام پر دلیل دیتے ہوئے منطقی انداز میں بات کی ہے۔ حضرت ترجمان الحقائق نے اپنے ہونہار اور لائق شاگرد مولانا فخر الحسن صاحب رحمہ اللہ کو ان کے اشکالات کا جواب عجیب انداز میں دیا ہے۔ اس نفیس اور عمدہ بحث کیلئے ''مکتوبات قاسم العلوم'' ملاحظہ کریں۔

اگر محقق طوسی کا علم وفہم اور منطق وفلسفہ میں مہارت کی شہرت ہے تو دوسری طرف حضرت ترجمان الحقائق کی ترجمانی اور جوہر ملکی کی تیزی، عقلی اور فلسفی علوم میں مہارت کو دیکھ کر ہم ضرور یہ کہیں گے کہ۔

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت ترجمان الحقائق کے فکر وفلسفہ اور علمی مقام کی پوری تعارف مجھ ہیچمدان کے لئے مشکل ہے بلکہ میرے لیے آپ کے فکر وفلسفہ اور علمی کمال ومقام سے بحث کرنا شاید روا بھی نہ ہو۔ لیکن ایک عاشق اپنے معشوق اور محبوب کی ادا کو اپناتا ہے اور پسند بھی کرتا ہے۔ ساتھ ہی اپنے محبوب کی صفات اپنے اندر جذب کرنے کی کوشش کرتا ہے اور معشوق کے جلوہ میں مست ہو کر اس طرح کرتا ہے اور ''گفت مارا جلوہ معشوق درایں کار داشت'' کا مصداق ہوتا ہے۔ میرا بھی معاملہ

کچھ یوں ہی ہے خاکم بدہن اگر اللہ تعالی کا فضل میری دستگیری فرمائے اور اللہ تعالی کی مدد ونصرت میری شامل حال ہوتو یہ سب کچھ آسان ہے۔

حضرت ترجمان الحقائق امام نانوتوی رحمہ اللہ کسی بحث اور تحقیق سے پہلے مقدمات لاتے ہیں، ایسی مقدمات جوقرآن وحدیث سے مبرہن ہوتے ہیں۔اور آپ کی تمہیدی مقدمات آپ کی اجتہادی شان پر دلالت کرتی ہے۔اور بعض دفعہ مقدمات کے ضمن میں یا بعد میں ایسے اصطلاحات قائم کرتے ہیں کہ ان اصطلاحات کو سمجھ کر پھر حکمت قاسمی کا سمجھنا قدرے آسان ہوجاتا ہے۔

میرے ناقص اندازے کے مطابق حضرت ترجمان الحقائق کو سمجھنے کیلئے آپ کے اصطلاحات کو جاننا ضروری ہے، اور ساتھ ہی آپ کے پورے تصانیف کا مکمل بالاستیعاب مطالعہ کرنا چاہیے۔جس طرح کہ حضرت شاہ صاحب مرحوم کو سمجھنے کیلئے ان کے اصطلاحات اوران کی جملہ تصانیف کا سمجھنا ضروری ہے،اور ساتھ ہی "عبقات" کو بطور تمہید پڑھنا اور سمجھنا ضروری ہے۔ بلکہ اس طرح ابن عربی رحمہ اللہ اور امام ربانی رحمہ اللہ کو سمجھنے کیلئے بھی تقریبا یہی اصول اپنانے چاہیے۔

البتہ حضرت نانوتوی کی اصطلاحات کو سمجھنا قدرے مشکل ہے، لیکن سمجھنے کے بعد بندہ مطمئن ہوجاتا ہے۔گذرے ہوئے محققین علماء کی اصطلاحات اس طرح نہیں کہ آسانی سے اطمینان حاصل ہوجائے۔ابن عربی، امام ربانی، حضرت شاہ ولی اللہ اس قسم کے تھے۔حضرت ترجمان الحقائق پر علم وتحقیق کا غلبہ زیادہ تھا اور زیادہ اتنا کہ غرائب ونوادرات پیش فرماتے تھے۔بعض علمی اور دقیق مباحث کو ایسے آسان پیرایہ اور اسلوب میں بیان کیا ہے جس سے آپ کی ذہنی وسعت اور کمال فہم معلوم ہوتی ہے۔حضرت نانوتوی کی اصطلاحات کو سمجھنے اور جملہ تصانیف کو پڑھنے کے بعد دو چیزیں آپ کے فکر وفلسفہ میں ممد ومعاون ہوسکتی ہے۔

(1) تمام علوم میں مہارت کہ ہر علم وفن کے اصطلاحات سے بخوبی واقفیت ہو۔

(2) دوسرا یہ کہ تصوف اور اس کے اصطلاحات سے واقفیت ہو اور صوفیاء کرام کے احوال و مشاہدوں سے بھی کچھ نہ کچھ حصہ حاصل ہو۔

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کبھی کبھار مشکل مباحث کو جن کا تعلق خاص کر عقائد سے ہیں، بڑے سہل اور نرالے انداز و طرز استدلال میں بیان کرتے ہیں۔ برہان التمانع کے نام سے ہماری علم کلام کی کتابوں میں اثبات توحید پر دلیل موجود ہے۔ ہمارے متکلمین کے انداز کو سمجھنا اور اس کو اسی اسلوب میں پیش کرنا بڑے قیل وقال کا دروازہ کھولنے کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ علامہ سعد تفتازانی علم کلام کے رئیس ہے، ''شرح العقائد'' میں برہان التمانع کے تقریر ذکر کرنے میں بعض علماء کی طرف سے مورد الزام ٹھیرے، اگرچہ ان سے جواب اور علامہ سعد کی عبارت کی توجیہ ممکن ہے لیکن پھر بھی انہوں نے ایسی تعبیر اپنائی ہے کہ خواہ مخواہ محل اعتراض بن گئے۔ برہان التمانع کی بہترین تشریح حضرت ترجمان الحقائق نے کی ہے۔ علم کلام میں آپ کی عظیم جلیل القدر کتاب تقریر دلپذیر میں ملاحظہ کریں، وہاں پر ایسی تقریر لکھی ہے کہ کوئی بھی اعتراض یا شبہہ باقی نہیں رہتی۔ شیخ الاسلام علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ نے متکلین اسلام اور حضرت ترجمان الحقائق کے تحقیقات کی روشنی میں برہان التمانع کی بہترین انداز میں تشریح کی ہے۔ آخر میں لکھتے ہیں: ''وقد قرر شیخ شیخنا قاسم العلوم والخیرات رحمہ اللہ فی کتابہ الھندی (تقریر دلپذیر) ھذا البرہان باحسن تقریر واسھلہ ولخصناہ فی فوائد القرآن فلیراجع'' (فتح الملہم، ج:1، ص:517) گویا علامہ عثمانی رحمہ اللہ نے اپنے شیخ الشیخ حضرت نانوتوی کے تحقیق کی داد دی ہے۔ اسی طرح حضرت نانوتوی نے نصاریٰ کے مسئلہ تثلیث، یا ہندوں کے بعض عقائد کا نہایت اچھے پیرائے میں ابطال کیا ہے۔ تفصیل کیلئے تقریر دلپذیر وغیرہ کی طرف رجوع کی جائے

خلاصہ کلام یہ کہ حضرت ترجمان الحقائق امام نانوتوی رحمہ اللہ اپنے دور کے بڑے متکلم، عقائد اسلامیہ کے شارح اور ترجمان ومحافظ تھے۔ آپ کے تصانیف سے

استفادہ کرنا اور اس کا مطالعہ کرنا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

علامہ ابن خلدون نے علم کلام کی جو تعریف کی ہے:

"هو علم يتضمن الحجاج عن العقائد الايمانية بالادلة العقلية، و الرد على المبتدعة، المنحرفين فى الاعتقادات عن مذاهب السلف و اهل السنة" (مقدمہ ابن خلدون، ص: 490 دار الکتب العلمیہ بیروت)

اس کی پوری مصداق حضرت ترجمان الحقائق کا پیش کردہ علم کلام ہے۔ آپ نے عقائد اسلام اور احکام اسلام کا دفاع کیا ہے۔ مخالفین، منکرین، معترضین کے انکار و اعتراضات کا پردہ چاک کر دیا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے انتصار الاسلام اور تصفیۃ العقائد کا انگریزی زبان میں بھی ترجمہ ہوا ہے۔ اور انگلینڈ (برمنگھم) میں مقیم ہمارے کرم فرما دوست مولانا شہزاد خان صاحب مدظلہ العالی کی زبانی یہ بات سنی کہ یہاں پر دہریہ اور دیگر لا مذہب کو اگر ہم ٹھوس علمی جواب دیتے ہیں جس سے وہ لاجواب یا قائل ہو جائے تو وہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی تحقیق اور جواب ہوتی ہے۔

ہمیں چاہیے کہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی جملہ تصانیف کی طرف مکمل توجہ کریں۔ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے تصانیف اور تحقیقات کی طرف توجہ، اس کا مطالعہ، سیکھنا سکھانا اور پھیلانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔ آج باطل ہر طرف سے اسلام اور اسلامی تعلیمات پر مختلف قسم کے اعتراضات، شکوک و شبہات کرتے ہیں۔ اہل اسلام بالخصوص علماء کرام "خذوا حذركم" پر عمل کرتے ہوئے حضرت ترجمان الحقائق کے افکار و آراء کو اپنائے اور اس علمی اسلحہ سے لیس ہو کر باطل کا تعاقب کریں۔ یہ وقت کی اہم ضرورت ہے۔

حضرت ترجمان الحقائق سے اللہ تعالیٰ نے مختلف میدانوں میں کام لیا ہے۔ جہاد، درس و تدریس، تصوف، بناء دار العلوم دیوبند بعض تلامذۃ اور اس طرح کے دیگر خدمات جن کا دائرہ وسیع ہے۔ لیکن ان میں ایک عظیم خدمت آپ کی "علم و حکمت"

ہے، جنہیں ہم ''حکمت قاسمیہ'' کا نام دیتے ہیں۔

اور جن کی وجہ سے وہ ''ترجمان الحقائق'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ وہ خدمت ہے کہ رہتی دنیا تک یاد رہے گی۔ اور آپ نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے شریعت کو باطل اور باطل کے حملوں سے بچا کر اس نخلستان محمدی کی آبیاری فرمائی۔ بلا شک ہماری امید ہے بلکہ ہم یہ کہنے میں جھجک محسوس نہیں کرتے کہ آپ کے ان مساعی سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئی ہوگی۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان کے منتظم اعلیٰ مولانا قاری محمد اسحاق صاحب مدظلہ العالی اور آپ کے لائق بھتیجا مولانا حبیب الرحمان صاحب اکابر کے عقیدت ومحبت کے اسیر ہیں، اور اکابر سے عشق ومحبت ان کیلئے سرمایہ حیات بنی ہوئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان کے علمی شہر ''مدفن اولیاء'' ملتان میں ان کا قائم کردہ ادارہ ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' کے نام سے نصف صدی سے مصروف عمل ہے۔ اکابر علمائے اسلام ،سلف وخلف کے تصانیف اس ادارہ سے وقتاً فوقتاً شائع ہوتے رہتے ہیں۔ مختلف اسلامی علوم وفنون، تاریخ، تصوف سے متعلق عربی، فارسی، اردو کی کتابیں اس ادارہ کی یادگار ہے۔ اہل سنت والجماعت علمائے دیوبند کی مختلف کتابیں، تفاسیر، شروحات حدیث، فقہ وفتاویٰ، مقالات وسوانح اس ادارہ سے کئی بار شائع ہو چکی ہے۔ حضرت ترجمان الحقائق حجۃ الاسلام امام نانوتوی رحمہ اللہ، حضرت حکیم الامت مجدد تھانوی رحمہ اللہ ودیگر اکابر کی کتابیں اس ادارہ سے منظر عام پر آچکی ہیں۔

اس سال منتظمین ادارہ نے حضرت ترجمان الحقائق امام نانوتوی رحمہ اللہ کے جملہ تصانیف، رسائل، مکاتیب کو ''مقالات حجۃ الاسلام'' کے نام سے شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے۔ اس سے پہلے حضرت کے اکثر کتابیں اس ادارہ سے یا ہندوپاکستان کے دیگر اداروں سے شائع ہو کر نایاب ہو چکی ہیں۔ لیکن اب کی بار یہ مجموعہ کی شکل میں پہلی بار منظر عام پر آرہے ہیں۔ متلاشیان حق اور علم وحکمت سے شغف رکھنے والے اور فکر

نانوتوی کے نام لیواؤں کیلئے یہ علمی جواہرات یکجا طور پر شائع ہونا بڑی خوشخبری ہے۔
گذشتہ سے پیوستہ ہو کر ان شاء اللہ ادارے کا یہ اقدام بھی مستحسن اور لائق ستائش ہے۔ وقتاً فوقتاً ہمارا ان سے رابطہ ہوتا ہے۔ وہ اس کو بڑے سلیقہ سے انجام دے رہے ہیں اور حضرت ترجمان الحقائق کے تصانیف کی اشاعت میں بڑے مخلص ہے۔ ہماری چند تجاویز اور آراء کو شرف قبولیت بخشی۔ ان کی محبت اور دلجمعی ودلجوئی کی خاطر یہ چند کلمات تحریر کئے۔ اللہ قبولیت عطا فرمائے۔

اور مولانا قاری محمد اسحاق صاحب ومولانا حبیب الرحمٰن صاحب کی جملہ مساعی کو قبول فرمائیں۔ اور سابقہ کی طرح ان کی اس کاوش کو بھی شرف قبولیت سے نوازے۔ اور ہم سب کو حضرت ترجمان الحقائق رحمہ اللہ کے علوم سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وسلم۔

ابوزکریا اکبر رحمٰن حقانی
استاد الحدیث دار العلوم عربیہ گجرات/مردان
سرپرست: امام محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ ریسرچ لائبریری/مردان
تاریخ: 05/07/2020

لاکھ حکیم سربجیب ایک کلیم سربکف

شاہین ختم نبوت حضرت مولانا اللہ وسایا صاحب مدظلہ

(مرکزی رہنما عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت ملتان پاکستان)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للّٰہ و کفی و سلام علیٰ عبادہ الذین اصطفی اما بعد!

ادارۂ تالیفات اشرفیہ نزد چوک فوارہ ملتان۔نایاب دینی کتب کی اشاعت میں دنیا بھر میں اپنا نام اور مقام رکھتا ہے۔حال ہی میں انہوں نے قابل تبریک یہ فیصلہ کیا کہ دارالعلوم دیوبند کے بانی حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جملہ چھوٹی بڑی تصنیفات کو یکجا سیٹ کی شکل میں شائع کیا جائے۔سب سے پہلے انہوں نے حضرت حجۃ الاسلام کی تصنیفات کی فہرست مہیا کی۔حضرت مولانا قاری محمد طیب،حضرت مولانا راشد الحسن کاندھلوی،حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی کی مرتب کردہ فہارس تصنیفات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو سامنے رکھا۔

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید صاحب سواتی کی مرتب کردہ فہرست کے مطابق حضرت حجۃ الاسلام کی تصنیفات کی تعداد اِکتیس ہے۔اس میں بخاری شریف کے چند پاروں کے حواشی بھی شامل ہیں۔وہ اصح المطابع کراچی سے تسلسل کے ساتھ شائع ہو رہے ہیں۔اس کے علاوہ کتب کی تعداد تیس باقی رہ جاتی ہے۔کراچی سے خیبر تک

پاکستان سے انڈیا تک دن رات کی جہد مسلسل سے وہ ان تمام کتب کو جمع کرنے پر کامیاب ہوگئے۔ تنہا یہی ایک کام ایک وقیع ہے کہ شاید ادارہ تالیفات واحد اِدارہ ہے جس کے پاس جملہ کتب حضرت نانوتوی کا ذخیرہ جمع ہوگیا۔

اب دوسرا مرحلہ تھا ان جملہ کتب کی کمپوزنگ کا۔ حضرت حجۃ الاسلام کا علم و قلم، ان کے علم کی گہرائی و گیرائی اس زمانہ کی اُردو، جس پر قریباً ایک صدی بیت چکی ہے۔ نئے سرے سے اسے کمپوز کرنا، پروف پڑھنا اتنا جگر گردہ کا کام تھا جو اس کام سے تعلق رکھتے ہیں ان کے علاوہ دوسروں کو اس کا سمجھانا مشکل ہے کہ انہوں نے اس معرکہ کو بھی نہ صرف سر کرلیا، بلکہ اس کی بلند چوٹی پر جا کر فتح ونصرت کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ **فالحمد لله علٰی ذالک۔**

ان میں سے بعض کتب، مثلاً ''آب حیات، ہدیۃ الشیعہ، تقریر دل پذیر'' ادارہ تالیفات اشرفیہ پہلے سے شائع کرچکا ہے۔

ان کی اتنی عمدہ کتابت اور شاندار پروف ریڈنگ پر اتنا اعتماد تھا کہ اسی کتابت کا عکس لے لیا، تاکہ قدامت کی برکت سے بھی یہ مجموعہ بہرہ ور رہے۔ بعض کتب ایسی تھیں کہ جدید کمپوزنگ اور تصحیح کے تمام تر اہتمام کے باوجود سابقہ پرانے ایڈیشن کا عکس بھی ساتھ دے دیا، تاکہ کہیں قاری کو دِقت نہ رہے۔ قدیم و جدید حسین امتزاج کے ساتھ فیصلے کرتے اور آگے بڑھتے رہے۔

قارئین! کس طرح دل کی خوشی کو کاغذ پر منتقل کیا جائے کہ ان تمام مراحل کو بڑی جرأت کے ساتھ طے کرلیا گیا ہے۔

اس مجموعہ کا نام ''مقالات حجۃ الاسلام'' طے کیا ہے۔ تالیفات حجۃ الاسلام کی ممکنہ تلاش وجمع کے بعد جملہ کتب کی ضخامت کو سامنے رکھا تو سترہ جلدوں پر مشتمل سیٹ تیار ہونے کا اندازہ ہو رہا ہے۔ انہوں نے ہمت نہیں ہاری، بڑی مستعدی اور انشراح کامل کے ساتھ آگے بڑھتے گئے۔ اب یہ مجموعہ علم کا خزانہ،

دقیق علوم کی وقیع دستاویز پہلی بار اس عالم شہود میں منظر عام پر آ رہی ہے۔

پوری دیوبندی برادری، خانوادہ قاسمی سے متعلق جملہ حضرات، آپ، ہم، سب مل کر جو کام نہیں کر پائے ''ادارہ تالیفات اشرفیہ'' نے دیکھتی آنکھوں، سنتے کانوں یہ کام کر کے پورے دیوبندی مسلک کا قرض وفرض تنہا اُتار کر سبھی کو سرفراز بلکہ سر بلند کر دیا۔ اسی کو کہتے ہیں سر بکف، سر بلند دیوبند، دیوبند۔

اس ادارہ کے بانی حضرت الحاج عبدالقیوم مدنی تھے، زہے مقدر وہ اتنے خیر کے کام شروع کرا کے گئے کہ ان کا صدقہ جاریہ فزوں تر آنکھوں کے سامنے ہے۔ جناب حافظ محمد اسحٰق صاحب اشرفی ملتانی ان کے جملہ رفقاء اس عظیم علمی و دینی خدمت پر مبارک باد کے مستحق ہیں۔ جن کے لئے میں اپنے پاس الفاظ نہیں پاتا۔ بس یہی عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ کام آپ ہی سرانجام دے سکتے تھے۔ ''مرداں چنیں کنند'' اسی کو کہتے ہیں۔

حضرت حجۃ الاسلام زندہ باد، اِدارہ تالیفات اشرفیہ پائندہ باد

دُعا گو و جو

فقیر اللہ وسایا

خادم ختم نبوت ملتان ۲۰/جون ۲۰۲۰ء

حجۃ الاسلام رحمہ اللہ... حکمت ایمانی کے امام

از: حضرت مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب مدظلہ
(مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اہل علم وفضل میں حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ سرہ العزیز (بانی دارالعلوم دیوبند) کی علمی اور عبقری شخصیت سے کون واقف نہیں؟ علوم اسلامیہ اور عقلیہ کے ماہر اور حکمت وفلسفہ کے شناور سبھی آپ کے علوم و فیوض سے ہمیشہ مستفید ہونے کے ساتھ آپ کی حکمت و دانائی کے معترف رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جو علمی و عملی کمالات عطا فرمائے اور جن علوم ومعارف سے محلی اور مزین فرمایا، انہیں دیکھ کر ائمہ متقدمین امام غزالی، امام رازی وغیرہ رحمہم اللہ تعالیٰ کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ بلکہ آپ کی بعض علمی عقلی فلسفی تحقیقات ایسی بھی ہیں جن میں آپ کے علمی عقلی استدلال کا درجہ متقدمین پر بھی سبقت لے جاتا ہے۔ ایسی تحقیقات عجیبہ بدیعہ نادرہ غامضہ اور دقیقہ کو دیکھ کر وقت کے بڑے بڑے علامہ فہامہ حیران وششدر اور حضرت اقدس رحمہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں ؎

و انی و ان کنت الاخیر زمانہ لآت بما لم تستطعہ الاوائل

بلا شبہ آپ حکمت ایمانی کے امام اور حجۃ الاسلام تھے۔ اور عقائد اسلام کی

حقانیت، صداقت، عظمت، دین اسلام کی حجیت کو آپ نے ہندو، آریہ، غیر مسلموں کے مقابلہ میں علی رؤس الاشہاد دلائل قاہرہ اور براہین قاطعہ و حجج ساطعہ سے اس شاندار عقلی، حکمی اور فلسفی منطقی انداز میں ثابت فرمایا کہ اپنے تو اپنے غیروں کو بھی مجال انکار نہ رہی۔ اور ''والفضل ماشهدت به الاعداء'' کا منظر سامنے آ گیا۔

آپ کے علوم و معارف چونکہ بلند پایہ علمی تحقیقات کے حامل اور عقلی، فلسفی و منطقی دلائل سے مملو و مشحون ہوتے ہیں۔ ہر کس تو کجا ہر عالم کی علمی پرواز بھی ان کے ادراک سے قاصر رہتی ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے صدر مدرس اور بہت سے اکابر و مشائخ اور علماء کرام کے استاذ، منقول و معقول کے جامع حضرت شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی رحمہ اللہ تعالیٰ جیسے عظیم اور جید عالم کو بھی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی کتاب لاجواب ''آبِ حیات'' درساً آپ سے پڑھنا پڑی۔

جب اتنے بڑے حضرات کا یہ معاملہ ہے ''تا بدیگراں چہ رسد'' یہی وجہ ہے کہ جب حضرت شیخ العالم سے کتاب ''آبِ حیات'' پڑھانے کے لئے درخواست کی گئی تو آپ نے فرمایا مجھے یہ کتاب مطالعہ کر کے پڑھانی ہوگی۔ یعنی ایسے زبردست علامہ کو بھی مطالعہ کی ضرورت تھی ؎ قیاس کن زگلستان من بہار مرا

حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے علوم و معارف چونکہ ہر ایک عالم کی دسترس سے باہر تھے، اس لئے ان کی ترجمانی اور شرح کی از حد ضرورت تھی۔ جس کے لئے اللہ تعالیٰ نے آپ کے بلند پایہ تلامذہ میں شیخ العالم مولانا محمود حسن دیوبندی، حضرت مولانا امداد حسن امروہی، حضرت مولانا عبدالعلی رحمہم اللہ اور بعد کے حضرات میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی، حکیم الاسلام حضرت قاری محمد طیب صاحب رحمہم اللہ تعالیٰ کو منتخب فرمایا۔ ان حضرات نے حکمتِ قاسمیہ کو کما حقہ سمجھ کر دوسروں تک اسے پہنچایا۔ اور بجا طور پر یہ اکابر علوم و معارف اور حکمت قاسمی کے شارح اور ترجمان قرار پائے۔ ایک دور تھا کہ دارالعلوم دیوبند میں

حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کی تصنیفات و بلند پایہ رسائل منتہی طلبہ کو باقاعدہ درساً پڑھائے جاتے تھے۔

حضرت والد ماجد فاضل دیوبند، فقیہ زماں مولانا مفتی عبدالشکور صاحب ترمذی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ہمارے زمانے ۶۴ تا ۶۵ھ میں دارالعلوم دیوبند میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''تقریر دلپذیر'' حضرت علامہ عبدالخالق صاحب رحمۃ اللہ علیہ (جو بعد میں دارالعلوم کبیر والا کے بانی اور صدر مدرس بنے) پڑھاتے تھے۔

حضرت اقدس مخدوم العلماء مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ تعالیٰ فرمایا کرتے تھے کہ درس نظامی کے نصاب سے منطق وفلسفہ کی کتب حذف کردی جائیں تو اپنے اکابر کے علوم و معارف خاص طور پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابیں سمجھ میں نہیں آئیں گی اور نہ ہی طلبہ وعلماء کو ان سے استفادہ ممکن ہوگا۔ اس وقت سب سے پہلے تو اس کی ضرورت ہے کہ حضرت نانوتوی قدس اللہ سرہٗ کی کتب عالیہ اور قیمتی رسائل، تقاریر اور خطبات کو جمع کرکے یکجا شائع کیا جائے اور ثانیاً یہ کہ ان کی تشریح و تفہیم اور درس وتدریس کا اہتمام کیا جائے۔ پہلی ضرورت کو بحمداللہ تعالیٰ مخدوم ومکرم (مالک ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ ملتان) جناب حافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ نے باحسن وجوہ پورا کردیا ہے کہ ''رسائل حجۃ الاسلام'' کے نام سے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے تمیں رسائل کو دس جلدوں میں شائع کردیا۔ **فللّٰه الحمد وله الشكر**

حق تعالیٰ حافظ صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ کو اس عظیم علمی شاہکار کی اشاعت پر جزائے خیر عطا فرمائیں اور حضرت حجۃ الاسلام قدس سرہٗ کے علوم ومعارف سے اہل علم اور صاحبان فضل وکمال کو استفادہ کی توفیق دیں۔ اُمید ہے کہ اہلِ علم اس عظیم علمی سوغات کی قدر کریں گے اور ان علوم ومعارف کے حصول میں تاخیر نہیں فرمائیں گے۔ واللہ الموفق والمعین۔ فقط۔

احقر عبدالقدوس ترمذی غفرلہ (جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا)

۲۵ شوال المکرم ۱۴۴۱ھ، ۱۷ رجون ۲۰۲۰ء

مقالات حجۃ الاسلام ... پہلا عظیم تاریخی کارنامہ

حضرت مولانا عبدالقیوم حقانی صاحب دامت برکاتہم العالیہ
(بانی ومہتمم جامعہ ابی جویرہ نوشہرہ)

حجۃ الاسلام الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا شمار اُن شخصیات میں ہوتا ہے جنہیں شخص کے بجائے اشخاص، فرد کے بجائے افراد اور ایک مصنف ومحقق کے بجائے اکیڈمی قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا ان کی ذات والا صفات واقعۃً اس عربی شعر کا مصداق تھیں ۔

لیس علی اللہ بمستنکر ان یجمع العالم فی واحد

الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ایک علمی شخصیت ہونے کی حیثیت سے جمیع میدانِ کار اور دائرہ ہائے عمل میں ان کے نمایاں نقوش نظر آتے ہیں۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مختلف محاذوں پر سرگرم رہتے۔ انہوں نے عقائد کی سطح پر بہت سے غلط تصورات کو ختم کیا، تمام سماجی رسومات اور روایات کا خاتمہ کیا۔ بشریت کُش نظریات کا قلع قمع کیا انہوں نے تعلیم کے ذریعے انگریزوں کے خلاف محاذ قائم کیا، چنانچہ دارالعلوم دیوبند کا قیام عمل میں آیا تو اس ادارے کی حیثیت صرف ایک درس گاہ کی نہیں بلکہ تحریک کی تھی۔ بالآخر دیوبند انگریزوں کی نظر میں باغیوں کی ایک آماجگاہ قرار پایا۔ وہی مدرسہ آگے بڑھ کر ایک شجر سایہ دار بنا۔ یہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بصیرت ہی تھی کہ دارالعلوم دیوبند کو مرکزیت اور مرجعیت نصیب ہوئی، مگر بایں ہمہ درس وتدریس، فروغِ علم اور تصنیف وتالیف سے ان کا رشتہ جڑا رہا۔ اس شعبے میں ان کی

جوخدمات ہیں وہ علمی دنیا کے لئے باعث رشک ہیں ۔ حجۃ الاسلام، انصارالاسلام، آبِ حیات، اسرارقرآنی، تحفہ لحمیہ، تقریردلپذیر، جواب ترکی بہ ترکی، جمالِ قاسمی اور قبلہ نما وغیرہ۔ یہ کتابیں اس بات کا ثبوت ہیں کہ مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ مجاہدانہ اور انقلابی ذہن رکھنے کے ساتھ ساتھ علمی ہتھیاروں سے بھی مسلح تھے۔انہوں نے اسلام کی حقانیت کے ثبوت کیلئے شرعی دلائل کے ساتھ ساتھ عقلی دلائل سے ان تمام اعتراضات کا ازالہ کیا جواسلام پر کئے جاتے ہیں۔مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی، اسلامی اور مذہبی کلامیۓ کوایک نئی جہت دی جسے دیکھ کراندازہ ہوتا ہے کہ ان کے پاس علوم وفنون کا وافر ذخیرہ موجودتھا۔آپ مستحکم قوتِ استدلال کے مالک تھے۔

موجودہ حالات میں اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ کسی نہ کسی طریقہ سے ان کی خدمات، علمی وقلمی کام، تحریکات وتصنیفات اوران کے علوم وافکار سے انسانیت کو روشناس کرانے کی مضبوط کوشش کی جائے۔ ہمارا عہد فراموش کاری کا عہد ہے اور یہاں بہت سی علمی شخصیتیں دشت فراموشی میں گم ہوگئیں اورایسی شخصیتیں جن کے علوم وافکار کے چراغ جلتے رہتے تو معاشرہ میں اندھیرا کچھ کم ہوتا۔

خدا کا شکر ہے کہ الحاج محمد اسحاق ملتانی صاحب (بانی ومؤسس ادارہ تالیفاتِ اشرفیہ) اس عظیم مشن کی طرف متوجہ ہوئے اور مولانا قاسم نانوتوی کے علوم وافکار کے چراغ کوروشن رکھنے کیلئے کمر کس کے جدوجہد کے میدان میں اُتر آئے ہیں، انہوں نے اپنے عظیم ادارے کے ارکان، علماء اور معاونین کے بھرپور تعاون سے ان کے افکار ورشحاتِ قلم کوموضوع ومبحث بنا کرنانوتوی تصنیفات کی انسائیکلوپیڈیا چھاپنے کا بیڑا اُٹھارکھا ہے۔

ادارہ تالیفات اشرفیہ نے برصغیر کی سیاسی تاریخ کی بدلتی روش اورتبدیل ہوتی ترجیحات کے پیش نظر مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ کی علمی اور قلمی کاوشوں کومحور ومرکز بنایا، تاکہ موجودہ نسل بھی الامام الکبیر مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ وسوانح، مجاہدانہ کردار، محدثانہ جلالت قدر، محققانہ عظمتوں ، عارفانہ بیانات، علمی وادبی اور

تاریخی تصنیفات اور فلسفیانہ قلمی رُشحات تعلیمی انتظامات سمیت ماضی کی سیاسی تاریخ، قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ہمہ جہتی خدمات، تعلیمی، قومی، ملّی اور اسلامی سیاسی تصورات اوران کے روشن تاریخی کردار سے آگاہ ہو سکے۔

الحاج محمد اسحٰق ملتانی صاحب نے اپنے تئیں یہ کوشش کی ہے نانوتوی رشحات قلم کا کوئی ادنی شذرہ تک بھی اشاعت سے باقی نہ رہے۔ جس سے حضرت نانوتوی کے شخصی علمی اور قلمی تمام زاویے قارئین کے سامنے آجائیں اور ان کی بلند پایہ علمی شخصیت سے وہ طبقہ بھی روشناس ہو جو اپنے ماضی اوراسلاف سے آگاہ نہیں ہے۔

الحاج محمد اسحٰق ملتانی صاحب نے اس تاریخی کارنامے کو نہ صرف حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تاریخ پیدائش، تاریخِ وفات اوران کی چند سرگرمیوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ ان کے سوانح، مقام ومرتبے اور منصب کے ساتھ ساتھ ان کے دینی، علمی، ادبی، تدریسی، قلمی، تحقیقی، تصنیفی، سیاسی اور ہمہ جہتی خدمات بالخصوص تصنیفات وتالیفات کا ایسا مکمل ومفصل جائزہ لیا ہے کہ ان کی زندگی کے جیتے جاگتے نمونے اور کارنامے ہماری آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں اوران کی اثرانگیزی دل کی گہرائیوں میں اُترتی چلی جاتی ہے۔ قاری محمد اسحٰق ملتانی صاحب کا یہ منصوبہ 17 جلدوں میں تکمیل پذیر ہو رہا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کی تاریخ اور مولانا قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم ومعارف کی اشاعت کے حوالے سے یہ پہلا عظیم تاریخی کارنامہ ہے جسے اُمت کے حضور پیش کیا جارہا ہے۔ اللہ کریم تکمیل کی توفیق دے اور مقبولیت عطاء فرمادے۔ آمین

وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ محمد و آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین

عبدالقیوم حقانی

صدر: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ، برانچ پوسٹ آفس خالق آباد

نوشہرہ کے پی کے (پاکستان)....(۵ ذی الحجۃ ۱۴۴۱ھ/ ۲۶ جولائی ۲۰۲۰ء)

مقالات حجۃ الاسلام سے فکر نانوتوی کی ترویج

شیخ الحدیث حضرت مولانا قاری محمد ادریس ہوشیار پوری مدظلہ

(بانی و مہتمم جامعہ دار العلوم رحیمیہ ملتان)

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حامدًا للّٰہ العظیم ومصلیًا علی رسولہ الکریم وعلٰی اٰلہٖ وصحبہ اجمعین

امابعد! حجۃ الاسلام حضرت اقدس نانوتوی قدس سرہٗ العزیز کے مبارک نام کی شخصیت منجانب اللہ اسی ضابطہ اور دستور کے تحت دنیا میں آئی جس میں ہر اِنسان دنیا میں آتا ہے اور قدرت کے نظام کے تحت خواہی نخواہی آتا ہے۔ خاندان میں خوشی کی لہر دوڑتی ہے، ہاتھوں میں اُٹھایا جاتا ہے، گودوں میں کھلایا جاتا ہے، عزیز رشتہ دار مبارک باد دینے آتے ہیں...... یوں خوشیوں کے ماحول میں بچپن پروان چڑھتا رہتا ہے...... یہ سب کچھ ہونا انہونی نہیں ہوتی ہر گھر میں ہر خاندان اسی طرح خوشیوں کا اظہار کرتا ہے۔

تاہم وہی پیدا ہونے والا بچہ جب اس دنیا کو چھوڑ کر کوچ کر جاتا ہے تو اس کی زندگی کے شب وروز، اس کے ماہ وسال، جو کردار اور خدوخال چھوڑ کر چلا تا جاتا ہے تو اہل دنیا سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اس کا جائزہ لیا جائے کہ یہ شخصیت کیا تھی؟ اس کی سیرت کس کس عنوان کے تحت گھومتی تھی؟ کہاں پیدا ہوا؟ کس گھرانے کو رونق بخشی؟ کتابِ زندگی میں وہ کون سے نقوش چھوڑ گیا جس میں بستی کے لوگ اسے یاد کرنے پر اس کے زاویہ فکر سے اپنے مستقبل کو سنوارنے کی بنیاد ٹھہرانے کو آمادہ ہیں۔

الغرض دیکھا جائے تو عموماً سوانح عمری، آپ بیتی، جگ بیتی، گردش ایام کے حوالہ سے ''اصحاب فکر وعمل'' اور مقتدیان ورہنمایان کی زندگی مرتب شکل میں ان کے دنیا سے جانے کے بعد زیب قرطاس ہوتی ہیں پھر جتنا بڑا دائرۂ فکر اور جادۂ عمل ہوتا ہے اسی طرز وطریق سے ان کی زندگی کے گوشوں پر نظر ڈالی جاتی ہے......

اگر ان کی زندگی اجتماعت کے اِردگرد گھومتی ہو تو ان کی زندگی کے گوش ہائے تہذیب اسی جامعیت کے ساتھ ظہور پذیر ہوتے ہیں۔

بہرحال بستی نانوتہ میں پیدا ہونے والا ایک بندۂ بشر محمد قاسم نامی دنیا میں قدم رکھتا ہے...... اگرچہ آپ کا تاریخی نام خورشید تھا...... لیکن یہ تاریخ پیدائش سے زیادہ حقیقی مصداق اس روز بنتا ہے جب وہ دنیا سے جاتا ہے وہ غروب ہونے کی بجائے خورشید علم وحکمت بن کر آسمان پر چمکنا شروع کرتا ہے اور اپنی نورانی علمی وفکر کرنوں سے ایک جہاں کو منور کرنا شروع کر دیتا ہے اور آج تک کرتا چلا آرہا ہے۔

ناظرین کرام کے علم میں ہوگا یہی بچہ اپنی سلامتیِ فطرت کے تناظر میں صرف سات برس کی عمر میں جو طبعاً کھیل کود کی عمر ہے اور شرعاً بھی دور تکلیف نہیں ہے، خواب دیکھتا ہے: میں بیت اللہ شریف کے اُوپر کھڑا ہوں اور میرے ہاتھ پاؤں سے پانی نکل کر بہہ رہا ہے اور بہتا ہی چلا جاتا ہے اپنے ماموں جناب محترم عبدالسمیع صاحب المرحوم سے اس خواب کا تذکرہ کیا۔ انہوں نے فرمایا...... بیٹا! اگر آپ نے یہ یہ خواب دیکھا ہے تو اس کی تعبیر یہ ہے اللہ تعالیٰ آپ سے علوم نبوت کی خدمت لے گا اور اس کے اثرات پورے عالم میں پہنچیں گے۔

حکیم الاسلام حضرت اقدس مولانا قاری محمد طیب صاحب قاسمی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے خطبات میں اس خواب کا ذکر فرمایا۔ دیکھا جائے تو اس خواب میں آنے والے دور کی کس قدر بھرپور طریقے سے راہیں متعین کر دی گئیں اور حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کے بعد بھی یہی خواب شرمندۂ تعبیر ہو کر طالبان علومِ نبوت کے لئے

کس طرح سے دُودھ سے سیرابی کا باعث بن گیا۔

یوں تو آپ کی زندگی کے بہت سے گوشے ہیں جن پر بڑے اصحابِ قلم نے خدمات سرانجام دی ہیں اور ان سعادت مندوں میں اپنا نام لکھوایا جو ''علوم و افکار قاسمیہ'' اور ان کی حکمتوں کو آنے والے طبقات تک پہنچنے کا ذریعہ بنے۔ ہمارے ملتان کے ادارہ ''تالیفاتِ اشرفیہ'' نے اس بات کا بیڑہ اُٹھایا کہ حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تمام دستیاب علوم و حکم کے رسائل و کتب کو یکجا کر دیا جائے تا کہ متلاشیانِ علوم قاسمی اور تشنگانِ حکمت قاسمی ان سے بھرپور طریقے سے فیض یاب ہوسکیں۔ جناب محترم حافظ محمد اسحاق صاحب مدظلہ ذمہ دار اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ وفکر قاسمی سے وابستہ لوگوں سے بالخصوص اور بالعموم وہ لوگ جو جدید تعلیم یافتہ اور عصری علوم سے مرعوب اور ضروریات سے زیادہ مغلوب یا متاثر ہیں۔ ان پر احسانِ عظیم فرمایا کہ ان کو افراط و تفریط سے ہٹا کر جادۂ اعتدال کا راستہ دِکھایا اور ان کو جدت پسندی سے نکال کر اسلامی احکام و روایات کا حقیقی چہرہ روشن کر دکھایا۔

بندہ ان کے بارے میں یہ تاثر رکھتا ہے کہ قاری محمد اسحاق صاحب اس سرعت سے کتب شائع کرتے ہیں کہ بندہ ان کی ایک طبع شدہ کتاب پڑھ کر فارغ نہیں ہو پاتا اور ان کی دوسری کتاب چھپ کر آ جاتی ہے...... میں نے ان سے عرض کیا ہے کہ آپ موفق من اللہ ہیں۔ علماء دیوبند کا علمی اثاثہ اور متاع تحریر آپ کے ذریعے بفضلہٖ تعالیٰ دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلایا اور جدید طباعت سے مزین ہو کر مستقبل کی تاریخ میں اپنا ایک مقام اور جگہ پا چکا ہے اور ایک قرن سے دوسرے قرن کی طرف اچھے انداز میں ''ارسال'' کا ذریعہ آپ بنے ہیں۔

یہ آنے والے وقت میں اہل علم کے لئے سرمایۂ رشد و ہدایت ہے...... اس سے ہمارے اکابر کے علوم زندہ ہیں اگر چہ ان کے جسدِ خاکی دنیا سے اپنے وقت پر چلے گئے صورت مٹ جاتی ہے، سیرت کو دوام ہوتا ہے...... ہمارے اکابر کی سیرت اور ان کا طرزِ

زندگی ان کا مبارک مشن آج بھی زندہ ہے اور آئندہ بھی زندہ رہے گا...... جو لوگ لٹریچر اور مطالعہ کے رسیا ہیں اور شب و روز مطالعہ اور لائبریری سے وابستہ رہتے ہیں ان کے پاس اہل اللہ کے ہاں جانے کا وقت نہیں...... ان کے ذخیرۂ مطبوعات سے ان کو سب کچھ میسر ہے کہ وہ گلہ وشکوہ کناں نہیں ہو سکتے کہ ہمارے سامنے پڑھنے کو کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کی روز افزوں محنت قبول فرمائے اور مزید توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

بندہ کے دل میں خواہش ہے کہ حضرت اقدس نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ہمہ گیر خدمات اور ان کے عالمگیر اثرات کے ذیل میں وہ کون سے عناصر کارفرما ہیں اس مختصر مضمون میں بہت کچھ اجمال کے ساتھ کچھ عرض کر دیا جائے۔ تاکہ استفادہ کرنے والے لوگ اَوّلاً ان کو دیکھ لیں پھر انہی خطوط کو اپنی زندگی کے لئے مشعلِ راہ بنالیں۔

اس میں بنیادی بات یہی ہے کہ حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ نے ہمیشہ ان اسباب کو خوب مضبوطی سے تھاما اور پکڑا جو قابلیت کی بجائے مقبولیت کے اسباب تھے۔ چنانچہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ''میرے ساتھ مولوی کا لاحقہ تھا ورنہ دنیا کبھی نہ جانتی قاسم نام کا بھی کوئی شخص گزرا ہے۔'' یعنی اپنے کو نمایاں کرنے کے بجائے مٹایا...... مگر اللہ تعالیٰ نے کس طرح نمایاں فرمایا...... وہ ہمارے سامنے ہے۔

حضرت سید الطائفہ حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا...... سب لوگ اپنا حال بتاتے ہیں آپ نے کبھی کوئی حال نہیں دیا...... گریہ طاری ہوا اور عرض کیا میرا حال تو اَچھا نہیں ہے ذکر اللہ کے بیٹھتا ہوں۔ قلب پر اتنا بوجھ ہو جاتا ہے کہ ذکر کرنا مشکل ہو جاتا ہے...... حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا...... اس میں فکر کی بات نہیں یہ معرفت خداوندی کا ثقل ہے اور بہت مبارک کیفیت ہے جس سے آپ کی استعداد کی بلندی ایک شیخ کامل کی مبارک زبان سے ظاہر ہو رہی ہے...... پھر تمام زندگی آپ کے قلب مبارک پر علوم و معارف کی بارش ہوتی رہے...... بعض مجالس میں آپ گفتگو فرماتے تو اہل مجلس بھی اس کو سمجھنے سے قاصر ہوتے۔

حضرت اقدس مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جو صدر المدرسین دیو بند ہیں، فرماتے ...... ہماری رسائی آپ کے ارشادات تک نہیں ہو رہی آپ کچھ اور ''نازل'' ہو کر ارشاد فرمائیں تا کہ ہم سمجھ پائیں۔

برصغیر پر برطانیہ کے ظالمانہ غصب واقتدار نے جو صورتِ حال پیدا کردی تھی اس کا جس طرح ہمہ پہلو آپ نے تعاقب فرمایا...... وہ برصغیر کی تاریخ کا ایک روشن باب ہے۔ آپ نے دارالعلوم دیو بند قائم فرما کر اسلامی تہذیب وتمدن کو محفوظ رکھا آپ نے اس الہامی طرز پر اسلامی ادارے قائم فرما کر جن کا انحصار نہ حکومتوں پر ہو نہ اہل مال پر، معاشرتی کرداروں کو اجاگر فرما کر اُمتِ مسلمہ کو ان اداروں کی افادیت سے روشناس کرا کر ان اداروں کے بقا کی طرف متوجہ فرمایا......

حضرات علماء کرام دینی خدمات سرانجام دے رہے ہیں اور اصحاب ثروت ان اداروں کے وسائل کو پورا کرنے کی طرف متوجہ رہتے ہیں۔

''فکرِ نانوتوی'' نے بحمدہٖ تعالیٰ ان اداروں کو حکومتوں سے بے پروا کردیا ہے اور اپنی حریت و آزادی کے ساتھ نہ صرف ہندوستان میں بلکہ پاکستان ، بنگلہ دیش، افغانستان بلکہ اب تو یورپ وامریکہ تک اتنی بھر پور خدمات سرانجام دے رہے ہیں کہ خود اَربابِ حکومت کو تعجب ہوتا ہے۔

وہ ان کو مالی امداد دینا چاہتے ہیں مگر فکر نانوتوی کے حامل مدارس وجامعات ان سے قبول کرنے کو تیار نہیں ہیں ...... یہ نہیں کہ ان کے پاس زر وسیم جمع ہے ...... لیکن توکل علی اللہ اور تعلیمی خدمات کا اعتماد ان کا بڑا سرمایہ ہے کہ ان کو یہ حوصلہ ہے کہ وہ گورنمنٹ سے امداد کا سوال تو کرتے ہی نہیں...... اگر کسی وقت وہ پیش کش بھی کریں تو یہ بصد بے نیازی مسترد کرنے کا جذبہ رکھتے ہیں۔

بہر حال حضرت اقدس رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا ضمیر جن عناصر سے تیار ہوا اس میں اخفاء کا درجۂ کمال اور استغناء وتوکل علی اللہ کا بھر پور اعتماد، زہد وتقویٰ کا کامل

استحضار، خودنمائی سے کوسوں دور...... ایسی صفات کی بنیاد پر اللہ تعالیٰ نے آپ کو ''اوجِ ثریا'' پر اس طرح پہنچایا آج آپ کے طرزِ عمل کی بدولت اسلامی علوم ومعارف کے ہزار ہا ہزار ادارے قائم ہیں بلکہ دیارِ غیر میں اپنا وجود اور ان کی افادیت تسلیم کرا چکے ہیں وہاں کی حکومتیں ان کی خدمات کی معترف اور ان کو رجسٹریشن دینے پر آمادہ ہیں ...... آخر میں ایک غیر معمولی واقعہ جو حضرت حجۃ الاسلام کی باطنی کیفیت کا آئینہ دار ہے اور مختلف اکابر کے ذوق کا مظہر ہے، استاذ اور شاگرد کے باہمی تعلق وفدائیت اور اپنی بے نفسی پر گہری نظر رکھنے کے علاوہ نہ جانے کتنے پہلوؤں کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اسے بہ نظرِ عمیق پڑھا جائے تو ان حضرات اکابر کے مقامات باطنیہ پر کس طرح نظر ڈالی جائے اور حسنِ تعبیر کے لئے کس لغت وزبان سے الفاظ مستعار لائے جائیں قلم اس سے عاجز ہے۔ اس لئے اس نکتہ کے اظہار کے ساتھ کہ اسباب مقبولیت میں ایک بڑا سبب ''تواضع'' ہے اور یہ کہنا بے جانہ ہوگا کہ جسے جو ملا وہ اسی راستہ سے ملا۔ اس واقعہ کو ارشاد القاری الی صحیح البخاری سے بلفظہٖ نقل کر رہا ہوں اور اخذ نتائج قارئین کرام کے حسنِ فکر اور فہم وتدبر کے سپرد کرتا ہوں......

بہر حال حکمت قاسمی کے نزول کا تعلق جن اوصاف کے ساتھ ہے ان میں سے ایک جوہر تواضع ہے جسے اس واقعہ کے تناظر میں دیکھا جا سکتا ہے۔

حضرت عثمانی قدس سرہٗ نے حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے نقل فرمایا کہ:

میں سفر حج میں جب مدینہ منورہ پہنچا تو حضرت شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کی زیارت ہوئی...... وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تھے۔ انہوں نے مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کا حال دریافت کیا اور فرمایا کہ:

ہم نے سنا ہے کہ وہ بہت زیادہ متواضع ہیں ایسی تواضع سے علم کی تحقیر ہوتی ہے...... بعد ازیں جب میں مکہ مکرمہ پہنچا تو حضرت حاجی امداد اللہ صاحب قدس سرہٗ کی خدمت میں حاضری ہوئی...... میں نے وہاں حضرت مولانا شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کا

قول نقل کیا...... اس پر حاجی صاحب قدس سرہٗ بہت حیران ہوئے اور فرمایا کہ مولوی قاسم جس مقام پر ہیں اس میں تو اس سے بھی زیادہ تواضع کرنی چاہئے۔

جب میں (حج سے) واپس آیا تو تنہائی میں تمام ماجرا سنایا...... شاہ عبدالغنی قدس سرہٗ کی بات جب سنی تو چہرہ پر انقباض کے آثار ظاہر ہوئے۔ اور جب میں نے حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کا قول نقل کیا تو چہرے پر بشاشت نمودار ہوئی اور فرمایا کہ:

محمود حسن! تم میرے اتنے معتقد ہو کہ اس سے زیادہ نہیں نہیں ہو سکتے کہ تم سے کچھ تواضع کی بات کروں اور یہاں اور بھی کوئی نہیں ...... اور تم جانتے ہو کہ مجھے قسم کھانے کی عادت نہیں...... لیکن میں قسم کھا کر کہتا ہوں کہ:

''قاسم میں اور اس دیوار میں کوئی فرق نہیں۔'' (ارشاد القاری ص ۳۳۴)

اس مبارک ملفوظ کی تشریح اگر کوئی صاحب علم و باطن کرے تو خدا جانے کتنے صفحات پر پھیل جائے اللہ تعالیٰ اس ''حقیقت مطلوبہ'' میں سے ہمیں بھی کوئی ذرّہ اور قطرہ نصیب فرما کر اہل اللہ سے نسبتِ عالی اور قوی عطا فرمائے۔ آمین۔

برادرِ محترم قاری محمد اسحاق صاحب مدظلہ کی مساعی جمیلہ کو حق تعالیٰ شانہٗ درجۂ کمال کی قبولیت عطا فرمائے آمین۔

یہ چند بے ترتیب حروف ان کے ارشاد مبارک اور توجہ سے لکھے گئے اللہ کرے انہی کے اخلاص و صدق کے طفیل میں قبول ہوں اور ''ریشم کے ساتھ ٹاٹ کے لگ جانے کی شاید اس سے زیادہ بہتر مثال کوئی نہ ہو'' ...... میں ان کے دیگر احسانات کی طرح ایک عظیم احسان کے پھر زیر بار ہوں اور دست بہ دُعاء ہوں کہ اللہ تعالیٰ میرے سے ان کے لئے مکافات کی کوئی شکل بنا دے۔ آمین۔

ع گر قبول افتد زہے عز و شرف

والسلام

مولانا قاری محمد ادریس ہوشیارپوری
خادم و شیخ الحدیث جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان، 0302-9635812

مقالات حجۃ الاسلام ...اہل علم کیلئے نادرونایاب تحفہ

حضرت مولانا مفتی محمد عنایت الکریم مدظلہ
(استاذ الحدیث جامعہ دارالعلوم رحیمیہ ملتان)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ حمدًا یوافی نعمَہ ویُکافی مزیدہٗ.
والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا و مولانا محمّدٍ
کلّما ذکرہٗ الذاکرون و کلّما غفل عن ذکرہٖ الغافلون.

امابعد! کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے کمالات وصفات کے بیان کے لئے جو بھی تعبیر اور جملے سوچے جائیں تو بھی الفاظ کا دامن تنگ معلوم ہوتا ہے۔ ان کے کمالات وصفات کی صحیح عکاسی کے لئے کوئی موزوں تعبیر میسر نہیں ہوتی۔ حجۃ الاسلام والمسلمین قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبند حضرت اقدس مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس اللہ تعالیٰ سرّہ العزیز بھی انہیں شخصیات میں سے ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ اج پوری دنیا میں جہاں کہیں علم وعمل کے چراغ روشن ہیں۔ دینی وایمانی فضائیں قائم ہیں وہ اس مردِ درویش کے فیوض وبرکات کا حصہ ہیں۔ آپ نے اَیام طفولیت میں یہ خواب دیکھا کہ گویا میں اللہ جل شانہٗ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں تو آپ کے دادا نے (جو کہ خواب کی تعبیرات کے ماہر تھے) یہ تعبیر بتلائی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا

کرے گا اور بہت بڑے عالم ہو گے۔ (بیس بڑے مسلمان ص 115)

حق تعالیٰ شانہٗ نے آپ کو جو علمی و عملی مقام عطا فرمایا اور جو کمالات آپ کو حاصل ہوئے اس کا اندازہ خود آپ کے پیر و مرشد، جنیدِ وقت قطب عالم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمہ اللہ کے ان الفاظ سے ہوتا ہے:

''اور جو شخص اس فقیر سے محبت وعقیدت وارادت رکھے مولوی رشید احمد سلمہٗ گنگوہی اور مولوی محمد قاسم سلمہٗ نانوتوی کو کہ تمام کمالات ظاہری و باطنی ان میں موجود ہیں مجھ راقم کی جگہ سمجھے بلکہ مجھ سے فائق المدارج جانے اگرچہ ظاہری معاملہ برعکس ہو گیا ہے کہ میں ان کی جگہ اور وہ میری جگہ ہو گئے اور ان کی صحبت کو غنیمت سمجھے کہ اس زمانے میں ایسے لوگ نایاب ہیں اور ان کی خدمت بابرکت سے فیض یاب ہوتا رہے۔'' (بحوالہ تصفیۃ القلوب ترجمہ ضیاء القلوب ص ۱۰۱)

حضرت مولانا نانوتوی قدس سرّہ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجے کا تبحر علمی عطا فرمایا تھا آپ علوم نقلیات وعقلیات کے بہت بڑے ماہر امام تھے۔

احکام اسلام کی عقلی ونقلی تائید، شرائع اسلام کے غامض اسرار وحکم، ودلائل کا عجیب وغریب بیان، قدیم وجدید فلاسفہ کے اُٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی و شافی رد، نظامِ اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا۔ مشکل سے مشکل مسائل کو مشاہداتی دلائل سے خالص علمی زبان میں ذہنوں میں اُتار دینا حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا خاصہ تھا۔ بقول مولانا سندھی مرحوم کے کہ حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ اللہ حقائق ومعارف اپنے لوگوں یعنی اہل اسلام کو سمجھا سکتے ہیں اور مولانا نانوتوی رحمہ اللہ اسلام کے غامض حقائق غیر مسلموں کو بھی اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو سمجھا سکتے ہیں۔ (بحوالہ مجلہ یادگار اکابر)

حضرت مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی اکثر تصانیف ومقالات نایاب

ہیں ۔ ''اِدارہ تالیفاتِ اشرفیہ'' کے مدیر شہیر محترم قاری محمد اسحاق صاحب زید شرفہم کے دل میں اللہ نے یہ داعیہ پیدا فرمایا کہ ممکنہ حد تک حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جو تصانیف، تحریرات اور تقاریر دستیاب ہوں انہیں یکجا کر کے شائع کیا جائے بلاشبہ یہ دین کی بہت قیمتی خدمت ہے۔

الحمدللہ 17 ضخیم جلدوں میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی 30 کے قریب کتب و رسائل پر مشتمل یہ مجموعہ مقالات قاسمی کے نام سے شائع ہو رہا ہے۔ بلاشبہ اہل علم کے لئے یہ ایک نادر و نایاب تحفہ ہوگا۔

دل سے دُعا ہے کہ حق تعالیٰ شانہٗ ان کی یہ خدمت اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے۔ اور دنیا و آخرت میں اس کا بہتر سے بہتر بدلہ عطا فرمائے۔

آمین ثم آمین. بجاه سيد المرسلين صلى الله عليه وسلم

کتبہ بندہ محمد عنایت الکریم عفا اللہ عنہ

مدرس جامعہ دار العلوم رحیمیہ ملتان، فاضل جامعہ خیر المدارس ملتان پاکستان

۲۹-۱۰-۱۴۴۱ھ........21-6-2020ء

بسم الله الرحمن الرحيم
اللهم
صل على محمد وعلى آل محمد
كما صليت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد
اللهم
بارك على محمد وعلى آل محمد
كما باركت على ابراهيم وعلى آل ابراهيم
إنك حميد مجيد
كتبه الفقير نفيس الحسيني اللاهوري غفر الله ذنوبه وستر عيوبه في رمضان المبارك سنة ١٤١٣

حالات طیب

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

تالیف لطیف

حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

تصحیح و حواشی

مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی مدظلہ

بمطابق طبع اوّل ۱۲۹۷ھ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نئی اشاعت کے موقع پر

"حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تالیف لطیف ہے، جو حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی مطبوعہ سوانحات میں سب سے قدیم، مصنف کی نسبت سے نہایت قابل قدر اور معلومات کے لحاظ سے اہم ترین ہے۔

یہ مختصری تالیف، حضرت مولانا نانوتوی کی وفات کے صرف پانچ مہینے بعد مؤلف، مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی غالباً فرمائش سے، مطبع صادق الانوار بہاول پور سے چھپی تھی، اس کا ایک اور ایڈیشن بھی اسی مطبع سے، اسی سال ۱۲۹۷ھ میں چھپ گیا تھا، اس کے بعد دہلی اور دیو بند کے بڑے تجارتی اداروں اور مکتبات نے اس کو بار بار چھاپا، مگر نہایت افسوس ہے کہ کسی نے بھی اپنے مطبع کے نسخہ کی، حضرت مولانا محمد یعقوب کے نسخہ سے مقابلہ کی کوشش نہیں کی۔

جو نسخے چھپے، وہ مولانا محمد یعقوب صاحب کے چھاپے ہوئے نسخے سے، کئی جگہ عبارت وکلمات میں خاصے مختلف ہیں، اس لئے تذکرہ نویسی، دیانت اور علمی اُصول کا تقاضا تھا کہ اس کا ایک صحیح نسخہ شائع کیا جائے، اسی ضرورت وخیال کی وجہ سے، میں نے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کی شائع کی ہوئی، سب سے پہلی

اشاعتوں کو سامنے رکھ کر اس تذکرہ کو مرتب کیا، ذیلی عنوانات لگائے اور جو چیزیں تفصیل طلب، تشریح طلب، یا تحقیق طلب تھیں، ان پر مختصر حاشیے لکھے، بعض سنین کی صحت کی اور دوسرے مآخذ سے اس کے بعض گوشوں کو مکمل کرنے کی کوشش کی۔

یہ نیا مرتبہ اور تصحیح کیا ہوا نسخہ، میری تالیف: ''قاسم العلوم حضرت مولانا قاسم نانوتوی احوال و آثار۔ باقیات و متعلقات'' میں شامل ہے، جو پہلی مرتبہ حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی۔ کاندھلہ سے ۱۴۲۱ھ (۲۰۰۰ء) میں شائع ہوئی تھی اور اسی وقت لاہور سے بھی چھپ گئی تھی۔ اسی نسخہ کو جو قاسم العلوم میں شامل تھا، افادیت کے خیال سے علیحدہ شائع کیا جا رہا ہے۔

اس طباعت کے لئے سنین کے اندراج و مطابقت کی تصحیح اور چند عبارتوں خصوصاً تمہید پر نظر ثانی کی گئی ہے آخر میں فہرست مآخذ اور اشاریہ میں شامل ہے۔ جس سے اس میں درج معلومات تک پہنچ آسان ہو جائے گی ان شاء اللہ تعالیٰ!

وما توفیقی الا باللہ علیک توکلت و الیہ انیب

نورالحسن راشد کاندھلوی

مفتی الٰہی بخش اکیڈمی، کاندھلہ۔ شاملی۔ (مظفر نگر)

۲۷ر جمادی الاولیٰ ۱۴۳۵ھ

پیش لفظ

نحمدهٗ و نصلی علی رسوله الکریم اما بعد! قاسم العلوم حضرت محمد قاسم نانوتوی کے احوال وسوانح پر جو کتابیں چھپیں ہیں اور عموماً دستیاب ہیں، ان میں حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی کی مختصر تالیف: ''حالات طیب، جناب مولوی محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ'' بھی شامل ہے، جو'' حالات حضرت مولانا محمد قاسم'' یا تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کے نام سے بار بار چھپا ہے۔ یہ حضرت مولانا کے احوال وسوانح پر، سب سے پہلا مطبوعہ تذکرہ یا تالیف ہے۔

یہ مختصر تالیف، اگر باقاعدہ سوانح یا تذکرہ نہیں ہے مگر اپنی معلومات وخصوصیات میں منفرد اور حضرت مولانا کی متاخر، بڑی بڑی مستند سوانحات پر بھاری ہے۔ بلکہ حضرت مولانا پر جو کتابیں لکھی گئی ہیں، ان میں حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے شاگردوں اور نیاز مندوں کی لکھی ہوئی سوانحات کو بھی، شاید وہ اہمیت ومرتبہ حاصل نہیں، جو اس مختصری تالیف یا یادداشت کو ہے۔

مولانا محمد یعقوب نے، حضرت مولانا کو بہت بچپن سے، بہت قریب سے دیکھا تھا، ایک گھرانہ، ایک خاندان کے فرد اور ایک ہی محلّہ گلی اور بستی کے رہنے والے تھے، دونوں کا لڑکپن ساتھ ساتھ گزرا تھا، تعلیم بھی تقریباً ساتھ حاصل کی، دونوں کے اُستاد بھی تقریباً مشترک رہے، حضرت مولانا مملوک العلی (جو حضرت مولانا محمد یعقوب کے والد ماجد تھے) حضرت مولانا محمد قاسم کے خاص اُستاد اور سرپرست تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم، زمانۂ تعلیم میں حضرت مولانا مملوک العلی کے مکان پر رہتے تھے، وہیں

تعلیم مکمل کی۔ اس لئے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نے حضرت مولانا کو، جس قدر دیکھا ہوگا، اندازہ کیا ہوگا، اس کی اہمیت و معنویت ہی اور ہے۔ ایسا طویل موقع، حضرت مولانا محمد یعقوب کے علاوہ، ایک دو ہی لوگوں کو ملا ہوگا، جو حضرت مولانا کے کسی اور رفیق یا شاگرد کو میسر نہیں آتا۔

لڑکپن کے ہم جولی، اسباق کے ساتھی، نوعمری اور جوانی کے دوست، ایک دوسرے کی اخلاقی، دینی کمزوریوں سے اس قدر واقف ہوتے ہیں اور ان کو تمام زاویوں سے نہایت قریب سے اس طرح دیکھنے والے ہوتے ہیں کہ اور لوگ بلکہ خاندان کے اکثر افراد کو بھی، اس کا مشاہدہ اور خبر نہیں ہوتی اور وہ اپنے بچوں اور گھر کے افراد کی ایسی خامیوں اور کمزوریوں سے بے خبر ہی رہتے ہیں۔ اسی لئے بچپن کے دوست اور یار غار، ایک دوسرے کے بہت ہی کم معتقد ہوتے ہیں مگر مولانا محمد یعقوب، جو حضرت مولانا کے ہر اِک سرونہاں سے واقف تھے، حضرت مولانا کے اس قدر معترف اور معتقد تھے، جس قدر کوئی اور، یا دُور سے دیکھنے والا زیادہ سے زیادہ ہو سکتا ہے۔ مولانا یعقوب صاحب، حضرت مولانا کے کمالات کے سامنے خود کو ہیچ سمجھتے اور حضرت مولانا کی اَڑتالیس سالہ زندگی کے اِک اِک دور اور کیفیت سے گہری واقفیت کے باوجود، اس کا اعتراف کرتے تھے کہ:

''حضرت مولانا کے کمالات کا اثر، ہمارے قصور استعداد سے ہم میں ظاہر نہ ہوا''

(حالات طیب، مولانا محمد قاسم، ص:۳، طبع اوّل بہاول پور ۱۲۹۷ھ)

اگر حضرت مولانا محمد یعقوب، حضرت مولانا کی باقاعدہ، مفصل سوانح لکھنے کا اِرادہ فرمالیتے، تو شاید ان سے بہتر، مکمل، جامع سوانح کوئی اور نہ لکھ سکتا، لیکن مولانا محمد یعقوب کی مصروفیات بہت تھیں، دارالعلوم کے انتظام کے عملاً ذمہ دار، اور صدر مدرس تھے۔ فتویٰ نویسی، وعظ و تذکیر اور ارشاد و تلقین کے علاوہ، گھر اور اعزہ کی مصروفیات بھی ساتھ تھیں، جس کا مولانا محمد یعقوب خاص اہتمام فرماتے تھے۔

اس وجہ سے حضرت مولانا کو فرصت نہیں ملتی تھی، تصنیف و تالیف کی طرف حضرت مولانا کی توجہ بھی کم تھی، تاہم مولانا نے، حضرت مولانا کے احباب اور شاگردوں کے اصرار پر، یہ رسالہ قلم بند فرمایا، جو مولانا کی وفات کے فوراً بعد، تین چار مہینہ میں مرتب ہوا، اور اسی وقت پہلی مرتبہ شائع ہو گیا تھا۔

مگر زیرِ نظر تذکرہ اپنی انفرادیت، خصوصیات اور تاریخی، علمی اہمیت کے باوجود مرتب تذکرہ نہیں ہے، یہ اس راقم سطور مرتب کا خیال نہیں، بلکہ مولانا قاری محمد طیب صاحب کی بھی یہی رائے ہے۔ قاری صاحب نے لکھا ہے کہ:

"لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ انتہائی اختصار اور کمال اجمال کے سبب سوانح نہیں، بلکہ سوانح قاسمی کی ایک فہرست ہے، جس سے واقعات پر عبور رکھنے والا، بطور یادداشت کے فائدہ اُٹھا سکتا ہے، ایک بے خبر از سرنو اس سے واقعات پر حاوی نہیں ہو سکتا۔"

اسی تحریر میں مولانا قاری طیب صاحب نے یہ بھی لکھا ہے کہ:

"میں نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ...... مولانا [مولانا محمد یعقوب] نے، لوگوں کی سعی اور اپنے دل کو ہلکا کرنے کے لئے، قلم برداشتہ یہ چند اوراق تحریر فرمائے"۔

(مقدمہ، سوانح قاسمی تالیف مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۸، ۹۔ جلد اوّل [دیوبند: ۱۳۷۳ھ])

میرا خیال ہے کہ مولانا محمد یعقوب صاحب کو لکھنے کے بعد، اس پر اطمینان سے نظرِ ثانی اور اس کی تصحیح کا بھی شاید وقت نہیں ملا، یہی وجہ ہے کہ اس میں حُسنِ ترتیب نہیں ہے، بعض ضروری معلومات کا، ایک پہلو کہیں، دوسرا کہیں اور درج ہوا ہے۔ اور اس میں بعض تاریخی فروگذاشتیں بھی ہیں، چند سنین بھی مطابق واقعہ معلوم نہیں ہوتے اور یہ بھی محسوس ہوتا ہے کہ مولانا محمد یعقوب نے اس تذکرہ کی ترتیب میں، منشی محمد قاسم نیانگری کے نام، اپنے خطوط بھی سامنے رکھے ہیں۔ ﴿تصنیفی جائزے کے لئے دیکھئے: مکتوبات مولانا محمد یعقوب صاحب (بنام محمد قاسم نیانگری)۔ مطبع احمدی علی گڑھ، ۱۳۲۷ھ﴾ اور ان ہی کی اطلاعات کو اس تالیف میں شامل کر دیا ہے، مگر ان فروگذاشتوں کے باوجود، اس مجموعہ کی واقعاتی، علمی، تاریخی، حیثیت مسلم ہے۔

پہلی طباعت

یہ تذکرہ یا حالات طیب! حضرت مولانا محمد قاسم کی وفات کے صرف پانچ مہینہ بعد، بہاول پور سے چھپ گیا تھا۔ حضرت مصنف کے ایک قریب کے رشتہ دار حافظ عبدالقدوس قدسی نے اس طباعت کا اہتمام کیا تھا، جو گنگوہ یا انبیٹھ کے رہنے والے تھے، بہاول پور میں مقیم تھے، وہاں اپنا تجارتی مطبع قائم کر رکھا تھا۔

تذکرہ یا حالات طیب، مولانا محمد قاسم کی، سب سے پہلی طباعت (حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کی وفات ۴ جمادی الاوّل ۱۲۹۷ھ پانچ مہینے کے بعد) حافظ عبدالقدوس کے اہتمام سے ۷ شوال ۱۲۹۷ھ کو مکمل ہوئی۔

یہ پہلی طباعت، ۱۱/ ۱۸ سینٹی میٹر کے چونتیس صفحات پر مشتمل ہے، فی صفحہ سترہ سطور ہیں۔ پہلے صفحہ سے کتاب کے اختتام تک، عبارت مسلسل ہے، کوئی باب ہے، فصل ہے، نہ عنوان ہے، فقروں اور کلمات کے درمیان، بہت کم فاصلہ یا نشان ہے، علامات قرأت، کوئی عنوان وغیرہ درج نہیں، کہیں کہیں صرف ختمہ (Full Stop) لگا ہوا ہے، اس میں بھی صحت اور با موقع ہونے کا اہتمام نہیں کیا گیا، یائے معروف یائے مجہول کا فرق بھی کم ہے، اکثر الفاظ قدیم طرز کتابت سے لکھے گئے ہیں۔

اس کے باوجود یہ طباعت، حضرت مولانا محمد قاسم کے احوال وسوانح میں بڑا مرتبہ رکھتی ہے۔ بلاشبہ اس کی اپنی تاریخی حیثیت ہے۔ اس کا سرورق ملاحظہ ہو، الفاظ وترتیب پہلی اشاعت کے مطابق ہے:

ماشاء اللّٰہ لا قوّۃ الا باللّٰہ
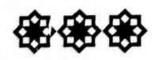
حالات

جناب طیب مولوی محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ (۱۲۹۷ھ)

(در مطبع صادق الانوار بہاول پور باہتمام حافظ عبدالقدوس ایڈیٹر طبع شد)

ٹائٹل پر مصنف کا نام درج نہیں، مگر کتاب کی تمہید اور خاتمہ الطبع میں، اس کی صراحت ہے کہ یہ حضرت مولانا محمد یعقوب کی تالیف وتصنیف ہے۔ ایک اندراج کے الفاظ یہ ہیں: ''بفضلہٖ تعالیٰ رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب، کرامت مآب، جناب حاجی، مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم، نانوتوی، مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب، بساعت مسعود بتاریخ ۷/ شوال ۱۲۹۷ھ ہجری المقدس، مطبع صادق الانوار بہاول پور میں، باہتمام حافظ عبدالقدوس، سپرنٹنڈنٹ وایڈیٹر مطبع کے مطبوع ہوکر، مثل صبح صادق کے، اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا''۔

پہلی طباعت غالباً بہت جلد ختم ہوگئی تھی، اسی لئے اسی مطبع سے فوراً اس کا دوسرا ایڈیشن چھپا، اس طباعت کا سائز صفحات، سطور، سرورق ایسا ہی ہے، جیسا پہلی طباعت کا تھا اس طباعت کے شروع یا آخر میں، کہیں بھی اس کے طبع دوم ہونے کا ذکر نہیں۔ سرسری نظر سے دیکھنے سے یہ پہلا ہی ایڈیشن معلوم ہوتا ہے مگر کسی قدر توجہ سے دیکھا پڑھا جائے، تو صاف معلوم ہوجاتا ہے کہ یہ، پہلی طباعت کے علاوہ طباعت ہے۔

یہ اشاعت، پہلی طباعت سے دو وجہ سے ممتاز ہے، کتابت پر نسبتاً توجہ کی گئی ہے۔ اگرچہ سطور، صفات اور ہر اِک صفحہ مضمون کا پہلا اور آخری حرف بھی، پہلی طباعت کے

مطابق ہے، مگر کتابت میں فرق ہے، پہلی طباعت سے کسی قدر بہتر ہے، فروگذاشتیں بھی نسبتاً کم ہیں، اور اہم ترین فرق، جس کی وجہ سے دونوں کو علیحدہ کیا جاسکتا ہے، دونوں طباعتوں کا خاتمۃ الطبع ہے۔ پہلی طباعت میں خاتمۃ الطبع سے پہلے لکھا ہے:

''تمام شد رسالہ ہذا، ۷۔شوال المکرم ۱۲۹۷ھ''

یہ تاریخ، دوسری طباعت میں درج نہیں، اس کے بعد خاتمۃ الطبع ہے، جس کے الفاظ گذر گئے ہیں۔ طبع دوم کا خاتمۃ الطبع بھی وہی ہے، مگر پہلی طباعت کا خاتمۃ الطبع، مربع نما کتابت کی پوری چوڑائی میں ہے، اس میں ساڑھے چار سطریں ہیں۔ طبع دوم کا خاتمۃ الطبع ایک تکون میں لکھا ہے، جس کی دَس سطریں ہیں۔ ایک معمولی سا فرق اور ہے، پہلی طباعت میں، باہتمام حافظ محمد عبدالقدوس سپرنٹنڈنٹ لکھا ہے، دوسری میں عبدالقدوس کے بعد قدسی کا اضافہ بھی ہے۔ نیز پہلی طباعت میں تکملہ خاتمۃ الطبع کے بعد، لفظ فقط بڑھایا گیا ہے، جو دوسری طباعت میں موجود نہیں۔

مطبع مجتبائی کی اشاعت

مذکور طباعتوں کے بعد کی، جو طباعت راقم کو دستیاب ہوئی، وہ مطبع مجتبائی دہلی کی ہے، مطبوعہ ذی قعدہ ۱۳۱۱ھ [مئی جون ۱۸۹۴ء]۔ یہ طباعت پہلی دونوں طباعتوں سے، کئی طرح سے مختلف ہے، اس کے حاشیہ پر عنوانات کا اضافہ ہے اور کتاب کی عبارتوں میں بھی کثرت سے، ترمیم و اصلاح کی گئی ہے حالانکہ کسی شخص کو یہ حق حاصل نہیں، کہ وہ کسی مصنف کی تحریر میں ترمیمات اور تغیر کرے، اس کی عبارتوں کو بلا کسی صراحت اور ضرورت کے، اس کا متن یا حلیہ تبدیل کردے اور اس کو گویا نئی کتاب بنا ڈالے۔

حالات طیب مولانا محمد قاسم کا یہ ایڈیشن، مولانا حافظ محمد احمد خلف حضرت مولانا محمد قاسم) کی فرمائش پر چھپا تھا۔ ٹائٹل پر لکھا ہے:

''حسب الارشاد، حضرت مولانا مولوی حافظ محمد احمد''

اس نسخہ کے آخری صفحہ پر جو اعلان درج ہے، وہ بھی توجہ چاہتا ہے، مطالعہ فرمائیں:

''مولانا محمد یعقوب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ اپنی معیت اور ہمراہی کے زمانہ کے حالات لکھے ہیں، حالات اور آپ (حضرت مولانا محمد قاسم) کی کرامات بہت ہیں، جن کو کسی وقت میں بطور ضمیمہ، اس کتاب کے آخر میں شائع کیا جائے گا''۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حافظ احمد صاحب نے، اپنے دور اہتمام (ابتداء ۱۳۱۳ھ) سے کئی سال پہلے، حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے احوال اور علوم و افادات کے جمع کرنے کا اِرادہ کرلیا تھا، اور اس وقت سے، دار العلوم کے اپنے اہتمام کے آخری دور تک، اس کے لئے کوشش کرتے رہے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق معلومات و اطلاعات اور حضرت کے مؤلفات اور مختلف گوشوں اور عنوانات پر علمی تحریری لوازمہ، یک جا کرتے رہے، مگر انتہائی افسوس ہے کہ حضرت کی اس مختصر سوانح، ''حالات طیب، جناب مولانا محمد قاسم'' مرتبہ مولانا محمد یعقوب کا کوئی جامع ضمیمہ، آج تک بھی مرتب اور شائع نہیں کیا گیا۔

بلکہ ہوا یہ کہ حضرت نانوتوی کی جو سوانحات، حضرت کے شاگردوں اور بعض مستفیدین نے لکھی تھیں، نیز حضرت کے معاصرین اور متعلقین نے، حضرت مولانا کے جو علمی آثار بڑی تعداد میں جمع کئے تھے، وہ تمام سرمایہ اور بیش بہا دینی ملی ذخیرہ، ایک ایک کر کے دانستہ گم نام و بے نشان (ضائع) کر دیا گیا، یا کرا دیا گیا۔

مطبوعہ مطبع قاسمی دیوبند ۱۳۳۳ھ

مطبع مجتبائی کے اس نسخہ کے بعد، مطبع قاسمی دیوبند کی اشاعت ہے، جو رمضان المبارک ۱۳۳۳ھ (اگست ۱۹۱۵ء) میں، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب، مہتمم دار العلوم دیوبند کے اہتمام سے شائع ہوئی تھی، یہ نسخہ بظاہر مجتبائی کے نسخہ کی نقل ہے، اس کے حاشیہ پر وہی عنوانات ہیں، جو مجتبائی کی اشاعت میں تھے اور ضمیمہ بھی وہی ہے، جس کا اَبھی ذکر ہوا۔ اس طباعت کے آخری صفحہ پر، کتب خانہ و مطبع قاسمی کے منتظم، مولانا عماد الدین انصاری، شیرکوٹی کا نام چھپا ہے۔

مگر اس طباعت کا ایک افسوس ناک پہلو اس طباعت میں موجود، وہ اصلاحات وترمیمات ہیں، جن کا مجتبائی کی طباعت کے تحت کچھ ذکر ہو چکا ہے۔

مطبع قاسمی کی یہ طباعت بھی، ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے، اس نسخہ کا "حالات طیب، مولانا محمد قاسم" پہلی دوسری طباعت سے مقابلہ کرنے سے، یہ بات سامنے آئی ہے، کہ اس کی عبارتوں میں، مطبع مجتبائی کی ترمیمات کے علاوہ بھی، کثرت سے تبدیلی کی گئی ہے، بعض موقعوں پر ایک دو لفظ نہیں، پورے پورے فقرے اور آدھی آدھی سطر بدل گئی ہے۔ ان ترمیمات بلکہ تحریفات سے، اگرچہ اکثر جگہوں پر مصنف کے مقصد کو زیادہ نقصان نہیں پہنچا، مفہوم متاثر نہیں ہوا، لیکن مصنف کی عبارت والفاظ میں، اس اصلاح وترمیم کا کوئی جواز نہیں۔ اس سے کتاب کی علمی استنادی حیثیت متاثر ومجروح ہوتی ہے اور اس پر اعتماد بھی ختم ہو جاتا ہے۔

دیگر طباعتیں

سوانح قاسمی، مؤلفہ مناظر احسن گیلانی (جو تذکرہ حضرت مولانا محمد قاسم تالیف مولانا محمد یعقوب کی گویا والہانہ شرح ہے) کی پہلی جلد کے آغاز پر، یہ تذکرہ (حالات طیب مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ) بھی شامل کیا گیا ہے، مگر اس میں بھی، اصل نسخہ (پہلی یا دوسری طباعت) کو بنیاد نہیں بنایا گیا، اس کی بنیاد، مطبع قاسمی کی اشاعت معلوم ہوتی ہے، نسخہ قاسمی میں جو تغیرات کئے گئے تھے، اس اشاعت میں، ان کی اصلاح نہیں کی گئی، بلکہ کچھ اور نئے تغیرات اور ترمیمات کی گئی ہیں۔

اس کی وجہ سے سوانح قاسمی میں شامل "حالات طیب مولانا محمد قاسم" کی عبارت، طبع اوّل و دوم اور مطبع قاسمی کی مذکورہ اشاعت، تینوں سے الگ ہو گئی ہے۔ ستم برستم یہ ہے کہ، سوانح قاسمی کے ساتھ شامل، حالات مولانا محمد قاسم کے نسخہ کو ہی صحیح سمجھا جاتا ہے اور اس پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ فیا للعجب!

ناطقہ سربگریباں، کہ اسے کیا کہئے

حالات طیب مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ، سوانح قاسمی کی اشاعت سے پہلے اور بعد میں بھی، دیوبند کے متعدد ناشرین کتب نے بارہا شائع کیا ہے۔ خاص طور سے کتب خانہ امدادیہ سے، اور بھی اشاعتیں میرے سامنے ہیں، مگران میں کوئی نئی بات، متن کی اغلاط کے علاوہ، ایسی نہیں ہے، جس پر توجہ کی جائے، یا اس کا ذکر کیا جائے۔ ان اشاعتوں کی نہ کتابت بہتر ہے نہ کاغذ عمدہ ہے، نہ طباعت اور سرورق میں کچھ جاذبیت ودِل کشی محسوس ہوتی ہے۔

حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم، پاکستان سے بھی کم سے کم دو مرتبہ چھپا ہے، ایک طباعت، کتب خانہ میر محمد آرام باغ کراچی کی ہے، جو اس ادارہ سے شائع، مجموعہ "نادر مجموعہ رسائل جناب مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ" میں شامل ہے۔ اس کے علاوہ کم سے کم ایک مرتبہ اور چھپا تھا۔

یہ حالات طیب حضرت مولانا محمد قاسم کے ان نسخوں کا ذکر تھا، جن کا راقم سطور کو علم ہے، ان کے علاوہ بھی، کچھ طباعتیں اور ہوں گی، مگر مجھے ان کا علم نہیں۔ ادھر کئی سال سے ہندو پاکستان میں حالات طیب، حضرت مولانا محمد قاسم عام طور سے دستیاب نہیں، ضرورت تھی کہ اس کی ایک عمدہ اشاعت، سب سے پہلی یا اصل طباعتوں سے مقابلہ کر کے، ان میں درج متن کے مطابق، وضاحتوں، حاشیوں کے ساتھ شائع کیا جائے، زیر نسخہ اسی ضرورت کو پورا کرنے کی ایک کوشش ہے۔

زیر نظر نسخہ کے مندرجات و مشتملات

زیر نظر نسخہ طبع اوّل، بہاول پور: ۱۲۹۷ھ کے مطابق ہے، کوشش ہے کہ یہ طباعت اصل کے مطابق ہو، لیکن اصل نسخہ میں کئی طرح کی فروگذاشتیں رہ گئی تھیں، خاص طور سے کتابت کی غلطیوں کی تصحیح ضروری تھی، اور تذکیر و تانیث وغیرہ کی بھی مگر ناچیز مرتب نے، متن میں غیر ضروری ترمیم کا اِرادہ نہیں کیا، تاہم، اصل نسخہ کی نئی طباعت کے وقت دو طرح کی تصحیح ضروری خیال کی گئی۔

(۱) جہاں تذکیر و تانیث کا واضح فرق تھا، اس کو درست کیا ہے، مثلاً:
طبع اوّل ص: ۴ پر ہے: باندیاں بک گئے۔
ص: ۲۰ وہ سب راہ بخیر و خوبی طے ہوا۔
ص: ۲۴ پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو کے نہ تھی۔
(۲) اسی طرح بعض جگہوں پر کوئی لفظ یا حرف رہ گیا تھا۔ مثلاً:
ص: ۱۴ اپنا خوش خرم۔
ص: ۱۸ دو منزلہ کر کہ۔

(۲) اس طرح کی اور بھی فروگذاشتیں ہیں مگر دو تین کے علاوہ، اکثر کو چھیڑا نہیں گیا ہے، کہ کتاب اور متن زیادہ متاثر نہ ہو، اس میں بھی یہ ملحوظ رہا ہے کہ جو اِصلاح یا خفیف سا اضافہ کیا جائے، وہ اصل متن سے ممتاز اور علیحدہ رہے۔ اگر حضرت مؤلف کے، کسی لفظ یا فقرہ میں ترمیم کی گئی ہے، تو اس کو بیضوی قوسین ( ) میں لکھا ہے اور اگر کسی لفظ یا فقرہ کا اضافہ کیا گیا ہے تو اس کے لئے، مربع نما [ ] استعمال کیا ہے۔

(۳) پوری کتاب میں ذیلی عنوانات اضافہ کئے ہیں، مصنف نے جن باتوں کو مجملاً بیان کیا تھا، حاشیوں میں ان کی وضاحت کی کوشش کی ہے، حسب ضرورت مفصل مختصر حاشیے لکھے ہیں۔

(۴) اس تالیف میں کئی ایسے الفاظ بھی ہیں جو اَب متروک ہیں یا دوسرے معانی کے لئے، استعمال کئے جاتے ہیں، مصنف کی مراد وہ معانی نہیں، جو آج کل رائج ہیں۔ اس قسم کے جن الفاظ کی وضاحت ملی، وہ بھی حاشیہ میں درج کر دی ہے۔

(۵) اور دو پہلو ایسے ہیں، جن میں کچھ اصلاح و تغیر نہیں کیا گیا۔

(الف): تاریخی اغلاط، جس میں چند بنیادی نوعیت کی ہیں:

اوّل: حضرت شاہ محمد اسحاق رحمۃ اللہ علیہ کے ہندوستان سے مکہ معظمہ ہجرت کے لئے روانگی کا سنہ۔

دوم: مولانا محمد یعقوب کے بھانجے، مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی کے، شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کی اولاد ہونے کی اطلاع۔

سوم: یہ بھی صحیح نہیں کہ مولانا محمد قاسم اور مولانا گنگوہی، شاہ عبدالغنی مجددی (رحمہم اللہ) سے تعلیم کے زمانہ میں، حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت ہو گئے تھے۔

چہارم: مولانا محمد قاسم کے دوسرے سفرحج کا سنہ بھی درست نہیں۔

پنجم: حضرت شاہ محمد اسحاق کا سنہ ہجرت درست نقل نہ ہونے کی وجہ سے درج ذیل سنین بھی غلط ہو گئے ہیں۔

(۱) مولانا مملوک العلی کے سفرحج اور دہلی واپسی کا سنہ

(۲) مولانا محمد قاسم کے نانا مولوی وجیہ الدین کا سنہ وفات

(۳) حضرت مولانا محمد قاسم کے تعلیم کے لئے دہلی جانے کا سنہ۔

مگر ان میں سے کسی بھی واقعہ یا اطلاع کی، متن میں درستگی نہیں کی گئی، حاشیہ میں صحیح تاریخیں اور ضروری حوالے لکھ دیئے ہیں۔

بعض اطلاعات ہنوز مشتبہ ہیں، مگر معلومات کا کوئی ذریعہ اور مستند مآخذ سامنے نہ ہونے کی وجہ سے، ان کو نہیں چھیڑا گیا۔ چند ضروری مآخذ دستیاب نہ ہونے کی وجہ سے، کچھ حواشی بھی نا تمام یا تشنہ رہ گئے ہیں، اُمید ہے کہ ان شاء اللہ تعالیٰ اگلی اشاعتوں میں اس کی تلافی کی اور اس تذکرہ کو، زیادہ بہتر اور مفید بنانے پر توجہ رہے گی۔

ب: اس تذکرہ کے تالیف کے وقت، حضرت حاجی امداداللہ اور حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی حیات تھے۔ مولانا محمد یعقوب صاحب نے جہاں کہیں ان کا ذکر کیا ہے وہاں ایسے دُعائیہ فقرے یا کلمات لکھے ہیں، جو زندہ لوگوں کے لئے لکھے جاتے ہیں۔ جیسے: مدظلہ وسلمہ وغیرہ، اگرچہ یہ کلمات بے محل معلوم ہوتے ہیں، مگر ان کو بھی تبدیل نہیں کیا، سب جوں کے توں ہیں۔

ج: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مرتب تالیف یا باقاعدہ

تذکرہ نہیں ہے، یادداشتوں کا ایک مجموعہ سا ہے۔ضرورت ہے کہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے مقصد کو نقصان پہنچائے بغیر، اس کو نئی زبان میں مرتب کیا جائے، جو واقعات بکھرے ہوئے ہیں، ان کو صحیح جگہ پر لا کر، تصویر کو مکمل کرنے کی کوشش ہو، جو معلومات ناتمام ہیں، ان میں جزوی اضافے کر کے ان کو مکمل کر دیا جائے۔اس طرح یہ کتاب زیادہ مفید ہو جائے گی اور اس کی استنادی حیثیت بھی محفوظ رہے گی۔

آخر میں قارئین کرام سے گذارش ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، نیز اس اہم تذکرہ کی اشاعت وتصحیح کی خدمت دینے والے علمائے کرام (رحمہم اللہ تعالیٰ) اور ناچیز راقم سطور کو بھی اپنی دُعاؤں میں [خاص طور سے دعائے مغفرت میں] یاد رکھیں اور اس تذکرہ کی فروگذاشتوں سے مطلع فرما کر ممنون فرمائیں، آپ کے اس تعاون سے کتاب کی آئندہ اشاعتوں کو بہتر بنانے میں مدد ملے گی۔وما توفیقی الا باللہ

و آخر دعوانا ان الحمد للّٰہ رب العالمین
وصلی اللّٰہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ سیدنا محمد و آلہٖ
و صحبہٖ اجمعین و من تبعھم الیٰ یوم الدین.

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

حمد و نعت
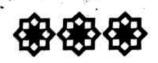
الٰہی تیری کیا قدرت کا ظہور ہے، یہ تماشے دکھلاتا ہے پھر ان کو پردۂ اختفا میں چھپاتا ہے، کیا کیا آفتاب طلوع ہوئے اور چمک دَمک کر پھر غروب ہو گئے۔ سب صفت وثناء تیری ہی ہے، جن کی تعریف ہے اور سب وصف کمال آپ کا ہی ہے، جس کی توصیف ہے۔ تو ہر عیب سے پاک و بری اور سب تیرے قبضہ میں خشکی ہو یا تری۔ آسمان ایک بلبلہ ہے اور زمین ایک مشت خاک اور تو سب میں جلوہ گر اور سب سے برتر اور پاک!

کس زبان سے تیری ثنا ہو سکے، جب فخر الاوّلین والآخرین، سید المرسلین، رحمۃ للعالمین، حضرت سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہوں:

''لااحصی ثناء علیک انت کما اثنیت علی نفسک'' ﴿ یہ کلمات حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ایک روایت اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی، ایک دُعا کا حصہ ہیں، اس کے مکمل الفاظ یہ ہیں:

"اَللّٰھُمَّ اِنّی اعوذ برضاک من سخطک، و بمعافاتک من عقوبتک ، و اعوذبک منک لا احصی ثناء علیک انت کما اثنیت علٰی نفسک"

''اے اللہ! میں تیری رضا کے حوالہ سے تیری ناراضگی سے اور تیری عافیت کے ذریعہ سے، تیری سزا سے اور تیری ذات عالی کی رحمت و معافی کے ذریعہ سے، تیرے غصہ سے پناہ چاہتا ہوں۔ میں تیری تیرے شایانِ شان تعریف نہیں کرسکتا، تو ایسا ہی ہے، جیسا کہ تو خود اپنی تعریف فرمائے''۔

یہ حدیث امام مسلم ابو داؤد اور نسائی نے ابواب السجود میں اور امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں نقل

فرمائی ہے، اور بھی متعدد ائمہ محدثین خصوصاً حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ نے بھی روایت فرمائی ہے۔ یہ حدیث سند وصحت کے لحاظ سے اعلیٰ درجہ کی ہے، شیخ احمد زید نے مسند احمد کے حواشی میں لکھا ہے: "اسنادہ صحیح، رجالہ ثقات ائمۃ" مسند امام احمد بن حنبل، حدیث نمبر: ۲۳۱۹۳-ص: ۲۹۰/ ج:۱۷ (قاہرہ: ۱۴۱۶ھ)

لاکھوں بلکہ لا انتہا رحمت وسلام، وصلوٰۃ وثناء، رُوح پاک اور تمام آل اصحاب پر، بلکہ تمام اَرواح طیبین وطاہرین، علماء وزہاد فقراء، عباد پر۔ آمین!

تمہید

بعد حمد وصلوٰۃ، بندۂ احقر ذرۂ کم تر، محمد یعقوب نانوتوی (مولانا محمد یعقوب ۱۳/ صفر ۱۲۴۹ھ (۲/ جولائی ۱۸۳۳ء) سہ شنبہ کو تولد ہوئے، والد ماجد اور حضرت شاہ عبد الغنی اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے اور دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی، تعلیم کے بعد اجمیر میں مدرس ہوئے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رڑکی بھیج دیئے گئے۔ ۱۸۵۷ء کے بعد وطن میں قیام کیا، بعد میں جب دار العلوم دیوبند قائم ہوا اس کے ابتدائی بنیادی معاون، سرگرم سرپرست اور صدر مدرس تھے۔ حضرت حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست مبارک پر بیعت ہوئے، خلافت واجازت سے نوازے گئے۔ مولانا محمد یعقوب ہندوستان کے نامور علماء، اہل درس ومعرفت اور ممتاز ترین اصحاب کمال میں سے تھے۔ اہم خطوط، متفرق فتاویٰ ضیاء القلوب (حضرت حاجی امداد اللہ) کا عربی ترجمہ، نیز ایک دو تالیفات تحریری یادگار ہیں، تیرہ سال مدرسہ دیوبند کی خدمت کے بعد، چون سال کی عمر میں، یکم ربیع الاوّل ۱۳۰۲ھ (۲۰/ دسمبر ۱۸۸۴ء) شب دوشنبہ کو اچانک ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی شب میں وفات ہوئی، نانوتہ میں دفن کئے گئے۔ مختصر تعارف کے لئے ملاحظہ ہو: تمہید مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی۔ بنام مولوی محمد قاسم نیانگری، تمہید مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی۔ مؤلفہ ۱۲۹۷ھ طبع اوّل، بتصحیح واہتمام، حکیم امیر احمد (مطبع احمدی، علی گڑھ، ۱۳۲۷ھ) بن مقدام العلماء جناب مولوی مملوک العلی مرحوم نانوتوی (استاذ العلماء مولانا مملوک العلی خلف مولوی احمد علی نانوتوی ۱۲۰۴ھ (۱۷۷۹ء) میں ولادت ہوئی، حضرت مفتی الٰہی بخش کاندھلوی نیز علاقہ کے اور علماء سے تعلیم واستفادہ کے بعد، تعلیم کیلئے

دہلی کا سفر کیا، دہلی میں چند اساتذہ سے ایک دو سبق پڑھے۔ آخر میں مولانا رشید الدین خاں کے حلقہ تلمذ میں داخل ہوئے اور علوم وکمال کی سند حاصل کی، ۱۸۲۵ء (۱۲۴۰ھ) میں دہلی کالج کے آغاز پر، اس کے نائب مدرس اوّل مقرر ہوئے، بعد میں صدر مدرس ہو گئے تھے، دونوں عہدوں پر تقریباً چھبیس سال فائز رہے، اسی ملازمت وخدمت پر وفات ہوئی۔

مولانا کی چند تالیفات اور ترجمے علمی یادگار ہیں، جس میں اہم ترین علمی دینی کارنامہ سنن ترمذی کے عربی متن کی تصحیح اور سنن ترمذی کا اُردو ترجمہ تھا، اس کے علاوہ اقلیدس کے چار مقالات کا ترجمہ، تاریخ یمینی کی تصحیح اور حاشیہ، (مسعودی کی مشہور کتاب مروج الذہب کی تلخیص) کتاب المختار فی الاخبار والآثار بھی مولانا کی یادگار ہیں۔ مولانا کا دوسرا سب سے بڑا دینی کارنامہ، ان شاگردوں کی تربیت اور تیاری ہے، جو بعد میں برصغیر کے اُفق پر آفتاب و ماہتاب بن کر چمکے، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم کے علاوہ، مولانا محمد یعقوب نانوتوی، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ، مولانا محمد مظہر وغیرہ شامل ہیں۔ مولانا کے شاگردوں میں سرسید احمد کو بھی شامل کیا جاتا ہے، جو صحیح نہیں۔

مولانا مملوک العلی تریسٹھ سال کی عمر میں یرقان کے مرض میں مبتلا ہوئے، جیسا کہ خود مولانا محمد یعقوب نے صراحت کی ہے اور ایک ہفتہ کی بیماری کے بعد ۱۱/ ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ (۷/ اکتوبر ۱۸۵۱ء) کو وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے ملاحظہ ہو: تذکرہ استاذ العلماء مولانا مملوک العلی نانوتوی۔ تالیف: راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی [کاندھلہ: ۱۴۳۰ھ۔ ۲۰۰۹ء]

عرض رساں خدمت احباب ہے کہ آپ صاحبوں نے احقر سے فرمایا تھا کہ جو کچھ حال وسوانح عمری حضرت مخدوم ومکرم جناب مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم (کی) یاد آویں، مناسب ہے کہ بذیل تحریر جمع ہو جاویں (کہ) ہم لوگوں کو تذکرہ اور آئندہ کے لئے یادگار رہے۔ آپ لوگوں کے اَمر کی اجابت واجب سمجھ کر، باوجود قلت فرصت، مختصر مختصر جو جو یاد آتا ہے، لکھتا ہوں۔

آغاز سوانح اور حضرت مولانا کی تاریخ ولادت

مولانا احقر سے چند ماہ بڑے تھے، ان کی پیدائش شعبان یا رمضان سَن بارہ سو

اڑتالیس ہے۔﴿ صحیح تاریخ ولادت: مولانا یعقوب نے یہاں حضرت مولانا کی تاریخ ولادت، شعبان یا رمضان ۱۲۴۸ھ (جنوری، فروری ۱۸۳۳ء) لکھی ہے مگر مولانا کی بیاض میں حضرت مولانا کی ولادت شوال ۱۲۴۸ھ (مارچ ۱۸۳۳ء) میں لکھی ہوئی ہے۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۲ (طبع اوّل تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء) اگر چہ بیاض کا یہ اندراج مولانا محمد یعقوب کے قلم سے نہیں ہے، بخط دیگر ہے، مگر بیاض میں اس اندراج سے پہلے اور بعد کی اطلاعات، خود مولانا کے اپنے قلم سے لکھی ہوئی ہیں اس سے ظاہر ہے یہ اطلاع مولانا کی ہدایت وصراحت بلکہ اِملاء کے مطابق لکھی گئی ہوگی اور چوں کہ بعد کی تحقیق واطلاع زیادہ معتبر اور صحیح ہونی چاہئے، نیز مولانا کی بیاض کا یہ اندراج بھی، مولانا یعقوب صاحب کی زندگی کے آخر دِنوں (تقریباً ۱۳۰۰ھ) کا لکھا ہے، اس لئے حضرت مولانا محمد قاسم کی تاریخ ولادت کی یہی، متأخر اطلاع زیادہ صحیح معلوم ہوتی ہے ﴾ اور نام تاریخی خورشید حسین اور بندہ کی پیدائش صفر کی تیرہویں سَن بارہ سو اُنچاس ہے اور نام تاریخی ''منظور احمد'' ﴿ بیاض یعقوبی میں مولانا محمد یعقوب نے اپنے دو تاریخی نام اور لکھے ہیں: غلام حسنین اور شمس الضحیٰ۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۱ (طبع اوّل، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء ﴾ اور اَحقر کے اور مولوی صاحب کے علاوہ قربِ نسب، بہت سے روابط اتحاد تھے، اور ایک مکتب میں پڑھا، ایک وطن ﴿ محلّہ بھی ایک ہی تھا، جو قصبہ نانوتہ (Nanota) ضلع سہارن پور کی جامع مسجد کے قریب ہے ﴾ ایک نسب ﴿ دونوں کے اجداد ایک ہیں، تفصیل مولانا محمد یعقوب نے لکھ دی ہے، جس کو شجرہ ذیل سے سمجھا جاسکتا ہے:

مولوی ہاشم
شیخ محمد مفتی
شیخ ابوالفتح — شیخ علاؤالدین
حکیم عبداللہ — شیخ محمد بخش
حکیم غلام اشرف — شیخ غلام شاہ
مولوی احمد علی — حافظ لطف علی — شیخ اسد علی

حضرت مولانا مملوک العلی | مولانا محمد مظہر | حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی
مولانا محمد احسن
مولانا محمد منیر

مولانا محمد یعقوب

مستفادہ از مقدمہ مکتوبات مولانا محمد یعقوب نانوتوی، مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی، مؤلفہ ۱۲۹۷ھ (مطبع احمدی علی گڑھ)﴿ہم زلف ہوئے ﴾حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب دونوں کا شیخ کرامت حسین دیوبندی کی بیٹیوں سے نکاح ہوا تھا، مولانا محمد یعقوب کا شعبان ۱۲۶۶ھ میں شیخ کرامت حسین کی چھوٹی دُختر عمدۃ النساء سے نکاح ہوا تھا، ان سے مولانا کی متعدد اولادیں معین الدین، قطب الدین، علاؤ الدین، جلال الدین، فاطمہ اور خدیجہ وغیرہ تولد ہوئیں۔ ۱۴/ رمضان ۱۲۹۴ھ (۲۲/ ستمبر ۱۸۷۷ء) کو جمعہ کی شب میں دیوبند میں وفات ہوئی۔ بیاض یعقوبی ص: ۱۵۱۔ طبع اوّل تھانہ بھون: ۱۳۲۹ھ۔) شیخ کرامت حسین کی دوسری دُختر، جو غالباً عمدۃ النساء سے بڑی تھیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، اس طرح دونوں اصحاب ہم زلف تھے ﴾ایک استاد سے ایک وقت میں علم حاصل کیا۔ ﴿مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے تین اُستاذ مشترک تھے، حضرت مولانا مملوک العلی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارنپوری اور حضرت شاہ عبدالغنی مجددی دہلوی، مہاجر مدنی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ ﴾
اور بعضی کتابیں میں نے مولانا سے (پڑھیں)۔

﴿جب مولانا محمد قاسم تعلیم کے لئے دہلی گئے تھے، مولانا محمد یعقوب اسی وقت، مولانا کے شاگردوں میں شامل ہوگئے تھے، بلکہ یوں کہا جاسکتا ہے کہ مولانا محمد قاسم کے سب سے پہلے شاگرد مولانا محمد یعقوب تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم سے مولانا محمد یعقوب کا تلمذ اور تعلیم کا سلسلہ دیر تک رہا۔ مولانا محمد یعقوب نے تین موقعوں پر اس تلمذ کا ذکر کیا ہے:

الف: مولانا محمد قاسم نے دہلی پہنچ کر کافیہ شروع کی تھی، اور مولانا محمد یعقوب میزان اور گلستان وغیرہ پڑھتے تھے، مولانا مملوک العلی نے جو دونوں کے مربی اور اُستاد تھے۔ مولانا محمد یعقوب سے ابواب اور تعلیلات سننا مولانا محمد قاسم کے سپرد کیا تھا۔ حالات طیب مولانا محمد قاسم

(مرتبہ مولانا محمد یعقوب نانوتوی) ص ۷۔

ب: حضرت مولانا، منشی ممتاز علی کے مطبع مجتبائی میرٹھ میں ملازم تھے، اس زمانہ میں مولانا محمد یعقوب نے، حضرت مولانا محمد قاسم سے صحیح مسلم پڑھی تھی۔ص ۲۲۔

ج: ۱۸۵۷ء کے بعد جب حضرت مولانا دیو بند اور نانوتہ میں فروکش تھے، اس وقت مولانا محمد یعقوب نے، حضرت مولانا سے بخاری شریف کا کچھ حصہ پڑھا تھا۔ص ۲۲ حالات طیب مولانا محمد قاسم (طبع اوّل) ﴾ ایک پیر کے مرید ہوئے، ﴿ حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب دونوں حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، سفر سلوک طے کیا، اور حاجی صاحب کے ممتاز ترین خلفاء میں شمار کئے گئے ﴾ ہم سفر، دو سفر حج کے ﴿ مولانا محمد یعقوب صاحب کو زیارت حرمین کی دو مرتبہ سعادت حاصل ہوئی۔ ۷۸۔۱۲۷۷ھ (۱۸۶۱ء) اور ۹۵۔۱۲۹۴ھ (۷۸۔۱۸۷۷ء) میں، دونوں موقوں پر، حضرت مولانا محمد قاسم مولانا کے ساتھ تھے۔ مولانا محمد یعقوب نے زیر نظر تالیف (حالات طیب مولانا محمد قاسم) کے علاوہ، بیاض یعقوبی میں بھی اس کا ذکر کیا ہے۔ ص: ۱۲۸۔۱۴۲، نیز ۱۵۰، ۱۵۱ (بیاض یعقوبی، طبع اوّل: ۱۹۲۹ء) ﴾ رہے اور ایک زمانہ دراز تلک ساتھ رہے، مگر ان کے کمالات کا اثر ہمارے قصورِ استعداد سے، ہم میں ظاہر نہ ہوا۔

مولانا کے والد ماجد

مولوی صاحب کے والد، شیخ اسد علی صاحب ﴿ شیخ اسد علی (خلف غلام شاہ بن محمد بخش) حضرت مولانا قاسم کے والد ماجد، تعلیم حاصل کرنے کیلئے دہلی گئے تھے، فارسی درسیات مکمل کر لی تھیں [اور مولانا محمد یعقوب کی صراحت کے مطابق] شاہنامہ فردوسی بھی پڑھا تھا۔ مگر مزید تعلیم کا موقع نہیں ہوا، وطن میں پوری زندگی گزاری، نیک طینت، سادہ مزاج شخص تھے۔

شروع میں حضرت مولانا محمد قاسم کے استغناء، ترک دنیا اور مال و جاہ سے بے تعلقی کی وجہ سے، مولانا سے ناخوش رہتے تھے، مگر حضرت حاجی امداد اللہ کی بار بار ہدایت اور مولانا کے مقام و مرتبہ سے یہ کیفیت ختم ہو گئی تھی، آخر میں حضرت مولانا سے نہایت خوش تھے۔

شیخ اسد علی کی اسہال کے مرض میں مبتلا ہو کر (۲۴ مئی ۱۸۷۴ء) کو دیو بند میں وفات

ہوئی، تکیہ دیوان لطف اللہ میں دفن کئے گئے۔ یہ وہ جگہ ہے جو دارالعلوم کی نئی مسجد، جامع رشید کے صدر دروازہ کے برابر واقع ہے، اس کے صحن میں مائل بہ جنوب، مشرقی گوشہ میں، شیخ اسد علی کا مدفن ہے۔ چند سال پہلے تک اس قبر پر کتبہ نصب تھا، جس کو راقم سطور نے بارہا دیکھا ہے اور پروفیسر محمد اسلم صاحب [لاہور] نے بھی، اپنے مضامین اور سفر نامۂ ہند میں، اس کا ذکر کیا ہے اور اس کے کتبہ کی عبارت بھی نقل کی ہے، جو یہ تھی:

مزار اقدس حضرت شیخ اسد علی رحمۃ اللہ علیہ

والد ماجد، حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ التوفی: ۱۲۹۰ھ/۱۸۷۳ء"

سفر نامہ ہند ص: ۳۰۰ (لاہور: ۱۹۹۵ء)

مگر کتبہ پر سن وفات کندہ کرنے میں غلطی ہوئی صحیح تاریخ وہ ہے جو اُوپر گذری، یہ تاریخ حضرت مولانا محمد قاسم کے خطوط میں درج ہے، اس لئے یہی صحیح اور درست ہے۔ افسوس کہ یہ کتبہ ختم کردیا گیا﴾ ہر چند جناب والد مرحوم کے ساتھ دہلی گئے تھے اور شاہنامہ ﴿فردوسی کی شہرۂ آفاق اور سدا بہار یادگار، شاہ نامہ فردوسی ایسا بے مثال اُدبی کارنامہ ہے، جس نے پوری متمدن دنیا کو متاثر کیا ہے، ادبیات عالم میں اس کا ممتاز ترین مقام ہمیشہ سے محفوظ ہے۔ فارسی اُدب کے محقق و مؤرخ رضا زادہ شفق کہتے ہیں:

"فردوسی سے پہلے کا کوئی شاعر، نہ اس کے بعد کا کوئی شاعر، اس کی برابری کرسکا ہے"

یہی مؤرخ دوسری جگہ کہتا ہے:

"اب تک ایک بھی شاعر سخن پردازی اور بلندی واُستواری کے لحاظ سے اُستاد فردوسی کے مرتبہ کو نہ پہنچ سکا سچ تو یہ ہے کہ شاہ نامہ سرائی فردوسی سے شروع ہوئی اور فردوسی ہی پر ختم ہوئی"۔

تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق۔ اُردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت، ص: ۱۲۷ (دہلی: ۱۹۵۵ء)﴾ وغیرہ [تک] کتابیں پڑھی تھیں، اور اپنے پڑھنے کے زمانے کے ہمارے سامنے حکایات بیان فرمایا کرتے تھے، مگر حال ایسا تھا کہ گویا علم سے کچھ مناسبت نہیں۔ تمام عمر کھیتی کی اور ویسے ہی عادات موٹے [اہل] قصبات کے سے تھے، مگر

نہایت محبت اور اخلاق [والے] اور کنبہ پرور، مہمان نواز، نمازی، پرہیز گار تھے۔

مولانا کے دادا کی تعبیر خواب میں مہارت اور مولانا کے خوابوں کی تعبیر

ان [شیخ اسد علی] کے والد شیخ غلام شاہ [تھے] احقر نے ان کی زیارت کی [ہے] قلیل پڑھے ہوئے تھے، مگر خادم درویشوں کے، ذاکر شاغل تھے، تعبیر خواب میں مشہور تھے۔ جناب مولوی صاحب نے خواب میں دیکھا تھا ایام طفلی میں، کہ گویا میں اللہ جل شانہٗ کی گود میں بیٹھا ہوا ہوں، ان کے دادا نے یہ تعبیر فرمائی کہ:

''تم کو اللہ تعالیٰ علم عطاء فرماوے گا اور نہایت بڑے عالم ہوگے اور نہایت شہرت ہوگی۔''

یہ تعبیر ان کی نہایت درست پڑی۔ ﴿حضرت مولانا نے اسی قسم کا نہایت معنی خیز ایک اور خواب بھی دیکھا تھا، یہ خواب امیر شاہ خورجوی نے حضرت مولانا کے حوالہ سے مفصل نقل کیا ہے۔ دیکھئے: اَرواحِ ثلاثہ، ص۲۲۱﴾ اور میری بہن نے خواب میں دیکھا کہ، ''ایک ترازو چھوٹی (جس سے) لڑکے کھیلا کرتے ہیں، آسمان سے گری ہے اور اس پر ابابیل جانور سیاہ رنگ، بہت لپٹے ہوئے ہیں۔ اگر چھڑاتے ہیں چھوٹتے نہیں،'' سُن کر یوں فرمایا، کہ قحط ہوگا، چنانچہ وہ قحط جس میں باندیاں بک (گئیں) واقع ہوا، غالباً پانچا کال اس کو کہتے تھے۔

حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب کا مشترک نسب

میرا نسب اور مولانا کا، شیخ غلام شاہ کے پردادا میں ملتا ہے۔ اس طرح: محمد قاسم، بن اسد علی، بن غلام شاہ، بن محمد بخش بن علاؤ الدین، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم'' ﴿مولوی محمد ہاشم: حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا مملوک العلی اور متاخر دور کے نانوتہ کے ممتاز و مشہور ترین علماء کے اجداد میں تھے۔ مفتی محمود احمد نانوتوی نے لکھا ہے کہ: ''شیخ محمد ہاشم علم و معرفت کے ایک جلیل القدر شیخ ہوئے ہیں''۔ نسب نامہ صدیقیان، نانوتہ۔ ص:۴ تفصیلات دستیاب نہیں﴾ اور ''محمد یعقوب، بن مملوک العلی، بن احمد علی، بن غلام شرف، بن عبداللہ، بن محمد فتح، بن محمد مفتی، بن عبدالسمیع، بن مولوی محمد ہاشم''۔

﴿حضرت مولانا اور مولانا محمد یعقوب کا محمد فتح سے اُوپر سلسلہ نسب اس طرح ہے:

''محمد فتح بن محمد مفتی، بن محمد ہاشم، بن شاہ محمد، بن قاضی طہٰ، بن مفتی مبارک، بن قاضی جمال الدین، بن قاضی میراں بڑے''۔ بیاض۔ یعقوبی ص:۲ (طبع اوّل) نیز نسب نامہ (صدیقیان نانوتہ) ﴾اور میاں شیخ محمد بخش کے بھائی، شیخ خواجہ بخش میرے والد اور شیخ کرامت حسین دیوبندی کے نانا ہوتے تھے۔

جوانی میں دکن گئے، وہاں نکاح کیا تھا، وہاں ایک بیٹا مولوی محمد ہاشم نام تھا، یہاں اولاد پسری تھی، اس سبب سے میرے والد کے نانا ان کے چچا ہوتے ہیں اور انواع رشتے، جیسے برادرداری میں ہوا کرتے ہیں، باہم مرتبط ہیں''۔ ﴿مولانا محمد یعقوب نے جو رشتے اور تفصیل لکھی ہے، وہ درج ذیل شجرہ سے آسانی سے سمجھ میں آجائے گی﴾

نقشہ شجرہ
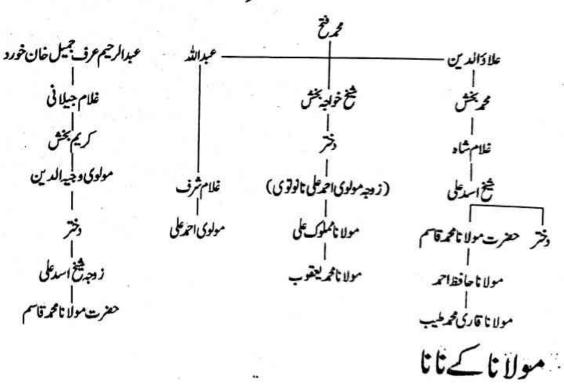
مولانا کے نانا

مولوی صاحب کے نانا مولوی وجیہ الدین صاحب نانوتوی ﴿مولوی وجیہ الدین، بن کریم بخش، بن غلام جیلانی، بن عبدالرحیم، عرف جمیل خاں خورد، مولانا یعقوب نے ان کا جوسنہ وفات لکھا ہے، وہ متعلقہ سنین کی روشنی میں صحیح معلوم نہیں ہوتا، تفصیل (حاشیہ ۳) میں آرہی ہے﴾ فارسی بہت عمدہ، اُردو کے شاعر، کچھ عربی سے آگاہ، بڑے تجربہ کار، پرانے آدمی،

ہنگام آمدنی حکومت انگریزی سہارن پور میں وکیل کمپنی ہوئے اور نہایت عزت و احترام اور تمول سے گزران کی۔ نہایت طباع اور خوش فہم تھے اور چند پشت اُوپر مولوی محمد ہاشم صاحب مرحوم میں، ہمارے نسب جا ملتے ہیں اور آگے نسب، حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ ﴿حضرت قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ مدینہ منورہ میں ۳۷ھ میں ولادت ہوئی، ممتاز ترین تابعین اور مدینہ منورہ کے سات بڑے فقہاء اور اُمت کے سربراہوں میں سے ہیں۔ ابن عیینہ فرماتے تھے کہ قاسم بن محمد اپنے زمانہ کے افضل ترین اصحاب میں سے تھے۔ حضرت قاسم مدینہ منورہ سے حج یا عمرہ ادا کرنے کیلئے، مدینہ منورہ سے مکہ مکرمہ آرہے تھے، راستہ میں قدید کے مقام پر ۱۰۷ھ (۷۲۵ء) میں وفات ہوئی۔ الاعلام خیر الدین زرکلی، ص:۱۸۱، ج ۵۔ طبع رابعہ (بیروت: ۱۹۷۹ء)﴾ میں جا پہنچتا ہے۔

مولوی محمد ہاشم، جداعلیٰ

یہ مولوی محمد ہاشم زمان شاہجہاں ﴿ابوالمظفر شہاب الدین شاہ جہاں خلف جہانگیر، ہندوستان کا نامور ترین بادشاہ، جو اپنے اور کمالات کے علاوہ، خصوصاً تعمیرات کے بے مثال ذوق کیلئے، تاریخ میں ہمیشہ یاد کیا جائے گا۔ عہد حکومت ۱۰۳۷ھ/۱۶۲۸ء سے ۱۰۶۸ھ/۱۶۵۸ء تک تھا﴾ میں مقرب بادشاہی ہوئے اور نانوتہ میں مکان بنائے اور چند دیہات جاگیر تھے، جو تبدل حکومت کے سبب ان کی اولاد کے پاس نہ رہے۔

مولانا کے بھائی بہن اور اُوپر کا سلسلہ

مولوی صاحب کے اُوپر کوئی بھائی نہ تھا، ایک بہن دیوبند میں اب زندہ موجود ہیں اور ان کے والد اور دادا صاحب کے بھی، کوئی بھائی نہ تھا، بھائی پیدا ہوئے مگر لڑکپن میں مر گئے اور چچا جوانی میں مر گئے، اور دادا کے بھائی تھے، وہ کسی لڑائی میں جوان عمر شہید ہوئے اور اُوپر جو بھائی تھے ان کی اولاد پسری یہاں کوئی نہیں (رہی)۔ دکن میں ان کے اولاد ہوئی، بقاعدہ معروف، وہ بھی گویا ایک ہی تھے، غرض کہ چار پشت تلک مولانا منفرد ہوئے۔

مولانا کی فطری اعلیٰ صلاحیتیں

جناب مولوی صاحب، لڑکپن سے ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری چست و چالاک تھے۔ مکتب میں اپنے ساتھیوں سے مدام ﴿مدام: ہمیشہ﴾ اوّل رہتے تھے، قرآن شریف بہت جلد ختم کرلیا، خط اس وقت سب سے اچھا تھا۔ نظم کا شوق اور حوصلہ تھا، اپنے کھیل اور بعضے قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے، چھوٹے چھوٹے رسالے اکثر نقل کئے۔

جناب مخدوم العالم حاجی امداد اللہ صاحب ﴿حضرت حاجی امداد اللہ خلف محمد امین بن شیخ بدھا، فاروقی تھانوی، حضرت حاجی صاحب کی صحیح تاریخ ولادت محقق نہیں۔ شمائم امدادیہ (تالیف حاجی مرتضیٰ خاں قنوجی، طبع اوّل لکھنؤ: ۱۳۱۳ھ ص:۶) نیز امداد المشتاق (ص:۴، طبع اوّل تھانہ بھون، جس کا عکس دہلی سے ڈاکٹر نثار احمد صاحب فاروقی کے مقدمہ کے ساتھ چھپا ہے) وغیرہ سب ہی مآخذ میں ۲۲ صفر ۱۲۳۳ھ بروز دوشنبہ لکھی ہے، مگر اس تاریخ کی صحت میں شبہ ہے، اس کی جنتری سے تصدیق نہیں ہوتی۔ اگر ۲۲/ صفر تاریخ ولادت ہے تو یہ دن صحیح نہیں، پنجشنبہ (مطابق یکم جنوری ۱۸۱۸ء) درست ہوگا اور اگر دن کا اندراج درست ہے تو تاریخ ۱۲/ صفر المظفر مطابق ۲۲ دسمبر ۱۸۱۷ء ہوگی۔ ظفر احمد تاریخی نام ہے۔ والدین نے امداد حسین نام رکھا تھا، جس کو حضرت شاہ محمد اسحاق نے امداد اللہ کر دیا تھا۔

قرآن شریف اپنے شوق سے حفظ کرنا شروع کیا، جو اس وقت پورا نہ ہو سکا۔ کچھ کتابیں فارسی کی اور صرف ونحو پڑھی۔ مولانا رحمت علی تھانوی سے شیخ عبدالحق کی تکمیل الایمان، مولانا عبدالرحیم نانوتوی سے حصن حصین اور فقہ اکبر۔ مولانا سید محمد قلندر جلال آبادی سے مشکوۃ پڑھی، مثنوی مولانا روم مولانا ابوالحسن کاندھلوی اور مولانا عبدالرزاق جھنجھانوی سے اخذ کیں۔ شاہ نصیر الدین سے بیعت ہوئے اور سلسلہ نقشبندیہ میں مجاز بیعت ہوئے، شاہ نصیر الدین کی وفات کے بعد حضرت میانجیو نور محمد کی خدمت میں حاضر ہوئے، میانجیو صاحب نے بھی خلافت سے نوازا، حضرت میانجیو صاحب کے مشہور ترین خلیفہ تصوف کے مجدد اور سلسلہ چشتیہ کے مرجع کل شیخ بلکہ

امام دوراں تھے۔ ۱۸۵۷ء میں انگریز کے خلاف تحریک چلی تو اس میں بھی بھرپور حصہ لیا، اس کی سزا میں اشتہاری مجرم قرار دیئے گئے۔ تاریخ تھانہ بھون، مولوی ناظر حسن تھانوی (مؤلفہ ۱۳۳۱ھ تا ۱۳۳۳ھ ۱۹۱۳ء تا ۱۹۱۵ء) میں صراحت ہے کہ حاجی صاحب کی گرفتاری کے لئے ایک ہزار روپے کے انعام کا اعلان ہوا تھا۔ ص: ۴۴ (نسخۂ مؤلف) جس کی وجہ سے چھپ کر ہندوستان سے نکلے اور مکہ مکرمہ میں ہجرت کی نیت سے قیام فرمایا۔

۱۲ جمادی الاخریٰ ۱۳۱۷ھ (شب چہارشنبہ ۱۸/۱۸ اکتوبر ۱۸۹۹ء) مکہ مکرمہ میں اپنی قیام گاہ پر وفات ہوئی، بدھ کے دن صبح نو بجے، جنت المعلی میں دفن کئے گئے۔

حضرت حاجی صاحب کی متعدد تصانیف بھی ہیں، مگر حاجی صاحب کا سب سے بڑا کارنامہ اور اہم ترین یادگار مسترشدین کی وہ جماعت ہے، جو برصغیر میں نشأۃ اسلام کی علامت اور اپنے عہد کی مرجع اور امام ہے۔ **رحمھم اللّٰہ تعالیٰ رحمۃ الابرار الصالحین وجعلنا معھم** ﷺ سے جو ربط نسب کا تھا، حضرت مخدوم (کی) نانہال (ہمار(ے) خاندان میں تھی، اور بہن ان کی یہاں بیاہی تھی، اکثر نانوتہ تشریف لاتے تھے، ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، اور نہایت محبت واخلاص فرماتے، جزوبندی کتاب کی، حضرت سے ہم دونوں نے سیکھی اور اپنی لکھی ہوئی کتابوں کی جلدیں باندھیں۔

خاندان کے ایک قضیہ کی وجہ سے مولانا کا دیوبند کا سفر

ہمارے وطن میں ایک قضیہ پیش آیا، شیخ تفضل حسین شیعہ مذہب ہو گئے تھے اور ہمارے جائیداد کے شریک تھے، ان سے اور مولوی صاحب کے دادا شیخ غلام شاہ سے دنگا ہوا اور شیخ تفضل حسین مولوی صاحب کے ماموں، میاں فصیح الدین کے ہاتھ سے زخمی ہو کر مر گئے، ہر چند کہ اس مقدمہ میں خیریت رہی۔ اور حاکم کی طرف سے کسی کو کچھ سزا نہ ہوئی، مگر بنا دشمنی کی کچھ پہلے سے تھی، کچھ اب زیادہ ہو (گئی) تب یہ خوف ہوا کہ مبادا کوئی صدمہ مخالفوں کے ہاتھ سے ان کو پہنچے، اس لئے [مولانا محمد قاسم کو] دیوبند بھیج دیا۔

مولوی مہتاب علی دیوبند کے مکتب میں تعلیم کی ابتداء

یہاں مولوی مہتاب علی صاحب ﴿ مولانا مہتاب علی خلف شیخ فتح علی (مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبندی کے بڑے بھائی) شیخ کرامت حسین کے دیوان خانہ میں بچوں کو عربی پڑھاتے تھے، مدرسہ عربی (دارالعلوم) کے لئے حاجی عابد حسین صاحب نے جب چندہ شروع کیا، تو سب سے پہلے مولانا مہتاب علی کے پاس آئے تھے، مولانا نے بارہ روپے چندہ عنایت کیا تھا، مدرسہ قائم ہونے کے وقت سے مدرسہ کے بنیادی اراکین میں تھے، تاحیات مدرسہ کے سرپرست رہے۔ سید محبوب رضوی کی اطلاع کے مطابق ۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۶ء میں وفات ہوئی۔ تاریخ دیوبند ص: ۳۳۱۔۳۳۲ (دیوبند: ۱۹۷۲ء) افسوس ہے کہ مولانا مہتاب علی رحمہ اللہ کے مفصل حالات نہیں ملتے ﴾ کا مکتب تھا، شیخ کرامت حسین مرحوم کے گھر پر شیخ نہال احمد پڑھتے تھے، مولوی صاحب کو انہوں نے عربی شروع کرائی، پھر سہارن پور اپنے نانا کے پاس رہے، وہاں مولوی محمد نواز صاحب سہارن پوری سے کچھ پڑھا، فارسی اور عربی کی کتابیں اوّل کی کچھ حاصل کیں۔ اس زمانہ میں والد مرحوم احقر کے حج کو تشریف لے گئے، احقر ایک برس کامل وطن رہا، حفظ قرآن شریف پورا ہو گیا تھا، مگر صاف نہ تھا، صاف کرتا تھا۔

مولانا کے نانا کی وفات

مولوی صاحب سہارن پور سے وطن آئے اور ان کے نانا کا انتقال، اس سال کے وبائی بخار میں معہ بہت سے لوگوں کے ہو گیا تھا۔

﴿ شیخ وجیہ الدین کا صحیح سن وفات مولانا یعقوب کی تحریر سے محسوس ہوتا ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کے نانا شیخ وجیہ الدین کی وفات ۱۲۵۷ھ میں ہوئی تھی، مولانا مناظر احسن گیلانی نے اس خیال کو مدلل کرنے کی کوشش کی ہے اور اس سنہ کی ۱۸۴۲ء سے مطابقت بھی کی ہے۔ سوانح قاسمی ص: ۲۰۵ جلد اوّل (دیوبند: ۱۳۷۳ھ) مگر یہ خیال صحیح نہیں۔ مولوی وجیہ الدین کی وفات تقریباً محرم ۱۲۶۰ھ (جنوری، فروری ۱۸۴۴ء) میں ہوئی ہوگی، تفصیلات، مولانا کے والد ماجد اور ماموں پر راقم سطور کی تحریر میں ملاحظہ ہوں ﴾ اس زمانہ میں مولوی صاحب کا ساتھ رہا، مولوی

صاحب جیسے پڑھنے میں سب سے بڑھ کر رہتے تھے، ہر کھیل میں خواہ ہوشیاری کا ہو، یا محنت کا، سب سے اوّل اور غالب رہتے تھے۔

کھیلوں میں مہارت اور بے خوفی

خوب یاد ہے کہ اس زمانہ میں ایک جوڑ توڑ نام، ہم کھیلتے تھے اور بہت پرانے مشاق لوگ اس کو عمدہ کھیلتے تھے اور ہم نئے کھیلنے والے مات کھا جاتے تھے، مولوی صاحب نے جب اس کا قاعدہ معلوم کرلیا، پھر یاد نہیں کسی سے مات کھائی ہو، بہت ہوا تو برابر رہے، بلکہ ہر کھیل میں جو رُتبہ کمال کا ہوتا تھا وہاں تلک اس کو پہنچا کر چھوڑتے۔

دروازہ مکان کا ایک دراز کوچہ تھا اور وحشت ناک جگہ تھی اور وہاں آسیب بھی مشہور تھا مگر راتوں کو بہت بہت دیر سے گھر جاتے اور بے تکلف اور کچھ خوف نہ کرتے۔

تعلیم کے لئے مولانا مملوک العلی کے ساتھ دہلی کا پہلا سفر

جب والد مرحوم حج سے تشریف لائے اور وطن آئے، تب مولوی صاحب سے کہا کہ میں تم کو ساتھ لے جاؤں گا۔ بعد اجازت والدہ کے دہلی روانہ ہوئے۔ ذی الحجہ، سن بارہ سو اُنسٹھ کے آخر میں وطن سے چلے اور دوسری محرم سن ساٹھ کو دہلی پہنچے۔

❁ مولانا مملوک العلی کے سفر حج کا جو سنہ مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے وہ مولانا محمد یعقوب کے حوالہ سے بے شمار کتابوں اور مضامین میں نقل ہوا ہے، مگر وہ درست نہیں ہے۔ یہ غلطی شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کا سن صحیح معلوم نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی ہے۔ صحیح یہ ہے کہ حضرت شاہ محمد اسحاق کا سفر ہجرت، ذی قعدہ ۱۲۵۸ھ (دسمبر ۱۸۴۲ء) میں شروع ہوا تھا، شاہ محمد اسحاق کی دہلی سے روانگی کے تقریباً ۹ مہینہ بعد، رجب ۱۲۵۹ھ (اگست ۱۸۴۳ء) میں مولانا مملوک العلی سفر حج کے لئے نکلے تھے رجب ۱۲۶۰ھ [جنوری ۱۸۴۴ء] میں دہلی واپس پہنچے اور ۱۲۶۱ھ [غالباً شوال، اکتوبر ۱۸۴۵ء) میں مولانا محمد قاسم مولانا مملوک العلی کے ساتھ تعلیم کے لئے دہلی آئے۔ شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی صحیح تاریخ کی تحقیق ان قطعات تاریخی سے ہوتی ہے جو مولانا نواب قطب الدین نے احکام العیدین (ترجمہ فضائل عشر ذی الحجہ شاہ محمد اسحاق) کے آغاز میں

نقل کئے ہیں۔ میر ظہور علی ظہور کا قطعہ تاریخ بالکل واضح ہے:

مولوی اسحاق صاحب با کمال ترک خانہ کردہ سفر کے کعبہ رفت

سال تاریخ چنیں گفتہ ظہور یک ہزار و دو صد و پنجاہ وہشت

(۱۲۵۸ھ)

دوسری بطور تخرجہ تاریخ خواجہ احسن نے لکھی تھی:

مولوی اسحاق صاحب فخر دیں تھا منور شہر جس کے نام سے

کر گئے ہجرت مع اہل و عیال سوئے کعبہ شوق کے احرام سے

سچ تو یوں ہے جو کہ احسن نے کہا شہر خالی ہوگیا اسلام سے

احکام العیدین ص: ۴ (مطبع نول کشور لکھنؤ: ۱۲۹۰)

شاہ محمد اسحاق کے سفر ہجرت کی ایک اور تاریخ مؤمن خاں مؤمن کی ہے، جو مؤمن کے فارسی دیوان میں ہے۔ دیوان فارسی ص: ۱۴۱ (طبع اوّل، مطبع سلطانی، دہلی: ۱۲۷۰ھ) مگر اس کے اعداد کے حساب میں عموماً غلطی ہوتی ہے، اس میں لطیف تخرجہ ہے، اس کے صحیح اعداد بھی ۱۲۵۸ھ ہی ہوتے ہیں (مؤمن کا فارسی دیوان عموماً ناپید سمجھا جاتا ہے مگر اس کا عمدہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں ہے) اس تاریخ کا دوسرا ناقابل تردید ثبوت یہ ہے کہ بیاض مولانا احمد علی محدث سہارنپوری میں مولانا مملوک العلی کی سفر حج کیلئے روانگی کی تاریخ خود مولانا احمد علی کے قلم سے ۲۶ رجب ۱۲۵۹ھ/۱۸۴۴ء۔ لکھی ہوئی ہے اور یہ بھی صراحت ہے، کہ میں اس سفر میں مولانا مملوک العلی کا ہمرکاب ہوں۔ ان تصریحات کے بعد کسی اور حوالہ کی ضرورت نہیں۔ بیاض حضرت مولانا احمد علی محدث (مملوکہ راقم سطور) ﴾ چوتھی کو سبق شروع ہوئے، مولوی صاحب نے کافیہ شروع کیا اور احقر نے میزان ﴿ میزان الصرف، عربی صرف (ETYMOLOGY) کی مشہور عالم تصنیف، جو تقریباً تین سو سال سے برصغیر کے عربی کے تعلیمی نظام کا بنیادی پتھر ہے، آج تک، کوئی اور کتاب اس کی جگہ نہیں لے سکی۔ اس مفید کتاب کے مصنف کے متعلق حتمی طور سے کچھ کہنا مشکل ہے: مختلف روایتیں ہیں، میزان کے ساتھ شامل ایک اور کتاب منشعب کے مصنف کی تعیین

کی جاتی ہے، مگر یہ بھی تقریباً طے ہے کہ میزان اور منشعب دونوں علیحدہ مصنفین کی یادگار ہیں، رحمہم اللہ﴾ اور گلستان۔ ﴿گلستاں فارسی ادب کا شہرۂ آفاق بے مثال اور ناقابل تقلید کارنامہ، جو شیخ سعدی شیرازی ولادت غالباً ۶۰۹ھ وفات: ۶۹۱ھ (۱۲۹۲ء) کی لافانی یادگار ہے (مؤلفہ ۶۵۶ھ) ڈاکٹر رضازادہ شفق نے لکھا ہے: ''آنے والی نسلوں نے سعدی کا جتنا اثر قبول کیا، دنیا میں ان کی جتنی شہرت ہوئی اور مشرقی اور خاص کر ایرانی ادبیات پر انہوں نے جو اثر ڈالا، ان سب چیزوں کا ذکر اس مختصر سی کتاب میں ممکن نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ایران کے بے شمار عالموں اور دنیا بھر کے فاضلوں نے اُستاد کی بزرگی کے اعتراف میں گونا گوں عنوانوں کے تحت عقیدت کے پھول پیش کئے ہیں اور بڑے بڑے شاعروں نے انہیں خراج تحسین ادا کیا ہے''۔

تاریخ ادبیات ایران از ڈاکٹر رضازاد شفق۔ اُردو ترجمہ سید مبارز الدین رفعت ص: ۳۳۳ (دہلی: ۱۹۵۵ء)﴾ والد مرحوم نے میرے ابواب کا سننا اور تعلیلات کا پوچھنا ان کے سپرد کیا تھا۔ اور ہر جمعہ کی رات کو چھٹی ہوتی تھی، صیغوں اور ترکیبوں کا پوچھنا معمول تھا۔ یاد ہے کہ مولوی صاحب سب میں عمدہ رہتے تھے۔

ہم عمر طلبہ سے علمی مباحثوں میں امتیاز اور تعلیم میں تیز رفتار ترقی

اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب ﴿مولانا نوازش علی دہلی کے ایک بڑے عالم اور مدرس تھے، علماء دہلی سے تعلیم حاصل کی، حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حدیث پڑھی اور پوری زندگی درس، تعلیم اور وعظ وارشاد میں گذاری، مولانا کی درس گاہ، مدرسہ مولوی نوازش علی دہلی کے علمی حلقوں میں مشہور تھا، مولانا مملوک العلی کا گھر اس کے قریب ہی تھا، اس مدرسہ میں طلبہ بھرے رہتے تھے، مولانا محمد یعقوب نے لکھا ہے:

''اسی زمانہ میں ہمارے مکان سے قریب مولوی نوازش علی صاحب کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا تھا''۔ (حالات طیب مولانا محمد قاسم، ص ۷)

سرسید احمد اور مولانا الطاف حسین حالی نے مولانا نوازش علی سے تعلیم حاصل کی تھی، سرسید احمد مولانا نوازش علی کو اپنے ساتھ رہتک لے گئے تھے، اس وقت حالی کی اطلاع کے مطابق کثیر

طالب علم (جو مولانا کے شاگرد تھے) تعلیم مکمل کرنے کے لئے مولانا نوازش علی کے ساتھ تھے، ان کے اخراجات کا سر سید احمد نے ذمہ لیا تھا۔ مولانا کا وعظ مؤثر ہوتا تھا، اور دہلی میں بہت مقبول تھا، پیش نظر آخذ میں سن وفات درج نہیں۔ لیکن مولانا ذوالفقار علی سارنگ پوری نے جو آخر وقت میں مولانا نوازش علی کی خدمت میں گئے تھے اور ان کے جنازہ میں موجود تھے لکھا ہے کہ مولانا مکہ مکرمہ میں ۱۲۷۹ھ [۱۸۶۳ء] میں مکہ مکرمہ میں وفات ہوئی، تفصیلات کیلئے راقم کا مضمون ملاحظہ ہو۔

مولانا نوازش علی صاحب کے تعارف اور ۱۸۵۷ء میں مولانا کی باہمت شرکت و جہاد کی معلومات کیلئے دیکھئے: راقم سطور نور الحسن راشد کاندھلوی کا مضمون: "دہلی کے ایک نامور عالم اور تحریک ۱۸۵۷ء کے ایک مجاہد مولانا نوازش علی دہلوی مہاجر مکی، ماہ نامہ تہذیب الاخلاق، علی گڑھ، دسمبر ۲۰۰۴ء)

ملاحظہ ہو: آثار الصنادید سر سید احمد ص: ۲۷ باب چہارم (نول کشور لکھنؤ ۱۹۰۰ء)

حیات جاوید، حالی۔ ص: ۴۶، حصہ اوّل، ص: ۴۰۸، ۴۵۰، حصہ دوم (انجمن ترقی اردو ہند دہلی: ۱۹۳۹ء) ﴾ کی مسجد میں مجمع طالب علموں کا تھا۔

ان سے پوچھ پاچھ اور بحث شروع ہوئی، مولوی صاحب کی جب باری آئی سب پر غالب آئے، اور جب گفتگو ہوتی اس میں مولوی صاحب کو غلبہ ہوتا، بلکہ ہم میں سے جو کوئی مغلوب معلوم ہوتا، مولوی صاحب سے مدد چاہتا یا مولوی صاحب خود اس کو مدد دیتے، پھر تو مولوی صاحب ایسا چلے کہ کسی کو ساتھ ہونے کی گنجائش نہ رہی یہ معقول (کی) مشکل کتابیں۔ زواہد ﴿ میر زاہد قطب الدین رازی کی شرح شمیہ معروف بہ قطبی کا حاشیہ

میر زاہد بن محمد اسلم حسینی ہروی: میر زاہد کے والد کابل سے ہندوستان آئے، یہاں کے علماء اور زعماء میں ممتاز تھے، میر زاہد ہندوستان میں پیدا ہوئے اور علم و کمال خصوصاً معقولات کی مہارت، درس اور تصانیف نیز سرکاری عہدوں میں فخر اقران ہوئے، آخر میں کابل میں شاہی روزنامچہ نویس کی خدمت پر مامور ہوئے، وہیں ۱۱۰۱ھ میں وفات ہوئی، یہ سن غلام علی آزاد بلگرامی نے مآثر الکرام (ص: ۲۰۹ طبع اوّل، آگرہ: ۱۳۲۸ء) میں میر زاہد کے بیٹے کے حوالہ سے نقل کیا ہے، یہی معروف اور معتمد ہے، الزرکلی نے بھی یہی نقل کیا ہے۔ الاعلام ص: ۶۵، ج ۷ (بیروت: ۱۹۷۹ء)

میر زاہد کی معقولات کی تصانیف نے برصغیر کی علمی فضا اور معقولات کی تعلیم کو بہت متاثر کیا ہے، اس کے گہرے اثرات آج تک بعض حلقوں میں صاف دیکھے جاسکتے ہیں۔

معقولات کی دنیا میں میر زاہد کی تصانیف میں سے تین کتابیں سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہیں: حاشیہ شرح تہذیب جلال الدین دوانی، حاشیہ تصور وتصدیق قطب الدین رازی، اور حاشیہ شرح مواقف، جو پرانے دور میں علماء اور درسی حلقوں میں زواہد ثلاثہ کے نام سے مشہور تھیں۔ مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ: میر زاہد کی ان کتابوں کے ساتھ، نظامی مولویوں کے والہانہ شغف کا یہ حال تھا کہ جب تک ان تینوں، یا ان میں سے کسی ایک کتاب پر اپنا خاص حاشیہ مولوی نہ لکھتا تھا، مستند مولویوں میں شمار نہیں ہوتا تھا۔ (حاشیہ سوانح قاسمی ص:۲۸۹، ج:۲) مولانا نانوتوی کے اسباق میں غالباً میر زاہد کی شرح رازی شامل ہوگی ﴾ قاضی ﴿ قاضی مبارک برشرح قطبی از میر زاہد۔ قاضی مبارک خلف قاضی محمد دائم گوپاموی، قاضی قطب الدین گوپاموی سے پڑھا، شیخ صفت اللہ محدث خیرآبادی سے اجازت حدیث حاصل کی، معقولات میں فخر زماں تھے، قاضی مبارک نے میر زاہد کی تینوں کتابوں پر حاشیے لکھے۔ یہاں بھی بظاہر حاشیہ **قاضی علی حاشیہ میر زاھد علی الرازی** کا ذکر ہے۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے: نزہۃ الخواطر ص:۲۴۹، ج:۶ (حیدرآباد: ۱۳۹۸ھ) ﴾، صدرا ﴿ صدر الدین محمد بن ابراہیم شیرازی (وفات: ۱۰۵۹ھ۔ ۱۶۴۹ء) الاعلام زرکلی، ص:۳۰۳، ج ۵۔ ہدایۃ الحکمۃ ابہری کی شرح لکھی تھی، جو صدرا کے نام سے مشہور ہے، یہ کتاب پچاس سال پہلے تک درس نظامی میں شامل اور برصغیر ہند پاکستان کے اکثر علماء کے یہاں اور مدرسوں میں داخل درس تھی ﴾، شمس بازغہ ﴿ شمس بازغہ علامہ ملا محمود کی شہرۂ آفاق تالیف ہے۔ محمود بن محمد فاروقی جون پوری، ۹۹۳ھ میں جون پور میں پیدا ہوئے۔ حافظہ، ذہانت اور ذکاوت میں برصغیر کے چند منتخب ترین علماء میں سے تھے۔ شیخ افضل جونپوری سے تعلیم حاصل کی۔ فطری غیر معمولی صلاحیت اور علمی مہارت وکمال کی وجہ سے سترہ سال کی عمر میں، علمی حیثیت میں ممتاز شمار کئے جاتے تھے۔ مولانا ملا محمود کی متعدد تصانیف ہیں: جس میں سے شمس بازغہ کو غیر معمولی مقبولیت وپذیرائی حاصل ہوئی، ۹ ربیع الاوّل ۱۰۶۲ھ (فروری ۱۶۵۱ء)

کو جون پور میں وفات ہوئی۔ مآثر الکرام، علامہ غلام علی آزاد بلگرامی ص: ۲۰۲،۲۰۳، (طبع اوّل: آگرہ)﴾ ایسا پڑھا کرتے تھے جیسے حافظ منزل سناتا ہے۔ کہیں کہیں کوئی لفظ فرماتے جاتے اور ترجمہ تلک نہ کرتے، والد مرحوم کے بعض شاگردوں نے کہا بھی کہ حضرت یہ تو کچھ سمجھتے نہیں معلوم ہوتے۔ جناب والد مرحوم نے فرمایا کہ میرے سامنے طالب علم بے سمجھے چل نہیں سکتا اور واقعی ان کے سامنے بے سمجھے چلنا مشکل تھا، وہ طرز عبارت سے سمجھ لیتے تھے کہ یہ مطلب سمجھا ہوا ہے یا نہیں!

اور یہی حال جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی ﴿حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی خلف مولانا ہدایت احمد بن پیر بخش انصاری ایوبی رام پوری ثم گنگوہی۔ ۶ ذیقعدہ ۱۲۴۴ھ (۱۱ رمئی ۱۸۲۹ء) میں ولادت ہوئی، ابتدائی تعلیم وطن میں اور دہلی میں مولانا احمد الدین پنجابی سے حاصل کی۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے بچپن سے ہم سبق اور رفیق تھے۔ مولانا مملوک العلی نانوتوی اور شاہ عبدالغنی کے شاگرد تھے۔ تعلیم کے بعد سہارن پور میں نواب شائستہ خاں کے قلعہ میں مختصر وقت کے لئے ملازمت کی تھی، اس کے علاوہ پوری زندگی خدمت دین، تعلیم وارشاد، درس حدیث، فقہ وافتاء اور اصلاح وتربیت میں مشغول بسر فرمائی۔ برصغیر کے دینی علمی ترقی اور دین صحیح کی ترویج وترقی میں، مولانا کا مقام اور خدمات کی تاریخ طویل اور غیر معمولی ہے۔ خصوصاً فہم حدیث میں، مولانا اپنے اقران سے بلا شک وشبہ فائق بلکہ بہت ممتاز تھے، حضرت مولانا کے شاگرد اور خلفاء بھی چندے آفتاب چندے ماہتاب تھے، حضرت مولانا کے نہ علمی کمال کی حد ہے، نہ ان کے اثرات ومنافع کی۔

متعدد تالیفات فتاویٰ حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کے فوائد وافادات غیر معمولی یادگار ہیں حضرت مولانا کے فتاویٰ کا ایک مجموعہ جو مولوی عزیز الدین مرادآبادی نے مرتب کیا تھا جو چھوٹے تین حصوں میں چھپا تھا، اب عموماً ایک جلد میں ہے، حضرت مولانا کے ایسے فتاویٰ کا جواب تک چھپے نہیں تھے، راقم سطور نورالحسن راشد کاندھلوی نے باقیات فتاویٰ رشیدیہ کے نام سے مرتب کیا ہے۔ جو ایک ہزار جوابات وفتاویٰ پر مشتمل ہے۔ جس پر سو صفحات کا ایک مفصل مقدمہ بھی شائع ہو چکا ہے۔ صحیح بخاری شریف اور سنن ترمذی کے درسی افادات **لامع الدراری علی صحیح البخاری**

اور الکوکب الدری علی جامع الترمذی وغیرہ بار بار چھپے ہیں اور شہرۂ آفاق ہیں۔

حضرت مولانا کی، تقریباً بیاسی سال کی عمر میں ۹ جمادی الاخری ۱۳۲۳ھ (۱۱/اگست ۱۹۰۵ء) کو جمعہ کے دن وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الرشید مولانا عاشق الٰہی میرٹھی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ ﴾ سلمہ اللہ تعالیٰ کا تھا۔ مولوی صاحب سے اسی زمانہ سے دوستی اور ہم سبقی رہی۔

شاہ عبدالغنی سے حدیث کا درس اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت

حدیث خدمت میں جناب شاہ عبدالغنی صاحب ﴿حضرت شاہ عبدالغنی مجددی بن ابی سعید فاروقی مجددی دہلوی، حضرت مجدد الف ثانی کی اولاد اور کاملین کے خاندان اور گھرانہ میں، شعبان ۱۲۲۴ھ (۱۸۰۹ء) میں تولد ہوئے ۱۲۴۹ھ [۱۸۳۴ء] میں سفر حج کیا، وہاں بڑے محدثین شیخ عابد سندھی اور شیخ اسماعیل سے حدیث پڑھی، ہندوستان واپسی کے بعد حضرت شاہ محمد اسحاق کے حلقہ درس سے وابستہ ہوئے، شاہ اسحاق سے اجازت حدیث حاصل کی، تمام زندگی حدیث کی خدمت میں گزار دی، اتباع سنت میں درجۂ کمال حاصل تھا۔ سرسید احمد کا مشاہدہ ہے کہ:

"اس قدر اتباع سنت اختیار کیا ہے کہ اگر آپ کو زمین کے رہنے والے محی السنۃ وقامع البدعۃ کہہ کر پکاریں، تو بجا ہے"۔ (آثار الصنادید، ص:۱۷، باب چہارم)

حضرت شاہ عبدالغنی کا لافانی کارنامہ، جو پوری دنیا کے لئے مینارۂ نور بنا ہوا ہے، خدمت ودرس حدیث کا وہ متواتر سلسلہ ہے، جو ہندوستان اور (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ میں یکساں جوش وخروش اور استقامت کے ساتھ جاری رہا، ہندوستان کے علاوہ عرب ملکوں خصوصاً حجاز اور مراکش وغیرہ میں شاہ صاحب کے شاگرد ہزاروں کی تعداد میں تھے اور بلا تامل کہا جاسکتا ہے کہ عرب ملکوں کے طلباء حدیث اور علمائے کرام نے اس دور کے، کسی اور ہندوستانی عالم سے اس قدر استفادہ نہیں کیا اور اس کی اجازت وسند حدیث کو اس درجہ لائق وتوجہ نہیں سمجھا، جس قدر کہ حضرت شاہ عبدالغنی کی سند واجازت کو، ہند اور حجاز دونوں جگہ حضرت شاہ عبدالغنی سے اجازت وسند کو بڑا اعزاز سمجھا جاتا تھا۔

حضرت شاہ عبدالغنی نے ۱۸۵۷ء میں انگریزوں کے تسلط کے بعد، اس ملک کو دار الحرب سمجھتے ہوئے، ہندوستان سے ہجرت فرمائی ۱۲۷۴ھ (۱۸۵۷-۵۸ء) میں سفر حرمین شریفین کے

لئے روانہ ہوگئے تھے۔ حج کے بعد مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور اس خاک پاک کو آنکھوں کا سرمہ بنا لیا اور اس مٹی کو اس طرح سینہ سے لگایا کہ ۷ محرم الحرام ۱۲۹۶ھ [۳۱ دسمبر ۱۸۷۸ء] کو وہیں رحلت ہوئی، وہیں دفن کئے گئے۔ جزاہ اللہ عنا و عن المسلمین خیر الجزاء۔

اکابر علمائے دیوبند و مظاہر علوم سہارن پور نے، حضرت شاہ محمد اسحاق کے بعد شاہ عبدالغنی کا دامن پکڑا، حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد مظہر، مولانا محمد یعقوب وغیرہ متعدد اکابر علماء نے، شاہ عبدالغنی کی خدمت میں حاضر رہ کر، حدیث شریف پڑھی اور اجازت و سند حاصل کی۔

حضرت مولانا محمد قاسم نے حضرت شاہ عبدالغنی سے کچھ حصہ بخاری کا، صحیح مسلم، سنن ترمذی، مؤطا امام مالک اور تفسیر جلالین پڑھی تھی، حضرت شاہ عبدالغنی نے سند میں ان ہی کتابوں کی صراحت فرمائی ہے (حضرت مولانا محمد قاسم کے لئے حضرت شاہ عبدالغنی کی عطا فرمائی سند کا عکس، سوانح قاسمی، مولانا مناظر احسن گیلانی۔ [حصہ اوّل مابین ص: ۲۶۰، ۲۶۱] میں شامل ہے ﴾ مرحوم کے پڑھی اور اسی زمانہ میں دونوں صاحبوں نے جناب قبلہ حضرت حاجی امداد اللہ صاحب ﴿حضرت حاجی امداد اللہ، خلف محمد امین بن حافظ بدھا فاروقی تھانوی، تعارف گذر گیا ہے ﴾ دام ظلہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔

مدرسہ عربی سرکاری (دِلی کالج) میں داخلہ

والد مرحوم نے مولوی صاحب کو مدرسہ عربی سرکاری ﴿مدرسہ عربی سرکاری، یا مدرسۂ دہلی جو بعد میں دہلی کالج کے نام سے مشہور ہوا، ہندوستان کی تعلیمی ترقی کی راہ کا ایک سنگ میل ہے۔ یہ کالج انگریز انتظامیہ نے دہلی کے علمی خاندانوں کے بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے قائم کیا تھا اور اس کا نام مدرسۂ دہلی مقرر کیا تھا۔ دہلی کالج کے قائم کرنے کی تجویز ۱۸۲۳ء میں کی گئی تھی، جون ۱۸۲۵ء (شوال ۱۲۴۰ھ) میں تعلیمی سال کا افتتاح ہوا، مولانا رشید الدین خاں دہلوی مدرس اوّل اور مولانا مملوک العلی مدرس دوم مقرر ہوئے۔ مولانا رشید الدین خاں کی صحت خراب تھی، اس لئے کالج کے افتتاح کے صرف دو سال بعد، مولانا کی (محرم الحرام ۱۲۴۳ھ/ جولائی، اگست ۱۸۲۷ء میں) وفات ہوگئی تھی، مولانا کی وفات کے بعد مولانا مملوک العلی کالج کے (عملاً) سربراہ رہے۔

مولانا مملوک العلی کی علمی سرپرستی کی وجہ سے، کالج کا علمی معیار بہت اُونچا ہوگیا تھا اور مدرسۂ دہلی کی شہرت وعظمت دُور دُور تک پہنچ گئی تھی، دہلی کالج کا ابتدائی تمام نظام، طریقہ کار اور تعلیمی نصاب مدرسہ کے طرز پر تھا، شوال میں مدرسہ کا افتتاح ہوتا، شعبان میں چھٹی ہوتی، قدیم مدرسوں میں مروّج کتابیں نصاب تعلیم کا بنیادی حصہ تھیں اور معاملات میں بھی مدرسوں کی پیروی کی جاتی تھی، مدرسہ کے افتتاح کے تین سال بعد ۱۸۲۸ء (شوال ۱۲۴۳ھ) انگریزی کے سبق شروع ہوئے جو نصاب تعلیم کا لازمی حصہ نہیں تھے۔ جو طلبہ چاہتے صرف عربی پڑھتے، جو چاہتے عربی انگریزی دونوں سے فائدہ اُٹھاتے، کچھ فقط انگریزی پڑھنے والے بھی تھے۔ یہاں اس حقیقت کا اظہار ضروری ہے کہ مولانا مملوک العلی کی وفات ۱۲۶۷ھ (۱۸۵۱ء) تک تقریباً یہی نظام اور طریقۂ کار رہا، اس میں کوئی بڑی بنیادی تبدیلی نہیں ہوئی تھی۔

مدرسہ دہلی یا دہلی کالج ۱۸۵۷ء تک بڑھتا اور ترقی کرتا رہا ۱۸۵۷ء میں دیہاتیوں کے حملہ میں تباہ و برباد ہوگیا تھا۔ سدا نام رہے اللہ کا۔ مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کے متعلق معلومات کیلئے دیکھیے: مرحوم، دلی کالج تالیف مولوی عبدالحق۔ دہلی کالج، مالک رام اور راقم سطور کی تالیف: استاذ الکل، مولانا مملوک العلی۔) میں داخل کیا اور مدرس ریاضی ﴿مدرس مدرسہ ریاضی: یہ ماسٹر رام چندر (پسر سندر لال ماتھر) دہلوی تھے، تقریباً ۱۸۲۱ء میں پیدا ہوئے، دہلی انگلش سکول میں (جو بعد میں دہلی کالج میں ضم ہوگیا تھا) تعلیم حاصل کی، شروع سے ریاضی سے دلچسپی تھی اور اس میں خاص امتیاز حاصل تھا۔ ماسٹر رام چندر کو تدریسی ذوق، اعلیٰ صلاحیت اور ریاضی سے گہری وابستگی کی وجہ سے، علمی دنیا میں وقعت واحترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ رام چندر کی ریاضی پر کتابوں کی شہرت یورپ تک پہنچی اور اس فن کے ماہرین نے ان کے کمال فن کی داد دی اور ان کی کتابوں کو ہندوستان اور بیرون ہند میں اعزازات سے نوازا گیا اور وہ نصاب میں داخل کی گئیں۔ ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی نے لکھا ہے: ''ان کی سب سے زیادہ مشہور تصنیف جس نے ان کے نام اور قابلیت کو یورپ تک پہنچا دیا وہ تھی ''مسائل کلیات وجزئیات'' (A. TREATISE ON THE PROBEMS OF MAXIMA & MINIMA) اس کتاب کی اشاعت

پر علمی حلقوں میں ایک تہلکہ مچ گیا"۔ (رام چندر، ص ۱۳۶)

ماسٹر رام چندر کی ریاضی پر اور کئی اہم کتابیں چھپیں۔ رام چندر کا عیسائیت کی طرف رجحان ہوگیا تھا، مولانا مملوک العلی کی وفات (۱۲۶۷ھ/ ۱۸۵۱ء) کے نو مہینہ کے بعد، جولائی ۱۸۵۲ء (رمضان ۱۲۶۸ھ) میں ماسٹر رام چندر نے ہندو مذہب چھوڑ کر عیسائیت اختیار کرلی تھی، اس پہلو سے رام چندر کا نہایت متعصب اور دریدہ دہن پادریوں اور اسلام دشمن مصنفین میں شمار ہے۔ ماسٹر رام چندر "۱۱راگست ۱۸۸۰ء (۴ رمضان ۱۲۹۷ھ)" کو آنجہانی ہوگئے۔ مفصل معلومات کیلئے: ماسٹر رام چندر از ڈاکٹر صدیق الرحمٰن قدوائی (دہلی: ۱۹۶۱ء)﴾ کو فرمایا کہ ان کے حال سے متعرض ﴿متعرض نہ ہوجیو، چھیڑ مت کرنا، کچھ مت پوچھنا﴾ نہ ہوجیو، میں ان کو پڑھالوں گا، اور فرمایا کہ تم اقلیدس ﴿اقلیدس، علم ہندسہ (Geometry) جو اپنے بانی کے نام سے موسوم ہے، اقلیدس کی کتاب اس فن کی بنیادی اور عالمی شہرت کی کتاب ہے﴾ خود دیکھ لو، اور قواعد حساب کی مشق کرلو، چند روز میں چرچا ہوا کہ مولوی صاحب سب معمولی مقالے دیکھ چکے اور حساب پورا کرلیا، از بسکہ یہ واقعہ نہایت تعجب انگیز تھا، طلبہ نے پوچھ پاچھ شروع کی، یہ کب عاری تھے، ہر بات کا جواب باصواب تھا، آخر منشی ذکاء اللہ ﴿مولوی منشی، ڈپٹی ذکاء اللہ دہلوی، مؤرخ، ریاضی داں، مترجم اور کثیر تصانیف کے مؤلف ۱۲۴۸ھ (۳۳-۱۸۳۲ء) میں دہلی میں پیدا ہوئے، دہلی کالج میں تعلیم حاصل کی، مولانا مملوک العلی کے شاگرد تھے۔ دہلی کالج میں اُستاد مقرر ہوئے، علمی تحریری خدمات میں مشغول رہے، اُردو کے کثیر التصانیف اہل قلم میں ممتاز گنے جاتے ہیں، بڑی شہرت پائی، تقریباً پونے دوسو تصانیف یادگار ہیں، جس میں تاریخ ہندوستان (چودہ جلدیں) اور تاریخ عروج عہد انگلشیہ ممتاز ہیں، اور تصانیف بھی گراں قدر ہیں۔

مولانا عبدالحیٔ حسنی نے ذکاء اللہ خاں کے ایک مضمون کے حوالہ سے نقل کیا ہے کہ "میں (مولوی ذکاء اللہ) نے باون ہزار صفحات اپنے قلم سے لکھے ہیں" ۷ نومبر ۱۹۱۰ء (ذی قعدہ ۱۳۲۸ھ) کو دہلی میں انتقال ہوا، ملاحظہ ہو:

واقعات دارالحکومت دہلی، از بشیرالدین احمد ص: ۱۷۱ ج ۲ (آگرہ: ۱۹۱۹ء) نیز نزہۃ

الخواطر، مولانا عبدالحی حسنی ص:۱۳۹، ج:۸ (حیدر آباد:۱۴۰۳ھ) تاریخ ادب اُردو: رام بابو سکسینہ ص:۶۲ طبع اول﴾ چند سوال نئے کسی ماسٹر کے بھیجے ہوئے لائے اور وہ نہایت مشکل سوال تھے، ان کے حل کر لینے پر مولانا کی نہایت شہرت ہوئی اور حساب میں کچھ ایسا ہی حال تھا۔ جب امتحان سالانہ کے دن ہوئے، مولوی صاحب امتحان میں شریک نہ ہوئے اور مدرسہ چھوڑ دیا، سب اہل مدرسہ کو علی الخصوص ٹیلر صاحب ﴿ٹیلر صاحب: ٹیلر صاحب کے تعارف سے پہلے ایک غلطی کی، بلکہ حالات طیب مولانا محمد قاسم کی پہلی دوسری طباعتوں کے بعد کی اشاعتوں میں، غیر ضروری اصلاح کی تصحیح لازم ہے۔ حالات طیب مولانا محمد قاسم کی پہلی دوسری دونوں اشاعتوں میں، یہاں ٹیلر صاحب لکھا ہوا ہے، مگر اس لفظ کے صحیح تلفظ یا ٹیلر صاحب کی شخصیت سے ناواقفیت کی وجہ سے، بعد کے سب نسخوں میں یہاں تبدیلی یا اپنے خیال میں تصحیح کی گئی ہے۔ مطبع مجتبائی دہلی: ۱۳۱۱ھ (۹۴-۱۸۹۳ء) کی طباعت میں ''ہیڈ صاحب کو'' چھپا ہوا ہے [ص:۸] مگر اس وضاحت کو شاید ناکافی سمجھتے ہوئے ایک اور اشاعت میں جو اس تذکرہ کا معتبر ترین نسخہ سمجھا جاتا ہے ''ہیڈ ماسٹر'' کر دیا گیا، حالات طیب مولانا محمد قاسم، ص ۷ (مطبع قاسمی دیوبندی، ۱۳۳۳ھ) مگر یہ دونوں اصلاحات بے محل ہیں، طبع اوّل اور اسی وقت کی دوسری طباعت میں ٹیلر صاحب ہے، وہی صحیح ہے۔

ٹیلر صاحب، جوزف ہنری ٹیلر (Joseph Henry Taylor) جس کو جے ایچ ٹیلر (J.H.Taylor) بھی لکھا جاتا ہے، دہلی تعلیمی کمیٹی کے جنرل سکرٹری تھے، مدرسہ دہلی یا دہلی کالج کا منصوبہ ٹیلر صاحب نے پیش کیا تھا، وہی اس کے پہلے پرنسپل مقرر ہوئے تھے، جب اس عہدہ پر مسٹر بتروس (F.Boutros) کا تقرر ہو گیا تو ٹیلر صاحب ہیڈ ماسٹر بنا دیئے گئے۔ ٹیلر صاحب ۱۸۵۷ء تک اسی منصب پر خدمت انجام دیتے رہے۔ دو مرتبہ عارضی پرنسپل بھی مقرر ہوئے، ۱۸۵۷ء میں کالج سے گھر جا رہے تھے، راستہ میں دیہاتی حملہ آوروں نے لاٹھیوں سے پیٹ پیٹ کر ہلاک کر دیا۔ دہلی کالج کے منصوبہ بندی سے تعمیر و ترقی تک ہر اک مرحلہ میں ٹیلر صاحب نے کالج کی رہنمائی کی اور اس کی بہتری کے لئے دن رات کام کیا۔ افسوس ہے دہلی کالج

پر لکھنے والوں نے ٹیلر صاحب کا تفصیلی حال نہیں لکھا۔ ملاحظہ ہو:

الف: مرحوم دہلی کالج مولوی عبدالحق (دہلی: ۱۹۴۵ء)

ب: قدیم دہلی کالج مالک رام (دہلی: ۱۹۷۶ء)﴾

کو کہ اس وقت میں مدرس اوّل انگریزی تھے، نہایت افسوس ہوا۔

مطبع احمدی میں تصحیح کتب کی ملازمت

مولوی صاحب نے مطبع احمدی ﴿مطبع احمدی، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری کے استاد حدیث، مولانا وجیہ الدین سہارن پوری نے نگم بودھ، گھاٹ دہلی پر ایک مطبع قائم کیا تھا، جس کا نام حضرت سید احمد شہید کی نسبت سے مطبع احمدی رکھا تھا۔ مولانا وجیہ الدین کی برکت اور مبارک نام کی نسبت سے، اس مطبع کو ایسا عروج اور ترقی حاصل ہوئی، جو اس دور کے دہلی کے مطابع کی تاریخ میں بے مثال ہے۔

مولانا وجیہ الدین کا مطبع احمدی، ربیع الاوّل ۱۲۶۰ھ (اپریل ۱۸۴۴ء) میں شروع ہوا تھا، اس وقت مولانا احمد علی، حضرت شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں مکہ مکرمہ میں تھے، جب مولانا حجاز سے دہلی واپس آئے تو اس مطبع کی ملکیت مولانا احمد علی کے نام منتقل ہوگئی، مولانا احمد علی کے بھتیجے شیخ ظفر علی اس کے مہتمم بنائے گئے۔ مولانا احمد علی نے اس کو غیر معمولی ترقی دی، اور اس کے ذریعہ سے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کی اشاعت کی بے مثال خدمت انجام فرمائی، خصوصاً بخاری شریف، سنن ترمذی وغیرہ کی محقق و محشی اشاعتیں اس مطبع کا طغرائے امتیاز اور ہندوستان میں خدمت حدیث کا ایک بڑا کارنامہ ہیں۔ مطبع احمدی کی اور مطبوعات بھی کتابت، صحت متن اور عمدہ طباعت کی مثال ہوتی تھیں، بلکہ اس مطبع کی شائع کی ہوئی کئی کتابیں صحت و عمدگی کے لحاظ سے اس درجہ کی ہیں کہ اس کے بعد سے آج تک ان کتابوں کی کوئی طباعت اس شان و معیار کی نہیں ہے۔ مطبع احمدی کے اس دور کی چھپی ہوئی ساٹھ سے زائد کتابیں میری نظر سے گذری ہیں، جو دو تین کے علاوہ سب اسی شان و معیار کی ہیں۔

حضرت مولانا احمد علی اور مطبع احمدی کا بڑا کارنامہ صحیح بخاری کے معتبر و مستند محشی نسخہ کی اشاعت ہے، جس کے آخری پاروں کے حواشی حضرت مولانا محمد قاسم کی یادگار ہیں، نیز صحیح مسلم، مشکوٰۃ، ترمذی وغیرہ کی اعلیٰ درجہ کی تصحیح حاشیہ اور اشاعت، اس مطبع کا ممتاز کارنامہ اور قابل فخر یادگار ہے۔

مولانا احمد علی کا مطبع احمدی ۱۸۵۷ء تک دہلی میں اپنے خاص معیار اور امتیازات کے ساتھ سرگرم رہا، مگر ۱۸۵۷ء کے حالات میں بالکل تباہ و برباد ہو گیا تھا، اس لئے مولانا احمد علی بھی دہلی کا قیام ترک کر کے سہارن پور آ گئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے بعد حالات پُر سکون ہوئے تو مولانا احمد علی کے بیٹے، مولانا حبیب الرحمٰن صاحب نے مطبع احمدی کو دوبارہ شروع کیا، اس مرتبہ یہ مطبع میرٹھ میں قائم کیا گیا تھا، اگرچہ اس دور میں بھی تقریباً بیس سال تک کام کرتا رہا، مگر پہلے جیسی بات پھر پیدا نہیں ہوئی۔

مولانا احمد علی کے مطبع احمدی کی دینی علمی ادبی خدمات، اس کے کارناموں اور مطبوعات کا تعارف بلکہ کتاب کا موضوع ہے، سب معلومات بفضلہٖ تعالیٰ فراہم کر لی گئی ہیں، ان شاء اللہ کسی وقت کتابی صورت میں پیش کی جائیں گی ﴾ میں تصحیح کتب کی کچھ مزدوری کر لی اور کتابیں معمول کی تمام کر چکے تھے۔ حدیث، خدمت میں شاہ عبدالغنی صاحب (کے) پوری کی۔ ﴿شاہ عبدالغنی مجددی کا تعارف حاشیہ: ۲، پہلے گزر گیا ہے﴾

مولانا مملوک العلی کے مرض وفات میں، مولانا کی خدمت، مولانا کی وفات اور مولانا محمد قاسم کا مولانا کے مکان پر قیام

اس عرصہ میں والد مرحوم کا گیارہویں ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ کو بمرض یرقان، قبل السابع انتقال ہو گیا۔ ﴿۱۱رذی الحجہ ۱۲۶۷ھ/ مطابق ۷راکتوبر ۱۸۵۱ء قبل السابع، ساتویں گھڑی سے پہلے رات کا تقریباً درمیانی وقت﴾ ایام مرض والد مرحوم کے ممتد نہ تھے، گیارہ روز کل مرض رہا، مگر چار پانچ روز بہت غفلت اور کرب رہا، لخلخہ سنگھا(نا) ﴿لخلخہ: وہ دوا جو تقویت دماغ کے واسطے ترکیب دے کر بنائی جاتی ہے، کئی خوشبوؤں کا مجموعہ جسے ملا کر سونگھتے ہیں، مولوی سید احمد دہلوی نے اس کے استعمال کی مثال میں یہ شعر لکھے ہیں:

نالے مجھ بلبل کے سن کر، غش ہوا تھا باغ میں　　نکہت گل نے سنگھایا لخلخہ صیاد کو

(نواب بیگم)

کرتی ہے صبا آ کے کبھی غالیہ بیزی　　کرتی نسیم آ کے کبھی لخلخہ سائی

(ذوق)

فرہنگ آصفیہ ص:۱۸۴، ج۴ (دہلی:۱۹۷۴ء)﴾ پنکھا کرنا ہر وقت تھا، ہم سو جاتے تھے اور مولوی صاحب برابر بیٹھے رہتے تھے۔ بعد انتقال مولانا والد مرحوم کے، احقر اپنے مکان مملوک میں، جو چیلوں کے کوچہ ﴿کوچہ چیلان پرانی دہلی کا بہت بڑا محلہ اور مشہور علاقہ ہے﴾ میں تھا جا رہا، مولوی صاحب بھی میرے پاس آ رہے۔

مزاج کی سادگی

کوٹھے پر ایک جھلنگا ﴿جھلنگا: ٹوٹی پھوٹی ایسی چارپائی جس کے بان ٹوٹ کر لٹک گئے ہوں۔ دیکھئے: فرہنگ آصفیہ، ص۳۷، ج۲ (دہلی:۱۹۷۹ء)﴾ پڑا ہوا تھا، اس پر پڑے رہتے تھے، روٹی کبھی پکوا لیتے تھے اور کئی کئی وقت تلک اسے ہی کھا لیتے تھے، میرے پاس آدمی روٹی پکانے والا نوکر تھا، اس کو یہ کہہ رکھا تھا کہ جب مولوی صاحب کھانا کھاویں، سالن دے دیا کرو، مگر بدقت کبھی اس کے اصرار پر لے لیتے تھے، ورنہ وہی رُوکھا سوکھا ٹکڑا چبا کر پڑ رہتے تھے۔ ایک برس دن کے قریب، بعد انتقال والد مرحوم احقر دہلی رہا، پھر نوکری اجمیر کے ﴿**ملازمت اجمیر**: مولانا محمد یعقوب نے خود یہ صراحت فرمائی کہ وہ مولانا مملوک العلی کی وفات [ذی الحجہ ۱۲۶۷ھ اکتوبر ۱۸۵۱ء] کے ایک سال بعد، غالباً ۱۲۶۸ھ کے آخر میں یا شروع ۱۲۶۹ھ [۵۳-۱۸۵۲ء] میں اجمیر گئے، اجمیر میں سرکاری مدرسہ میں عربی کے مدرس تھے۔ مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا اس عہدہ پر وقار و احترام کے ساتھ رہے، مولانا کی عمدہ قابلیت کی وجہ سے کالج کے پرنسپل نے، مولانا کے لئے ڈپٹی کلکٹر کے عہدہ کی سفارش کی تھی، مگر مولانا نے اس ملازمت کو پسند نہیں فرمایا تھا۔ تین سال اجمیر میں رہے، اجمیر سے بنارس تبادلہ ہوا، بنارس سے رُڑکی آئے، رُڑکی کے قیام کے زمانہ میں ۱۸۵۷ء کی

جدوجہد شروع ہوگئی تھی، اس وقت ملازمت سے یکسو ہو کر وطن آگئے تھے۔ ملاحظہ ہو: تمہید بیاض یعقوبی، مرتبہ حکیم امیر احمد عشرتی نانوتوی، ص ۵ (طبع اوّل: تھانہ بھون ۱۹۲۹ء) ﴾ سبب دہلی چھوٹی اور مولوی صاحب سے جدائی پیش آئی۔

مدرسہ دار البقاء اور مطبع احمدی میں قیام اور حاشیہ بخاری شریف کی تکمیل

مولوی صاحب چند روز اسی مکان میں تنہا رہے پھر چھاپہ خانہ ﴿ چھاپہ خانہ، مطبع احمدی جو نگم بودھ کے راستہ پر تھا، مولانا وجیہ الدین کی چھاپی ہوئی ایک کتاب ”رسالہ مظہر الحق، نواب قطب الدین خاں“ مطبوعہ ۱۲۶۵ھ (۱۸۴۹ء) کے ٹائٹل پر لکھا ہوا ہے:

”بہ مطبع احمدی، باہتمام شیخ وجیہ الدین، بگذر نگم بودھ، شاہ جہاں آباد میں چھپا“۔

(یہ نسخہ ہمارے ذخیرہ میں موجود ہے۔) اس مطبع کا مفصل تعارف، حاشیہ.........../ص......

...... پر گذر گیا ہے ﴾ میں جا رہے، پھر دار البقاء ﴿ **مدرسہ دار البقاء**: جامع مسجد کے جنوبی سمت میں ایک پرانا مدرسہ تھا، جس کو شاہ جہاں نے جامع مسجد کے ساتھ بنوایا تھا، مگر یہ مدرسہ آخر عہد مغلیہ میں بے توجہی کی وجہ سے کھنڈر ہوگیا تھا، مولانا مفتی صدر الدین آزردہ نے اس کی تجدید مرمت کرا کر، مدرسہ کو پھر زندہ کیا، تعلیم کے لئے مدرس رکھے اور مدرسہ میں مقیم طلبہ کے اخراجات اور کھانے پینے کی ذمہ داری لی۔ مدرسہ دار البقاء اس وقت سے ۱۸۵۷ء تک مفتی صاحب کی سرپرستی میں کامیابی سے چلتا رہا۔ ۱۸۵۷ء کے بعد جب پوری دہلی کی اینٹ سے اینٹ بج گئی تھی، مدرسہ دار البقاء کہاں بچتا۔ مدرسہ دار البقاء ویران ہی نہیں ہوا بلکہ ۱۸۵۷ء کے بعد جب انگریزوں نے دہلی کو صاف ستھرا کرنے کی مہم چلائی، اس وقت مدرسہ دار البقاء کو منہدم کر کے زمین کے برابر کر دیا تھا، یہ مدرسہ جامع مسجد کے آخری جنوبی کونہ سے ملا ہوا تھا، اس مدرسہ کا ایک کنواں تھا، جس کا حضرت مولانا گنگوہی نے اپنے فتاویٰ میں ذکر کیا ہے۔ یہ کنواں تقریباً ۱۹۷۷ء تک موجود تھا، راقم سطور نے دیکھا ہے۔ اب یہاں سے چاوڑی بازار سے آنے والی سڑک گزرتی ہے اور کچھ حصہ پر پارک ہے، وکان امر اللہ قدراً مقدوراً۔ مدرسہ دار البقاء کے تعارف کے لئے دیکھئے: آثار الصنادید سرسید احمد باب سوم ص ۲۳ [نول کشور لکھنؤ

۱۳۱۸ھ]) ﴾ میں چند روز رہے، اس زمانہ میں جناب مولوی صاحب، مولوی احمد علی صاحب سہارن پوری ﴿ حضرت مولانا احمد علی کا تعارف افسوس ہے کمپوزنگ کی غلطی کی وجہ سے رہ گیا۔ (وفات: ۱۲۹۷ھ) ﴾ نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کے پانچ چھ سپارہ آخر کے باقی تھے، مولوی صاحب کے سپرد کیا ﴿ **تکملہ حاشیہ صحیح بخاری۔**

حضرت مولانا احمد علی محدث نے صحیح بخاری کی دقت نظر سے تصحیح فرمائی تھی، اور اس پر مختصر لیکن نہایت جامع اور اعلیٰ درجہ کا حاشیہ لکھا تھا، جو عمدہ محققانہ شرح کے قائم مقام ہے۔ حضرت مولانا نے اپنے عالی مقام استاد، حضرت شاہ محمد اسحاق کی ہدایت اور وصیت کے مطابق، بخاری شریف کی تصحیح اور حواشی کا کام سفر حجاز سے واپس آتے ہی شروع فرمادیا تھا، کام بہت بڑا تھا جو وسیع عالمانہ ژرف نگاہی اور محنت و تحقیق کے علاوہ، اکابر محدثین کے علمی اُصولوں کی پاسداری چاہتا تھا، مولانا احمد علی نے اس کا پورا پورا حق ادا کیا اور قدم بہ قدم ان کی پیروی فرمائی۔

جب بخاری شریف کا اکثر حصہ تصحیح و حواشی کے بعد لائق اشاعت ہوگیا، تو اس کی اشاعت شروع ہوئی، بخاری شریف کے متن اور حواشی کی کتابت بھی نہایت دیر طلب اور صبر آزما خدمت تھی، اس لئے کتابت کا یہ سلسلہ بھی ساتھ ہی ساتھ شروع ہوگیا تھا، ان مراحل کے بعد حضرت مولانا کے ذاتی چھاپہ خانہ، مطبع احمدی دہلی میں ۱۲۶۴ھ (۱۸۴۸ء) میں بخاری شریف کے اس مبارک و مسعود نسخہ کی طباعت شروع ہوئی اور ۱۲۷۰ھ میں اس نسخہ کی طباعت مکمل ہوگئی تھی۔ تصحیح متن اور حاشیہ کی ترتیب آہستہ آہستہ بڑھتی رہی، چونکہ حضرت مولانا احمد علی اس عرصہ میں حدیث شریف کی کئی اور بنیادی کتابوں کی تصحیح کا کام شروع کر چکے تھے، اس لئے (اور غالباً بخاری شریف کا کام جلد پورا کرنے کے خیال سے) بخاری شریف کے حاشیہ اور لکھنے کی خدمت میں حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی شامل فرمالیا اور معروف روایت کے مطابق آخری حصہ کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نے تحریر کیا۔ مگر یہ روایت و اطلاع تحقیق و توجہ طلب ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم کا لکھا ہوا حاشیہ کس قدر ہے اس کی تحقیق نہیں، مولانا محمد یعقوب نے پانچ چھ سپارہ کا حاشیہ ذکر کیا ہے، مگر مولانا محمد یعقوب اس زمانہ میں اجمیر میں قیام فرماتے، اس لئے یہ اطلاع

مولانا کا مشاہدہ اور تحقیق نہیں ہے، اسلئے اس میں مزید غور وفکر کی خاصی گنجائش بلکہ ضرورت ہے۔

برصغیر کے نامور محدث حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم و دامت برکاتہم فرماتے ہیں کہ پانچ چھ سپاروں کے حاشیہ کی بات صحیح معلوم نہیں ہوتی، حواشی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آخر کے تین سپاروں کا حاشیہ ہے، یہ حاشیہ پہلے حاشیہ سے کئی طرح سے مختلف ہے، کتاب المحاربین پارہ: ۲۸، بخاری شریف، ص ۱۰۰۵ (عکس نور محمد اصح المطابع، دہلی) سے آخر کتاب تک اُسلوب تحریر اور منہج تحقیق بدلا ہوا ہے، اس لئے صرف یہی حاشیہ حضرت مولانا قاسم کا لکھا ہوا ہے اور یہ تین سپارے ہیں۔ مزید تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں، راقم نے اس کا کسی قدر وضاحت سے، اپنے ایک علیحدہ مضمون میں ذکر کیا ہے۔ یہاں یہ عرض کر دینا چاہئے کہ حضرت الاستاذ حضرت مولانا محمد یونس صاحب مدظلہم درس حدیث میں شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا کاندھلوی کے جانشین ہیں اور بتیس [اوراب چوالیس] سال سے مدرسہ مظاہر علوم سہارن پور میں بخاری شریف پڑھا رہے ہیں۔ حضرت مولانا کی حدیث شریف میں غیر معمولی مہارت اور بصیرت ونظر اور حضرت کا درس بخاری شریف شہرۂ آفاق ہے ﴿ مولوی صاحب نے اس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اس سے بہتر اور کیا ہوسکتا ہے۔

اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحب کے کمال سے آگاہ نہ تھے، جناب مولوی احمد علی صاحب کو بطور اعتراض کہا تھا کہ "آپ نے یہ کیا کام کیا کہ آخرِ کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کر دیا"؟ اس پر مولوی احمد علی صاحب نے فرمایا تھا کہ: "میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدون سمجھے بوجھے ایسا کروں!" اور پھر مولوی صاحب کا تحشیہ ان کو دکھلایا، جب لوگوں نے جانا اور وہ جگہ بخاری میں سب جا سے مشکل ہے، علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا جو اوّل سے التزام ہے اور اس جا پر اِمام بخاری نے اعتراض مذہب حنفیہ پر کئے ہیں اور ان کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں۔ اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ لے اور سمجھ لے کہ کیسا حاشیہ لکھا ہے اور اس حاشیہ میں یہ بھی التزام تھا کہ کوئی بات بے سند کتاب کے، محض اپنے فہم سے نہ لکھی جاوے۔

جفاکشی اور تنہائی پسندی

جب احقر اجمیر گیا، اس وقت کی اکثر حکایات سُنی سنائی عرض کرتا ہوں، کیوں کہ پانچ برس تلک پھر ملاقات مولوی صاحب سے نہ ہوئی۔ مولوی صاحب اسی مکان میں رہتے اور بعض ایک دو آدمی اور تھے، پھر اتفاق سے سب متفرق ہو گئے اور مولوی صاحب تنہا رہ گئے، مکان مقفل رہتا تھا، رات کو مولوی صاحب کواڑ اُتار کر اندر جاتے تھے اور پھر کواڑ کو درست کر دیتے تھے اور صبح کو کواڑ اُتار کر باہر ہو جاتے تھے اور پھر کواڑ درست کر دیتے تھے، چند ماہ اسی ہو کے ﴿ہو کا مکان: سنسان جگہ جہاں آدمی کو دہشت معلوم دے۔ فرہنگ آصفیہ، ص ۷۰۴، ج ۴، (دہلی: ۱۹۷۴ء)﴾ مکان میں گذر گئے۔

جذب اور خود فراموشی کی ایک کیفیت

جس زمانہ میں مولوی صاحب میرے پاس رہتے تھے، مولوی صاحب کی صورت پر جذب کی حالت برستی تھی، بال سر کے بڑھ گئے تھے، نہ دھونا، نہ (کنگھی) نہ تیل، نہ کترے، نہ درست کئے، عجب صورت تھی۔

مولوی صاحب کو اللہ تعالیٰ نے ایک ہیبت عنایت کی تھی، ان کے سامنے بولنے کا ہر کسی کو حوصلہ نہ تھا، باوجود یہ کہ نہایت خوش مزاج اور عمدہ اخلاق تھے۔ اس لئے میں تو کہہ نہ سکا، ایک اور دوست سے کہلایا، تب بمشکل بال کتروا کر درست کئے اور دُھلوائے، جوئیں بہت ہو گئی تھیں، ان سے نجات ہوئی۔

صبر وضبط اور کم گوئی

مزاج تنہائی پسند تھا، اس لئے کچھ عرض نہ ہو سکتا تھا۔ مولوی صاحب کو اوّل عمر سے اللہ تعالیٰ نے یہ بات عنایت فرمائی تھی اکثر ساکت رہتے اور ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ نہ ہوتا تھا اور باوجود خوش مزاجی اور ظرافت کے ترش رو اور مغموم جیسی صورت (رہتے) اور ان کے حال سے بھلا ہو یا بُرا، نہ کسی کو اطلاع ہوتی، نہ آپ کہتے، یہاں

تلک کہ بیمار بھی اگر ہوتے، تب بھی شدت کے وقت کبھی کسی نے جان لیا تو جان لیا، ورنہ خبر نہ ہوئی اور دوا کرنا تو کہاں؟

تواضع

بعض احباب کی زبانی سنا ہے کہ چھاپہ خانہ میں جناب مولوی احمد علی صاحب کے، جب مولوی صاحب کام کیا کرتے تھے، مدتوں یہ لطیفہ رہا کہ لوگ مولوی کہہ کر پکارتے ہیں اور آپ بولتے نہیں، کوئی نام لے کر پکارتا، خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے، بے تکلف ہر کسی سے رہتے، اب تلک جو شاگرد یا مرید تھے ان سے یارانہ کے طور پر رہتے اور کچھ اپنے لئے صورت تعظیم کی نہ رکھتے۔

معمولی لباس اور خود کو چھپانے کا اہتمام

علماء کے وضع عمامہ یا کرتہ کچھ نہ رکھتے، ایک دن آپ فرماتے تھے کہ "اس علم نے خراب کیا ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا کہ کوئی بھی نہ جانتا" میں کہتا ہوں اس شہرت پر بھی کسی نے کیا جانا، جو کمالات تھے وہ کس قدر تھے، کیا اس میں سے ظاہر ہوئے اور آخر سب کو خاک میں ہی ملا دیا، اپنا کہنا کر دکھایا۔

مسئلہ کبھی نہ بتلاتے، حوالہ کسی پر فرماتے فتویٰ پر نام لکھنا اور مہر کرنا تو در کنار، اَوّل امامت سے بھی گھبراتے، آخر کو اتنا ہوا کہ وطن میں نماز پڑھا دیتے تھے۔

سب سے پہلا وعظ مولانا مظفر حسین کاندھلوی کے ارشاد پر کیا

﴿حضرت مولانا مظفر حسین خلف مولانا محمود بخش صدیقی کاندھلوی ۱۲۲۰ھ (۱۸۰۵ء) میں ولادت ہوئی، گھر پر والد ماجد اور چچا حضرت مفتی الٰہی بخش سے تعلیم حاصل کی، غالباً متوسطات تک تعلیم کے بعد دہلی بھیج دیئے گئے، مدرسہ شاہ محمد اسحاق میں رہے اور حضرت شاہ محمد اسحاق سے اعلیٰ کتابوں تک درسیات مکمل کیں، حدیث شریف بھی شاہ محمد اسحاق سے پڑھی، شاہ محمد اسحاق سے بیعت ہوئے اور شاہ صاحب کے بڑے بھائی شاہ محمد یعقوب سے اصلاح باطن کا سبق لیا، سلوک مکمل کرنے کے بعد شاہ محمد یعقوب نے سلسلہ نقشبندیہ میں اجازت وخلافت سے نوازا۔

حضرت مولانا مظفر حسین اتباع سنت، تقویٰ، خدمت دین اور اپنے کمالات و امتیازات کی وجہ سے، اپنے معاصرین ہی نہیں بلکہ اپنے بڑوں اور اُستادوں کی نگاہ میں بھی محترم اور صاحب مقام تھے۔ حضرت مولانا کی زندگی کا ایک ایک لمحہ دینی جدوجہد میں مصروف گذرا، حضرت مولانا کے وابستگان اور مستفیدین کا بڑا وسیع سلسلہ تھا، جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل تھے، حضرت مولانا مظفر حسین کی خدمت میں حاضر رہنے سے، حضرت مولانا محمد قاسم پر گہرا اثر ہوا، وہ اتباع سنت کے رنگ میں رنگ گئے تھے۔ سرسید احمد نے مولانا محمد قاسم کی وفات پر جو تعزیتی مضمون لکھا تھا، اس میں تحریر ہے کہ: ''ان (مولانا محمد قاسم) کو جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی کی صحبت نے اتباع سنت پر بہت زیادہ راغب کردیا تھا''۔

(سرسید احمد کی تعزیتی تحریریں، ص:۱۴، مرتبہ اصغر عباس، علی گڑھ: ۱۹۸۹ء)

مولانا محمد قاسم کی عملی خدمات میں بھی، مولانا محمد مظفر حسین کے رنگ کی خاص جھلک نظر آتی ہے۔ مولانا قاسم کی نکاح بیوگان کی تحریک بھی مولانا مظفر حسین کی خدمات کا پرتو تھا دوسری خدمات بھی حضرت مولانا مظفر حسین کی تربیت کے ثمرات تھے۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

حضرت مولانا محمد قاسم کا پہلا وعظ بھی مولانا مظفر حسین کی ہدایت پر ہوا تھا، مولانا مظفر حسین نے بیٹھ کر سنا اور تحسین فرمائی، ہمارے یہاں خاندانی روایت یہ ہے کہ حضرت مولانا محمد قاسم کا یہ سب سے پہلا وعظ حضرت مولانا مظفر حسین کے مکان (واقع محلہ مولویان، کاندھلہ) میں ہوا تھا۔ مولانا مظفر حسین کی خدمات و کمالات کا تذکرہ ایک مستقل کتاب کا موضوع ہے۔

حضرت مولانا نے سات حج کیے، ایک سفر میں حضرت مولانا محمد قاسم بھی ساتھ تھے، آخری سفر میں (جو خاندانی روایات کے مطابق ہجرت کی نیت سے ہوا تھا) اسہال میں مبتلا ہو کر ۱۰ر محرم ۱۲۸۳ھ (۲۵ مئی ۱۸۶۶ء) کو جمعہ کے دن مدینہ منورہ میں وفات ہوئی، حضرت سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے قدموں میں دفن کیے گئے۔

چند اور معلومات کے لئے دیکھئے: حالات مشائخ کاندھلہ، مولانا احتشام الحسن کاندھلوی۔ ص ۲۷ تا ۵۰) ﴿ وعظ بھی نہ کہتے تھے، جناب مولوی مظفر حسین صاحب مرحوم کاندھلوی نے، اوّل وعظ کہلوایا اور خود بھی بیٹھ کر سنا اور بہت خوش ہوئے۔

مولانا مظفر حسین کاندھلوی کا تقویٰ اور اتباعِ سنت میں بلند مقام

جناب مولوی مظفر حسین صاحب کاندھلوی، اس آخری زمانہ میں قدماء کے نمونہ تھے۔ تقویٰ، اللہ اکبر! ایسا تھا اور اس سے وہ نسبت پیدا تھی کہ مشتبہ چیز اگر معدہ میں پہنچ گئی تو اسی وقت قے ہو جاتی تھی اور اتباعِ سنت نہ ایسا دیکھا اور نہ ایسا سنا، سبحان اللہ!

بیواؤں کے نکاح کی بناء ان اطراف میں اوّل میں ان سے ہوئی، اور والد مرحوم نے اس کو نہایت خوب صورتی سے اجراء فرمایا، اور ان دونوں بزرگ واروں کے قدم قدم، حضرت مولانا نے اس کو پورا شائع کیا۔ یہ اجر ان صاحبوں کے نامۂ اعمال میں تا قیامت رہے گا اور ایک یہ کیا، ہزاروں دین کی باتیں ایسی ہی کیں۔

مولانا کی، حضرت مولانا مظفر حسین سے نیاز مندی اور عقیدت طالب علمی کے وقت سے تھی

جناب مولوی مظفر حسین صاحب کی خدمت میں اس زمانہ سے نیاز تھا، جب کہ حضرت مولوی صاحب دہلی تشریف لاتے تو والد مرحوم کے پاس ہمارے مکان میں فروکش ہوتے اور والد مرحوم جب وطن جاتے کاندھلہ ہو کر جاتے، جب وطن سے ہٹتے ﴿ہٹتے۔ لوٹتے، واپس آتے﴾ کاندھلہ ٹھہر کر دہلی روانہ ہوتے۔ ﴿دونوں حضرات کی باہمی محبت، دوستانہ قریبی تعلقات، بے تکلفی اور سادگی کے احوال، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نقل فرمایا کرتے تھے۔ ایک مجلس میں فرمایا:

”دہلی سے نانوتہ جاتے ہوئے راستہ میں کاندھلہ پڑتا تھا، مولانا مظفر حسین صاحب نے ان سے کہہ رکھا تھا کہ کاندھلہ میں مل کر جایا کرو، مولانا مملوک العلی صاحب نے یہ کہہ دیا تھا کہ تکلف نہ کرنا، صرف ملنے کے لئے کچھ دیر ٹھہر جایا کروں گا۔ چنانچہ گاڑی راستہ ہی میں چھوڑ کر ملنے آتے۔ مولانا اوّل یہ پوچھتے کہ کھانا کھا چکے یا کھاؤ گے؟ اگر کہا کہ کھا چکا تو پھر کچھ نہیں۔ اگر نہ کھائے ہوئے ہوتے تو کہہ دیتے کہ میں کھاؤں گا، تو پوچھتے کہ رکھا ہوا لادوں، یا تازہ پکوادوں؟ چنانچہ ایک بار یہ

فرمایا کہ رکھا ہوا لا دو! اس وقت ایک دفعہ صرف کھچڑی کی کھرچن تھی، اس کو لے آئے اور کہا کہ رکھی ہوئی تو یہی تھی، انہوں نے کہا کہ بس یہی رکھ دو۔ پھر جب رخصت ہوتے تو مولانا مظفر حسین صاحب ان کو گاڑی تک پہنچانے جاتے، یہ ہمیشہ کا معمول تھا۔ (حسن العزیز (مجموعہ ملفوظات) ص:۴۹۰، ج:۱، ملفوظ:۴۹۵ نیز قصص الاکابر ص:۳۲، طبع اوّل، ماہ نامہ الہادی، دہلی، رمضان:۱۳۶۵ھ)

حضرت حاجی امداد اللہ سے تعارف

اور یہی حال جناب حاجی امداد اللہ صاحب سے تھا، تھانہ بھون میں آتے جاتے ملاقات کر کے آتے یا وہاں مقام ہی ہوتا، سبحان اللہ کیا جلسہ تھا، پیر محمد والی مسجد (مسجد شاہ پیر محمد والی، تھانہ بھون کی پرانی تاریخی روحانی مسجد ہے، یہ مسجد شیخ احمد نے اورنگ زیب عالمگیر کے عہد میں ۱۱۱۴ھ میں (۱۷۰۲ء) تعمیر کرائی تھی (یہی سنہ شاہ ولی اللہ کا سنہ ولادت ہے) قطعۂ تاریخ کا کتبہ نصب ہے:

بعہد شاہ عالمگیر احمد شیخ مسجد ساخت اگر پرسند تاریخش بگو عاکف کہ احمد ساخت

یہ مسجد تھانہ بھون کے نامور علماء اور مشائخ کرام کا مسکن و مدفن رہی، سب سے پہلے یہاں شیخ صادق گنگوہی (وفات ۱۰۵۱ھ) کے خلیفہ شیخ پیر محمد تھانوی نے قیام کیا، ان کے نام کی نسبت سے مسجد پیر محمد والی کہی جاتی ہے، حضرت علامہ قاضی محمد اعلیٰ تھانوی، مؤلف کشاف اصطلاحات الفنون کا مدفن، اس مسجد سے ملحق قبرستان میں تھا، جو اَب مسجد کے احاطہ میں ہے۔ حضرت حاجی امداد اللہ، حافظ محمد ضامن شہید، حضرت مولانا شیخ محمد تھانوی، حضرت مولانا اشرف علی تھانوی، رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرہ سب نے اللہ اللہ کے لئے اسی مسجد کو پسند کیا اور یہیں قیام فرمایا۔ مسجد خانقاہ امدادیہ کے نام سے مشہور ہے) میں وہ گلزار تھا کہ شب و روز سوائے ذکر اور قال اللہ وقال الرسول کچھ اور دھندا نہ تھا۔ آخر شب میں ذکر جہر کا یہ رنگ ہوتا کہ غافل بھی جاگ اُٹھتے اور توفیق ذکر اللہ کی پاتے، غرض کہ یہ آنا جانا اور ملاقاتیں، ان صاحبوں کی خدمت میں نیاز (کے) سبب ظاہر ہوئی، ورنہ جو لکھا ہوا تھا وہ ہر طرح ہونا تھا۔

نکاح، توکل اور سخاوت

مولوی صاحب نکاح نہ کرتے تھے اور جناب بھائی اسد علی صاحب (بھائی اسد

علی، والد ماجد حضرت مولانا محمد قاسم کا تعارف گذر گیا ہے﴾ حضرت والد کو ادھر تو ترک نوکری اور اختیار درویشی کا رَنج تھا اُدھر یہ فکر ہوا [کہ] دیو بند رشتہ کیا تھا، آخر جناب حاجی امداد اللہ صاحب کی خدمت میں عرض کیا، حضرت کے فرمانے سے نکاح پر راضی ہو گئے، مگر یہ شرط کی کہ: "تمام عمر زوجہ کے نفقہ اور اولاد کی پرورش کے لئے، کچھ کمالانے کے مجھ سے متقاضی نہ ہوں"۔

بے چاروں نے ناچار یہ شرط قبول کی، نکاح ہو گیا۔ ﴿اہلیہ مولانا محمد قاسم: شیخ کرامت حسین دیو بندی کی بڑی صاحبزادی تھیں، چھوٹی دختر عمدۃ النساء کا، مولانا محمد یعقوب نانوتوی سے نکاح ہوا تھا۔ بڑی بہن اُم رحم صاحبہ مولانا محمد قاسم سے منسوب تھیں، مگر ان کا نکاح غالباً بہت دیر سے ۱۲۷۰ھ (۱۸۵۳ء) کے قریب ہوا تھا، حضرت مولانا محمد قاسم کی ان سے دس اولادیں ہوئیں۔ تفصیل کے لئے دیکھئے: سوانح قاسمی ص۵۰۴، ج:۱۔

حضرت مولانا محمد قاسم کی اہلیہ نے طویل عمر پائی، حضرت مولانا کی وفات کے تقریباً اُنتالیس سال بعد، ذی الحجہ ۱۳۳۶ھ (ستمبر ۱۹۱۸ء) میں دیو بند میں وفات ہوئی، دیکھئے، ماہنامہ القاسم دیو بند: محرم ۱۳۲۷ھ (۱۹۰۸ء) ص۶)﴾ اب نوکری آپ نے اگر کی تو کیا کی، کسی چھاپہ خانہ ﴿حضرت مولانا نے تین مطابع میں کتابوں کی تصحیح اور حاشیہ وغیرہ لکھنے کی ملازمت کی، سب سے پہلے مطبع احمدی دہلی میں، جو مولانا احمد علی محدث کا پریس تھا۔

دوسرے مطبع مجتبائی دہلی اور میرٹھ دونوں میں جس کے مالک منشی ممتاز علی صاحب "نزہت رقم" حضرت مولانا کے خاص نیاز مند اور معتقد تھے، تیسری ملازمت شیخ ہاشم علی میرٹھی کے مطبع ہاشمی کی تھی۔ حضرت مولانا تینوں مطابع سے مصحح کی حیثیت سے وابستہ رہے۔ حضرت مولانا کے خطوط سے اندازہ ہوتا ہے کہ ۹۲۔۱۲۹۱ھ (۷۵۔۱۸۷۴ء) میں بھی، دہلی میں ایک مطبع کے کام کی وجہ سے رہنا ہوا تھا، یہ کون سا مطبع تھا منشی ممتاز علی کا مجتبائی تھا یا کوئی اور مطبع تھا؟ صراحت نہیں ملی﴾ میں چار پانچ روپئے کی تصحیح کی خدمت قبول کی اور پھر مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت بھی، بھلا کیا بچتا کہ گھر دیتے۔

مولانا کی اہلیہ کی مہمان نوازی اور فیاضی

بلکہ جب وطن آتے اور یہاں مہمان آتے، والدین کو دشواری ہوتی، تب یہ کیا کہ بی بی کا زیور اس کی اجازت سے بیچ کر صرف کر دیا۔ وہ ایسی تابعدار تھیں کہ والدین کی خدمت میں جو مشقت اُٹھائی، مولوی صاحب کی مزاج داری ان کو علاوہ برآں ہوئی اور والدین کی رضا کے لئے جب ناخوش ہوتے، تو ان کو ہی کچھ کہہ لیتے، آخر میں ان کے بڑے شکر گذار رہے اور اللہ جل شانہٗ نے بہت کچھ عنایت فرمایا، جو کچھ فتوح ہوتی ان کے حوالے کر دیتے۔ وہ اللہ کی بندی (خدا اسلامت رکھے) ایسی سخی اور دست کشادہ ہے کہ جناب مولوی صاحب کی مہمان داری کو اسی کے باعث رونق تھی، کبھی یاد نہیں کہ کسی وقت کوئی آ گیا ہو اور گھر میں کھانا نہ ملا ہو، بلکہ خود فرماتے کہ ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے، جو میں قصد کرتا ہوں وہ مہمان نوازی میں اس سے بڑھ کر کرتی ہے۔

مہمانوں کے چاولوں اور گھی کی فراوانی

چاول نانوتہ میں بہت پیدا ہوتے ہیں، مہمانوں سے فرماتے کہ ہم نے تمہارے لئے چاول پکانے میں تکلف نہیں کیا، بلکہ ہمارے گھر [کی] آمدنی اراضی کے یہی چاول ہوتے ہیں، وہی تمہارے آگے پکا کر رکھ دیتے ہیں۔ اور مہمانوں کے کھلانے میں مولوی صاحب کو کچھ دریغ نہ ہوتا تھا، ایک بار دستر خوان پر کھچڑی کے ساتھ بہت سا گھی آیا، دس پندرہ آدمی تھے، جناب مولوی رشید احمد صاحب رحمہ اللہ نے فرمایا کہ اتنا گھی یہ فضول ہے، اس میں سے آدھا رکھ لیا اور آدھا گھر بھیج دیا۔ ایک بار مہمانوں کی کسی سواری کے لئے دانے کی ضرورت تھی، چنے نہ ملے کہ دانہ دَل کر دیویں، گھر میں کابلی چنے رکھے ہوئے تھے وہی دَلوا کر دانہ دے دیا۔ مہمان نوازی مولوی صاحب پر ختم ہے۔

مولانا کے بچپن کا ایک خواب اور اس کی تعبیر

مجھے یاد ہے کہ مولوی صاحب نے لڑکپن میں ایک خواب دیکھا تھا، اس کی تعبیر

یہی تھی ۔ یوں دیکھا تھا کہ میں مر گیا ہوں اور لوگ مجھے دفن کر آئے، تب قبر میں حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کچھ نگیں سامنے رکھے اور کہا یہ اعمال تمہارے ہیں، ان میں سے ایک نگیں بہت خوش نما اور کلاں ہے۔

اس کو فرمایا کہ یہ عمل حضرت ابراہیم خلیل اللہ کا ہے۔ ایام طالب علمی میں مولوی صاحب نے ایک اور خواب دیکھا تھا، کہ میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ میں سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں، جناب والد مرحوم سے ذکر کیا، انہوں نے فرمایا کہ تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا۔

مولانا رحمہ اللہ کے والد کو مولانا کے توکل اور استغناء سے فکر اور دُعا کی خواہش

جس زمانہ میں نکاح ہوا اور والد کو یہ خیال تھا کہ ابناء زمانہ کی طرح جب فکر ہوگا، آپ نوکری کر ہی لیں گے اور بعد گذرنے کتنی مدت کے کچھ نہ کیا، تب مایوس ہو گئے اور ان کو اس اَمر کا بہت رنج تھا کہ اور بھائی پڑھ کر نوکر ہو گئے، کوئی پچاس [کا] کا کوئی سو کا، کوئی کم، کوئی زیادہ [سب] خوش وخرم ہیں اور ان کا حال ویسا ہی ہے اور آمدنی اراضی کی مکتفی ﴿یعنی زمین کی آمدنی سے گھر کا خرچ اور ضرورتیں پوری نہیں ہوتی تھیں۔ آمدنی کم تھی اور خرچ زیادہ ہوتا تھا، ایسے حالات میں شیخ اسد علی کا یہ خیال کرنا کچھ بے جا بھی نہیں تھا، لیکن قدرت کے راز پنہاں وہی جانے﴾ خرچ کو نہ ہوتی تھی، جناب حاجی امداد اللہ صاحب مدظلہ سے شکایت کی کہ: "بھائی میرے تو یہی ایک بیٹا تھا اور مجھے کیا کچھ اُمیدیں تھیں کچھ کماتا تو ہمارا یہ افلاس دُور ہو جاتا، تم نے اسے خدا جانے کیا کر دیا، کہ یہ نہ کچھ کماوے نہ نوکری کرے"۔

حضرت اس وقت تو ہنس کر چپ ہو رہے، پھر کہلا بھیجا کہ یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سو پچاس والے سب اس کی خادمی کریں گے اور ایسی شہرت ہوگی کہ اسی کا نام ہر طرف پکارا جائے گا اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو؟ خدا تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ

دے گا کہ ان نوکروں سے یہ اچھا رہے گا۔

جناب بھائی اسد علی صاحب کی ہی زندگی میں اللہ تعالیٰ نے وسعت دی اور مولوی صاحب سے بہت خوش، انہوں نے انتقال کیا اور تصدیق اس پیشین گوئی کی اپنی آنکھ دیکھ گئے۔ قدر مریدوں کی پیر پہچانے اور جو ایسی نظر رکھے وہی جانے۔

حضرت حاجی امداد اللہ کی نگاہ میں مولانا کی قدر و منزلت

حضرت نے آخر میں ضیاء القلوب کی چند سطر، ان دونوں صاحبوں کی تعریف میں (لکھی) ہیں ﴿''ضیاء القلوب'' میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد اور مولانا محمد قاسم کا ذکر بہت اُونچے الفاظ میں کیا ہے، جو یہ ہیں: ''ونیز ہر کس کہ ازیں فقیر محبت و عقیدت و ارادت دارد مولوی رشید احمد سلمہ راو مولوی محمد قاسم سلمہ راکہ جامع جمیع کمالات علوم ظاہری و باطنی اند، بجائے من فقیر راقم اوراق بلکہ بمدراج از من فوق شمارند اگر چہ بہ ظاہر معاملہ برعکس شد کہ و اوشاں بجائے من و من بمقام اوشاں شدم، وصحبت اوشاں راغنیمت دانند کہ ایں چنیں کسان دریں زماں نایاب اند'' ضیاء القلوب ص: ۶۰ فارسی۔ (طبع اوّل، مجتبائی، دہلی: ۱۲۸۴ھ)

نیز ہر وہ شخص کہ اس فقیر (حاجی امداد اللہ) سے محبت و عقیدت رکھتا ہے مولوی رشید احمد کو اور مولوی محمد قاسم کو جو تمام ظاہری اور باطنی کمالات کے جامع ہیں، مجھ فقیر راقم اوراق (حاجی امداد اللہ) کی جگہ، بلکہ مرتبہ میں مجھ سے بدر جہا بلند سمجھیں۔ اگر چہ دیکھنے میں معاملہ اس کا اُلٹا ہو گیا کہ وہ لوگ میری جگہ اور میں ان کی جگہ ہوں۔ ان صاحبان کی صحبت اور ملاقات کو غنیمت سمجھیں، کیونکہ اس طرح کے اشخاص اس زمانہ میں نایاب ہیں﴾ نہایت درست ہیں۔

یوں حضرت نے اپنی کسر نفسی کو کام فرمایا ہے، مگر اظہار مرتبہ ان دونوں صاحبوں کا اس سے منظور ہے اور خود اُحقر سے ارشاد فرمایا تھا، اوّل حج میں جب حاضر خدمت ہوا تھا، کہ مولوی رشید احمد صاحب میں اور مجھ میں کچھ فرق نہیں، لوگوں کو یہاں آنے کی کیا ضرورت ہے اور مولوی محمد قاسم صاحب کو فرمایا تھا کہ: ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے''۔

حضرت مولانا کی تحریر وتقریر محفوظ رکھنے کی حضرت حاجی صاحب کی ہدایت

اور اللہ تعالیٰ نے اس کمال پر یہ ضبط عنایت فرمایا تھا کہ کبھی کوئی کلمہ خودستائی کا، یا کسی طرح کوئی صورت رعونت یا خود بینی کی، خلوت وجلوت، تنہائی، مجمع، اپنے بیگانوں میں کبھی ظاہر نہیں ہوتی تھی۔ اب اس سفر میں حضرت حاجی صاحب نے فرمایا تھا کہ: "مولوی صاحب کی تحریر وتقریر کو محفوظ رکھا کرو اور غنیمت جانو"۔

ہائے افسوس! یہ خبر نہ تھی کہ اس کے یہ معنی ہیں اور یہ واقعہ یوں اچانک آجائے گا، چند بار شدت مرض ہو کر اللہ تعالیٰ نے شفا دی تھی، اب کی بار بھی وہی خیال باندھ رکھا تھا، کیا کیجئے، جو باتیں رہ گئیں رہ گئیں، اب سوائے افسوس کے کیا ہوسکتا ہے، جو تحریریں ناتمام رہ گئیں، اب بھلا کون ان کو تمام کرسکتا ہے، اور جن میں کچھ نقصان ہوگیا، ان کی تکمیل کی کیا صورت ہوسکتی ہے؟

اولاد نہ ہونے سے والد کا تکدر اور اولاد کی تفصیل

بعد نکاح، والد اکثر مکدر رہتے تھے اور آرزو کرتے تھے کہ کوئی پوتا ہوتا، تو اس سے اُمید نسل جاری ہونے کی بندھتی، اوّل کئی لڑکیاں ہوئیں، جن میں سے دو زندہ اَب ہیں، ایک بزرگ نے کہا کہ تم یہ آرزو کرتے ہو اور مولوی صاحب کو ناخوش رکھتے ہوں، ان کو مکدر نہ کرو، اللہ تعالیٰ تم کو بھی خوش کرے گا۔ تب سے مولوی صاحب کی اکثر مزاج داری کرتے اور مہمانوں کی خدمت اور تواضع سے کسی طرح نہ گھبراتے، تب اللہ تعالیٰ نے میاں احمد کو عنایت کیا۔ آج بحمد اللہ تعالیٰ میاں احمد جوان ہیں، اٹھارہ برس کی عمر ہے۔ ﴿ حافظ احمد خلف حضرت مولانا محمد قاسم ۱۲۷۹ھ (۱۸۶۲ء) میں نانوتہ میں تولد ہوئے، تعلیم کے لئے مولانا عبداللہ انصاری پاس، مدرسہ منبع العلوم گلاؤٹھی بھیج دیئے گئے، گلاؤٹھی سے مرادآباد گئے، حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن سے بھی پڑھا، حدیث شریف حضرت مولانا رشید

احمد گنگوہی سے حلقہ درس میں حاصل کی، مدرسہ اسلامیہ تھانہ بھون سے تدریسی زندگی کا آغاز ہوا۔ ۱۳۰۲ھ (۱۸۸۵ء) میں دارالعلوم میں مدرس ہوئے ۱۳۱۳ھ (۱۸۹۵ء) میں حضرت گنگوہی نے مہتمم دارالعلوم مقرر کیا، مولانا کے طویل دوراہتمام میں دارالعلوم نے ہر پہلو سے ترقی کی۔ مولانا محمد احمد ۱۳۴۱ھ (۱۹۲۲ء) میں ریاست حیدرآباد میں صدر مفتی مقرر کئے گئے تھے، چار سال تک اس عہدہ پر فائز رہے، آخر میں نظام حیدرآباد کو دارالعلوم کا دورہ کرنے کی دعوت دینے کے لئے حیدرآباد گئے تھے، حیدرآباد میں بیمار ہوئے، واپسی میں ۳ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۷ھ (۱۹۲۸ء) کو ریل میں وفات ہوگئی، حیدرآباد واپس لے جاکر، دفن کیا گیا دیکھئے، تاریخ دارالعلوم، مرتبہ سید محبوب احمد رضوی، (اشاعت خاص ماہنامہ الرشید ساہی وال۔ ص: ۲۴۷۔ ۲۴۸۔ ۱۴۰۰ھ) ﴾ اللہ تعالیٰ اپنے والد کے مثل کر(ے) آمین!

اور میاں ہاشم پیدا ہوئے، آج ان کی عمر آٹھ برس کی ہے ﴿میاں ہاشم تقریباً ۱۲۷۹ھ میں تولد ہوئے ذہین وفطین اور علم کے شوقین تھے، حضرت مولانا محمد قاسم کے متوسلین ان میں حضرت مولانا کی جھلک دیکھتے تھے، دارالعلوم دیوبند میں تعلیم حاصل کررہے تھے، دارالعلوم کی رُوداد سے بھی اندازہ ہوتا ہے کہ خاصے باصلاحیت تھے، مگر تعلیم مکمل نہ ہوئی تھی کہ اوائل نوجوانی میں (مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کی اطلاع کے مطابق) مکہ مکرمہ میں فوت ہوگئے۔ حاشیہ سوانح قاسمی مولانا گیلانی، ص۳۰۵، ج:۱﴾ یہ نام مولوی صاحب کے والد محترم کا رکھا ہوا ہے۔ اس عرصہ میں کئی لڑکے لڑکیاں پیدا ہو(ئیں) اور چھوٹی عمر میں انتقال ہوگیا، ﴿یہاں مولانا یعقوب صاحب کے الفاظ سے یہ غلط فہمی ہوسکتی ہے کہ حضرت مولانا کی وفات کے بعد مولانا کی، صرف ایک دختر زندہ تھیں، مگر یہ صحیح نہیں، اس وقت حضرت کی تین لڑکیاں موجود تھیں، جیسا کہ مولانا یعقوب صاحب نے آخر کتاب میں لکھا ہے۔ دیکھئے: ص۶۷، ۷۱﴾ اب ایک لڑکی تین چار برس کی آخری اولاد ہے۔ ﴿یہ لڑکی جس کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، عائشہ تھیں، طویل عمر پائی، لاولد فوت ہوئیں۔ حاشیہ:۱، ص:۸۶ پر ذکر آرہا ہے۔ مختصر معلومات کے لئے سوانح قاسمی ص۵۰۴، ج:۱﴾ اللہ تعالیٰ ان سب کو عمر وسعادت وخوبی نصیب کرے اور مولوی صاحب کا نام ان کی نسل سے قائم رکھے۔

والد صاحب کی اطاعت اور حقہ بھرنے کی خدمت

ہمارے بھائی اسد علی صاحب بڑے سیدھے آدمی تھے، حقہ بہت پیتے تھے، مولوی صاحب کو حقہ سے نفرت! ایک بار حقہ بھرنے کو کہا، مولوی صاحب باپ (کے) تابعدار، حقہ بھر کر سامنے لا رکھا، جب لوگوں نے سنا بہت ملامت کی، کہا میں کہہ کر خود نادم ہوا، پھر کبھی مولوی صاحب سے نہ کہا۔

مسجد میں رہنے کا ذوق اور سخت مجاہدہ

والد سے اوّل اس بات پر اکثر تکدر رہتا تھا، مولوی صاحب مسجد میں رہتے، رات کو مسجد میں سو رہتے، کھانا مسجد میں کھاتے، پیر بھائی دو تین تھے، ان کو کہا تھا کہ سب کھانا لایا کرو اور مل کر کھا لیا کریں گے، پا پیادہ چلتے، جفاکشی کرتے، ان کو رنج ہوتا۔ مولوی صاحب ایسے جفاکش تھے، اوّل میں جب ضرورت نہانے کی ہوتی تھی، مسجد میں پانی گرم ہوتا تھا، اور تہجد کے وقت نہاتے، مگر شرم کے سبب تالاب میں جا کر نہا لیتے۔ یہ کڑکڑاٹ کا جاڑا اور پالا پڑے اور مولوی صاحب تالاب میں نہاویں۔

ریاضتوں کی کثرت

مولوی صاحب نے ریاضتیں ایسی کیں ہیں کہ کیا کوئی کرے گا، اشغال دُشوار جیسے حبس [دم] اور سہ پایہ مدت تلک کئے ہیں اور بارہ تسبیح اور ذکر ارّہ کا دوام تھا ہی ﴿مشائخ کرام نے مریدوں کی لیاقت و برداشت کے مطابق مختلف ذکر اور مجاہدات تجویز و تشخیص کئے ہیں، یہ اذکار اور طریقے (شغل، حبس، نفی و اثبات، سہ پایہ، بارہ تسبیح وغیرہ) جن کا مولانا محمد یعقوب نے یہاں ذکر کیا ہے، حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے سلسلہ میں معمول تھے۔

تفصیلات اور طریقہ عمل کے لئے دیکھئے: ضیاء القلوب ص: ۱۷، ۱۸، ۱۹ (طبع اوّل مجتبائی دہلی: ۱۲۸۴ھ)﴾ سر کے بال شدت حرارت کے سبب اُڑ گئے تھے، حرارت مزاج میں ایسی آ گئی تھی، کہ کسی صورت سے فرو نہ ہوتی تھی، کیوں کہ یہ حرارت قلب کی تھی اور اس

کے نکلنے کی کوئی صورت نہ ہوئی، یہی آخر مرض کا باعث ہوئی اور اسی میں آخر انتقال کیا۔

علوم ومعانی کی آمد اور ضبط نسبت میں کمال

آمد معانی اور مضامین کی ایسی تھی، یوں فرماتے تھے کہ بعضی بار حیران ہو جاتا ہوں کہ کیا کیا بیان کروں، اور اکثر تقریر طویل کے سبب، کہیں سے کہیں نکل جاتے، باقی اَحوال کو اللہ جانے، باوجودیکہ کشف تمام تھا مگر کبھی زبان سے کچھ نہ فرماتے، ادنیٰ ادنیٰ اہل نسبت کے پاس بیٹھنے سے اثر ہوتا ہے، مولانا کو یہ ضبط تھا کہ کبھی کچھ اثر ظاہر نہ ہوتا تھا۔

ایک صاحب باطن کی مولانا پر توجہ ڈالنے کی کوشش اور اپنی اس کوشش پر ندامت

ایک بار مولوی صاحب نے میرٹھ میں مثنوی مولانا روم پڑھانا شروع کیا ﴿مثنوی مولانا روم: پیر روم حضرت شیخ جلال الدین (محمد بن) قونوی کی شہرۂ آفاق عارفانہ تصنیف ہے۔ جس کے بارے میں اہل عرفان وذوق نے کہا ہے:

مثنوی مولوی معنوی ہست قرآن در زبانِ پہلوی

حضرت مولانا روم ۶۰۴ھ (۱۲۰۷ء) میں بلخ میں پیدا ہوئے، فقہ حنفی اور متعدد علوم کے نام ور عالم اور مدرس تھے، ۶۴۲ھ میں درس بند کر دیا تھا، اور اس سے پہلے شیخ شمس تبریز کے متوسلین میں شامل ہو گئے تھے۔ آخر میں مثنوی مولانا روم لکھی، جو نامکمل رہ گئی تھی، ایک بڑا دیوان ہے (جو دیوان شمس تبریز کے نام سے مشہور ہے) ۶۷۲ھ (۱۲۷۳ء) میں قونیہ ترکی میں وفات ہوئی، وہیں دفن کئے گئے۔ حالات پر اُردو فارسی میں متعدد کتابیں ہیں۔ مزید معلومات کے لئے دیکھئے:

(۱) تاریخ ادبیات ایران، رضا زادہ شفق، اُردو ترجمہ مبارز الدین رفعت ۳۵۵، ۳۶۳ (دہلی)

(۲) سوانح مولانا رُوم علامہ شبلی نعمانی۔ (۳) الاعلام زرکلی ص:۳۰، ج:۷ (بیروت :۱۹۷۹ء)﴾ دو چار شعر ہوتے اور عجیب وغریب مضمون بیان ہوتے۔ ایک صاحب کہ کچھ رنگ باطنی رکھتے تھے، سن کر یوں سمجھے کہ یہ اثر تبحر علمی کا ہے اور چاہا کہ کچھ مولانا کو

فیض باطنی دیویں، درخواست کی کہ کبھی تنہا ملئے، آپ نے فرمایا: مجھے کام چھاپہ خانہ کا اور پڑھانا طلبہ کا رہتا ہے، تنہائی کہاں؟ آپ جب چاہیں تشریف لاویں، وہ صاحب ایک روز تشریف لائے اور کہا کہ آپ ذرا میری جانب متوجہ ہوں اور خود آنکھ بند کر کے مراقب ہوئے، مولانا سبق پڑھا رہے تھے البتہ موقوف کر دیا، مگر کبھی آنکھ (کھلی) اور کبھی قدرے بند، ان کی طرف متوجہ ہوئے، ان کا یہ حال ہوتا تھا کہ کبھی قریب گرنے کے ہو جاتے تھے اور پھر سنبھل بیٹھتے تھے، کچھ دیر یہ معاملہ رہا۔ پھر وہ اُٹھ کر نیچی نگاہ کئے چلے گئے، پھر بہت معذرت کی۔ مولانا کی کسر نفسی نے ان کے کمال کو ہرگز ظاہر نہ ہونے دیا اور جو کچھ ظاہر ہوا، میرے گمان میں بأمر اللہ تھا، ہرگز (اپنی) طرف سے اظہار کسی اَمر کا نہ فرماتے تھے، بات کہاں سے کہاں پہنچی۔

مولانا کا، مولانا یعقوب نانوتوی سے ملاقات کیلئے رڑکی کا پیدل سفر

جب احقر بنارس سے وطن کی طرف پہنچا، اتفاق نانوتہ جانے کا نہ ہوا، دیو بند میں اہل و عیال چھوڑ کر روڑکی چلا گیا، وہاں کام نوکری کا کرنے لگا، اتفاق گھر جانے کا نہ ہوا۔ مولوی صاحب گھر تھے، میں نے عرض کر بھیجا کہ جی ملنے کو چاہتا ہے اور مجھے فرصت نہیں، خود پیادہ پا دومنزلہ [سفر] کر کے ﴿یعنی مولانا محمد یعقوب کے اس خط کی وجہ سے، حالاں کہ حضرت مولانا محمد قاسم مولانا محمد یعقوب سے عمر میں بڑے تھے اور یقیناً حضرت مولانا کی مصروفیتیں، مولانا محمد یعقوب کی مصروفیات سے بڑھ کر اور دینی علمی لحاظ سے زیادہ قیمتی بھی تھیں، مگر حضرت مولانا نے ان باتوں کا کچھ خیال نہیں فرمایا، اسی وقت دیو بند یا نانوتہ سے پیدل چل کر روڑکی آ گئے، سچ ہے: جن کے رتبے ہیں سوا ان کے سوا مشکل ہے﴾ احقر کے ملنے کو تشریف لائے اور ہمیشہ جب تلک قوت تھی، کبھی بھی سواری کی طرف رُخ نہ تھا۔

۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ہمت و جرأت

اسی عرصہ میں غدر ہو گیا۔ بعد رمضان احقر کو سہارن پور لینے کو تشریف لائے، چند آدمی اور وطن دار ساتھ تھے، اس وقت راہ چلنا بدون ہتھیار اور سامان کے دُشوار

تھا، جب احقر وطن پہنچا [تو] چند ہنگامہ مفسدین کے پیش آئے، جس میں مولانا کی کمال جرأت و ہمت ظاہر ہوئی۔

اسی زمانہ میں ہمارے بھائی ہم عمر اکثر مشق بندوق اور گولی لگانے کی کرتے رہتے تھے، ایک دن آپ مسجد میں سے آئے کہ ہم گولیاں لگا رہے تھے اور نشانہ کی جائے پر ایک نیم کا پتہ رکھا تھا اور اس کے گرد ایک دائرہ کھینچا تھا، قریب سے بندوق لگاتے تھے، گولیاں مٹی کی (تھیں) مولوی صاحب نے فرمایا کہ بندوق کیوں کر لگاتے ہیں، مجھے بھی دِکھلاؤ۔ کسی نے ایک فائر کی اور قاعدہ نشانہ کا ذکر کیا، تب بندوق ہاتھ میں لے کر فائر کی، صاف گولی نشانہ پر لگی اور وہ سب مشاق کتنی دیر سے لگا رہے تھے، دائرہ میں لگ جانے پر نشانہ پر پہنچنا جانتے تھے، اور یہ بات اتفاقی نہ تھی، اپنی فہم سے حقیقت نشانہ بازی کی سمجھ کر، بدن ایسی وضع پر سادھ لیا، جو فرق ہو جانے کی وجہ تھی، نہ ہوئی۔ تیر اندازں کو دیکھا ہے کہ سر سے پا تلک ایک خط مستقیم ہو جاتے ہیں۔

مولانا کا سکون واطمینان اور دشمنوں سے مقابلہ کے وقت جرأت اور حوصلہ

حاصل یہ ہے کہ اس طوفان بے تمیزی میں جب لوگ گھبراتے تھے، ہم نے کبھی مولانا کو گھبراتے نہ دیکھا، خبروں کا اس وقت میں چرچا تھا، جھوٹی، سچی ہزاروں گپ شپ اُڑا کرتی تھیں، مگر مولوی صاحب اپنے معمولی کام بدستور انجام فرماتے تھے۔

چند بار مفسدوں سے نوبت مقابلہ کی آ گئی، اللہ رے مولوی صاحب ایسے ثابت قدم، تلوار ہاتھ میں اور بندوقچیوں کا مقابلہ ﴿غالباً معرکہ شاملی کی طرف اشارہ ہے، جس میں ان بے سروسامان اصحاب، علماء نے انگریزی فوج کے دستوں کا اس قدر پامردی اور بہادری سے مقابلہ کیا، کہ انگریز فوج کو ہتھیاروں کی کثرت اور شجاعت کے بلند بانگ دعوؤں کے باوجود، شکست کھا کر اور سخت نقصان اُٹھا کر بھاگنا پڑا تھا﴾ ایک بار گولی چل رہی تھی یکا یک سر پکڑ کر بیٹھ گئے، جس نے دیکھا جانا گولی لگی، ایک بھائی دوڑے۔

پوچھا کیا ہوا، فرمایا سر میں گولی لگی ہے، عمامہ اُتار کر سر کو جو دیکھا کہیں گولی کا نشانہ تلک نہ ملا اور تعجب یہ ہے کہ خون تمام کپڑوں پر گرا ہوا تھا۔

دشمنوں سے مقابلہ میں بندوق کی گولی کا اثر

انہیں روزوں ایک روز منہہ دَر منہہ ایک نے بندوق ماری، جس کے سنبہ ﴿سنبہ توپ میں بارود کی تھیلی یا گولہ ڈال کر اُوپر سے ٹھوکنے کا گز۔ فرہنگ آصفیہ، ص:۱۰۱، ج۳، مولوی سید احمد دہلوی، (دہلی:۱۹۷۴ء)﴾ سے ایک مونچھ اور کچھ داڑھی جل گئی اور کچھ قدرے آنکھ کو صدمہ پہنچا اور خدا جانے گولی کہاں گئی، اور اگر گولی نہ تھی، اتنے پاس سے سنبہ بھی بس تھا، مگر حفاظت الٰہی بر سر تھی کچھ اثر نہ ہوا، اس زخم کی خبر اجمالی بعض دشمنوں نے جو سنی، تو سرکار میں مخبری کی، کہ تھانہ بھون کے فساد میں شریک تھے، حالانکہ مولانا، فسادوں سے کوسوں دُور (تھے) ملک و مال کے جھگڑے اگر سر رکھتے، تو یہ صورت ہی کیوں ہوتی، کہیں کے ڈپٹی یا صدر الصدور ہوتے، اس لئے حاجت روپوشی کی ہوئی، حضرت حاجی صاحب بھی (اسی) باعث سے روپوش ہوگئے تھے۔

۱۸۵۷ء کے معرکہ کے بعد روپوشی

تلاشی اور اسی وجہ سے مختلف مقامات کے سفر

ایام روپوشی میں ایک روز دیوبند تھے، زنانہ مکان کے کوٹھے پر مردوں میں سے کوئی تھا نہیں، زینہ میں آکر فرمایا پردہ کرلو، میں باہر جاتا ہوں، عورتوں سے رک نہ سکے، باہر چلے گئے، بعضے مرد بازار میں تھے ان کو اطلاع کی، وہ اتنے مکان پر پہنچے، دوڑ ﴿دوڑ، دَوِش، حملہ، دھاوا، چڑھائی، دشمنوں یا مجرموں کی گرفتاری کے لئے تیز رفتار سے اچانک حملہ۔ فرہنگ آصفیہ، ص:۲۸۳، ج۲، (دہلی، ۱۹۷۴ء)﴾ سرکاری آدمیوں کی پہنچ لی تھی، انہوں نے آکر تلاشی لی، ہر چند بظاہر مولوی صاحب کی تلاش نہ تھی، مگر پھر خوف کی جگہ تھی، اس کے بعد سے مسجد میں رہتے اور پھر کسی نے تعرض نہ کیا، اسی طرح اللہ تعالیٰ

نے چند بار بچا دیا۔ اس زمانہ کی کیفیات عجیب وغریب گذری ہیں، لکھنا ان کا طول ہے۔ اسی وقت میں دیو بند اور املیاء وغیرہ مختلف جائے پر متفرق اوقات میں رہے، بوڑیہ، کمتھلہ لاڈوہ، پنجلاسہ، جمنا پار کئی دفعہ گئے آئے۔

آخر حضرت حاجی صاحب عرب کو روانہ ہو گئے، احقر کو بعد ان کے یہی سوجھی کہ تو بھی چل! مولانا کی روپوشی محض عزیز واقارب کے کہنے سے تھی، ورنہ ان کو اپنی جان کا کچھ خیال نہ تھا، مولانا نے بھی اِرادہ کیا، اس روپوشی کی بلا کے سبب، والدین نے بخوشی اجازت دے دی، احقر بے سامان تھا، قلیل سا، زادِراہ بہم پہنچایا تھا، مگر مولوی صاحب کی بدولت وہ سب راہ بخیر وخوبی طے ہوئی، ہر چند مولوی صاحب بھی بے سامان تھے، مگر بدولت تو کل، سب راہ بخیر خوبی پورا ہوا اور سب کام انجام ہو گئے۔

کشتیوں کی راہ [سے] پنجاب ہو کر سندھ کی طرف کو گئے، کراچی سے جہاز میں بیٹھے، جمادی الثانی سنہ بارہ سو ستتر میں روانہ ہوئے اور آخر ذی قعدہ میں مکہ معظمہ پہنچے، بعد حج مدینہ شریف روانہ ہوئے، اوّل صفر مراجعت کی، اسی مہینہ کے آخر میں جہاز میں بیٹھے، ربیع الاوّل کے آخر میں بمبئی آئے، جمادی الثانی تلک وطن پہنچے۔ ﴿مولانا محمد یعقوب صاحب نے اس سفر کا روزنامچہ لکھا تھا، جو بیاض یعقوبی میں شامل ہے۔ (ص ۱۲۸، تا ص ۱۵۰۔ طبع اوّل، تھانہ بھون: ۱۹۲۹ء) ۱۵/ جمادی الاوّل ۱۲۷۷ھ۔ ۲۹/ نومبر ۱۸۶۰ء کو نانوتہ سے روانہ ہوئے تھے، چھ مہینے کا طویل سفر، ۲۱ ذی قعدہ ۱۲۷۷ھ (یکم جون ۱۸۶۱ء) مکہ معظمہ میں پہنچ کر پورا ہوا، (بیاض یعقوبی ۱۴۲) شروع صفر ۱۲۷۸ھ (اگست ۱۸۶۱ء) میں واپس روانہ ہوئے، جدہ سے جہاز چل کر ربیع الاوّل ۱۲۷۸ (اکتوبر ۱۸۶۱ء) کے آخر میں بمبئی پہنچے اور جمادی الثانی ۱۲۷۸ھ (دسمبر ۱۸۶۱ء) میں ایک سال بعد وطن واپس آ گئے۔ جس کی مولانا محمد یعقوب نے یہاں صراحت کی ہے۔

مولانا محمد یعقوب کے الفاظ: ''اس روپوشی کی بلا کے سبب والدین نے بخوشی اجازت دے دی'' سے یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ ۱۸۵۷ء میں شرکت کی وجہ سے مولانا محمد قاسم نے تقریباً پانچ سال روپوشی میں گزارے تھے﴾

سفرِ حج کو جاتے ہوئے راستہ میں روزانہ قرآن شریف حفظ کرنا اور تراویح میں سنا دینا

جاتے بار میں کراچی سے جہاز بادبانی میں سوار ہوئے تھے، رمضان کا چاند ﴿رمضان المبارک ۱۲۷۷ھ/ مطابق مارچ ۱۸۶۱ء﴾ دیکھ کر مولوی صاحب نے قرآن شریف یاد کیا تھا، اوّل وہاں سنایا اور جہاز میں کیا (میسر) تھا، بعد عید مکہ پہنچ کر حلوے مسقط خرید فرما کر، شیرینی ختم دوستوں کو تقسیم فرمائی۔

مولوی صاحب کا اس سے پہلے قرآن یاد کرنا، کسی کو ظاہر نہ ہوا تھا، آہستہ آہستہ پڑھتے اور یاد کر لیتے اور حافظوں کے نزدیک ٹھہرا ہوا ہے کہ بلند آواز سے یاد ہوتا ہے، بعد ختم فرماتے تھے، کہ دو سال میں، رمضان رمضان میں فقط یاد کیا ہے، اور جب یاد کیا پاؤ سپارہ (کے) قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کر لیا، اور جب سنایا ایسا صاف سنایا جیسے اچھے پرانے حافظ، پھر تو اکثر بہت بہت پڑھتے، ستائیس سپارے ایک بار یاد ہے ایک رکعت میں پڑھے، اگر کوئی اقتداء کرتا، رکعت [مختصر] کر [کے] اس کو منع فرما دیتے اور تمام شب تنہا پڑھتے رہتے، بعد زیارت حرمین شریفین ایک برس کچھ زیادہ میں وطن آئے، مراجعت براہ بمبئی اور ناسک ہوئی، ریل ناسک تلک تھی، وہاں سے گاڑیوں میں آئے۔

انگریزی حکومت کے عام معافی اعلان کے بعد گھر پر قیام، مطبع مجتبائی میں ملازمت

پیچھے بعد تحقیقات سرکار نے مطالبہ عام اُٹھا دیا تھا، چند خاص شخصوں کی نسبت جن پر سرکار کا شبہ قوی تھا، اشتہار جاری رہا، پھر گھر اپنے رہے۔

غدر میں ﴿۱۸۵۷ء (۷۴-۱۲۷۳ھ) کی پر جوش اور طاقت ور تحریک، جو ہندوستان پر انگریز کے تسلط کے خلاف برپا ہوئی تھی اور جس کو انگریز نے اپنی روایتی عیاری اور ہوشیاری کو کام میں لا کر، غدر (Riot) کا نام دے دیا تھا۔ حکومت برطانیہ کے قہر و دبدبہ کے دور (تقریباً ۱۹۲۰ء)

تک، اس کو سب خاص و عام، علماء اور اہل قلم غدر ہی کہتے اور لکھتے تھے، جنگ آزادی کیسے کہتے یا لکھتے، اس سے وہ خود غداروں کی فہرست میں گن لئے جاتے اور قابل گردن زدنی شمار ہوتے۔ مولانا محمد یعقوب نے تحریک آزادی کے جس دور کا ذکر کیا ہے، وہ تھانہ بھون شاملی، نواحی علاقوں اور ضمناً سہارن پور مظفر نگر سے متعلق تھا۔ اگرچہ یہ چنگاری اور علاقوں میں مئی میں بھڑک اُٹھی تھی، اور اگست تک شعلہ جوالہ بن کر شمالی ہند کے بڑے حصہ کو لپیٹ میں لے چکی تھی، سہارن پور، مظفر نگر اور اس نواح کے قصبات میں بھی اس کے گہرے اثرات تھے، یہاں بھی جگہ جگہ انگریز فوج سے معرکہ آرائی اور فتح و شکست چل رہی تھی۔ آخر میں ۱۴/ ستمبر ۱۸۵۷ء (۲۴ محرم ۱۲۷۴ھ) کو شاملی میں ایک بڑا معرکہ برپا ہوا، جس میں حضرت حاجی امداد اللہ کے خواجہ تاش، حضرت حافظ محمد ضامن شہید ہوئے، اور بھی کئی سو اصحاب، جس میں نامور علماء اور اہل کمال بھی تھے، جاں بحق ہوئے، اس کے بعد انگریزی فوج کے ہاتھوں تھانہ بھون تباہ و برباد ہوا۔

یہ ایک بہت بڑی جرأت و شجاعت کی داستان اور ملی تاریخ کا ایک قابل عنوان ہے، مگر افسوس ہے کہ ہماری غفلت اور ہمارے بعض ذمہ داروں کی تاریخ سے ناواقفیت (بلکہ نفرت) کی وجہ سے، اس معرکہ کی صحیح تفصیلات اور مستند واقعات ہماری نظروں سے اُوجھل ہوگئے ہیں، بات یہاں تک آ پہنچی ہے کہ متعدد اصحاب نے اس کا صاف انکار کر دیا اور لکھ دیا کہ اس قسم کا نہ کوئی واقعہ ہوا تھا، نہ حضرت حاجی صاحب امداد اللہ اور ان کی جماعت کا اس سے کچھ تعلق تھا، مگر یہ انکار معلومات کی کمی اور ناواقفیت کی وجہ سے ہے، معلومات موجود ہیں، کسی وقت مرتب کر کے پیش کی جائیں گی، جس سے اس معرکہ کی واضح تصویر اور اکثر تفصیلات ان شاء اللہ سامنے آ جائیں گی ﴾ دہلی کا تو سب کارخانہ درہم برہم ہوگیا تھا، مولوی احمد علی صاحب کا مطبع گیا گزرا تھا، اس زمانہ میں سوائے وطن اور کوئی جگہ جانے کی نہ تھی، کبھی وطن کبھی دیوبند رہتے تھے۔ اسی وقت میں احقر نے حضرت سے بخاری قدرے پڑھی، پھر منشی ممتاز علی صاحب نے میرٹھ میں چھاپہ خانہ کیا ﴿منشی ممتاز علی خلف منشی امجد علی دہلوی میرٹھ [نزہت رقم جو خطاطی میں بہادر شاہ ظفر کے شاگرد تھے] کا چھاپہ خانہ مطبع مجتبائی میرٹھ تھا، اس مطبع نے حضرت مولانا رحمہ اللہ کی کتابوں کی

اشاعت میں دلچسپی لی، بعد میں مطبع مجتبائی میرٹھ سے دہلی منتقل ہوگیا تھا، وہاں بھی اس کی حضرت مولانا کی تصانیف سے وابستگی برقرار رہی، حضرت مولانا رحمہ اللہ کے مکتوبات کا سب سے پہلا مجموعہ، قاسم العلوم، منشی ممتاز علی نے سب سے پہلے مطبع مجتبائی دہلی سے چھاپا تھا۔

مطبع مجتبائی کی اور مطبوعات بھی قابل توجہ ہیں، مطبع مجتبائی اور ہاشمی دونوں مطابع نے قرآن شریف کے عمدہ عمدہ نسخے تصحیح اور مفید حواشی وتراجم کے ساتھ، بار بار شائع کیے، منشی ممتاز علی نے ایک قرآن شریف اور حمائل حضرت مولانا سے تصحیح کراکر چھاپی تھی، جس کو بہت شہرت اور احترام نصیب ہوا، یہ دونوں قرآن شریف صحت کے لحاظ سے آج بھی سند ہیں۔

مطبع مجتبائی میرٹھ کے ابتدائی دور کی مطبوعات کا معیار بہت اچھا ہے، اور کتابوں کے علاوہ، غالب کی ''عودِ ہندی'' بھی سب سے پہلے منشی ممتاز علی نے چھاپی تھی''۔

منشی ممتاز علی کی حیات میں ان کے فرزند نے مطبع کا کام سنبھال لیا تھا، حاجی صاحب ۱۸۸۶ء (۴۔۱۳۰۳ھ) میں ہندوستان سے ہجرت کر گئے تھے۔)

بعد میں منشی ممتاز علی کا مطبع، پانچ سو روپے میں مولوی عبدالاحد نے خرید لیا تھا، مگر مولوی عبدالاحد نے مطبع کا نام اور مطبع کی مشینیں اور سامان وغیرہ خریدا ہوگا، اسی لئے اس کے لئے خاصی بڑی رقم پانچ سو روپے ادا کئے گئے، لیکن منشی ممتاز علی نے اپنے مطبع کی کم سے کم ایک مشین اپنے ساتھ مکہ مکرمہ لے گئے تھے اور مکہ مکرمہ میں بھی اسی پرانے نام مطبع مجتبائی کے ذریعہ سے طباعت و اشاعت کا کام شروع کردیا تھا۔ امداد صابری صاحب نے حضرت امداد اللہ کی جہادِ اکبر اور تحفۃ العشاق کے ان نسخوں کا ذکر کیا ہے، جو منشی ممتاز علی نے مکہ مکرمہ میں اپنے مطبع مجتبائی سے چھاپے تھے۔ (حجاز مقدس کے اُردو شاعر ص ۷۰، ۷۱، دہلی ۱۹۷۰ء) مولوی عبدالاحد کی سرپرستی میں مطبع مجتبائی نے غیر معمولی ترقی کی اور ہندوستان کے ممتاز ترین مطابع میں شمار کیا گیا۔

منشی ممتاز علی نے خاصی طویل عمر پائی، حضرت حاجی امداد اللہ کی وفات: ۱۳۱۷ھ (۱۸۹۹ء) کے بعد تک حیات تھے، ہندوستان کے متعدد نامور خطاط، مثلاً محبوب رقم منشی جی کے شاگرد تھے۔

تاریخ دار العلوم دیوبند، سید محبوب رضوی (اشاعت الرشید، ساہی وال ۱۴۰۰ھ) ص: ۴۷، ۵۱۔ نیز سوانح قاسمی، گیلانی، حاشیہ ص: ۴۱۷، ص ۵۳۲، ص ۵۳۴، جلد اوّل، نیز ملاحظہ ہو: ''خطاطان قرآنی'' از جناب سید شاہ نفیس الحسینی نفیس رقم مدظلہ، سیارہ اُردو ڈائجسٹ، لاہور۔ قرآن نمبر: ص ۸۱۶/ ج ۲۔)

مولوی صاحب کو پرانی دوستی کے سبب بلا لیا، وہی تصحیح کی خدمت تھی۔ یہ کام برائے نام تھا، مقصود ان کا مولوی صاحب کو اپنے پاس رکھنا تھا، احقر اس زمانہ میں بریلی اور لکھنؤ ہو کر، میرٹھ میں اسی چھاپہ خانہ میں نوکر ہو گیا اور منشی جی حج کو گئے تھے اس وقت میں ایک جماعت نے مسلم پڑھی، احقر بھی اس میں شریک رہا۔

مدرسہ دیوبند (دارالعلوم) کی ابتداء، اس میں شرکت اور سرپرستی

وہی زمانہ تھا کہ بناء مدرسہ دیوبند کی پڑی، مولوی فضل الرحمٰن ﴿**مولانا فضل الرحمن** دیوبند کے ایک پرانے اور معروف عثمانی خاندان سے وابستہ کے دیوان لطف اللہ کی اولاد میں تھے۔ سلسلۂ نسب اس طرح ہے: ''مولانا فضل الرحمٰن، بن دوٗ د بخش، بن غلام محمد، بن غلام نبی''

ابتدائی تعلیم وطن میں حاصل کی، بعد میں دہلی کالج گئے اور مولانا مملوک العلی کے زمرۂ تلامذہ میں شامل ہوئے، محکمہ تعلیم سے وابستہ ہو کر بریلی، بجنور، سہارن پور میں ڈپٹی انسپکٹر تعلیم رہے، ۱۸۵۷ء (۱۲۷۳ھ) کے ہنگاموں کے وقت بریلی میں تعینات تھے۔

شعر و اَدب کا خاص ذوق تھا، فارسی، عربی کے بلند پایہ شاعر تھے، تاریخی مادّے نکالنے میں کمال حاصل تھا، دارالعلوم دیوبند کی بنیاد کے وقت سے، اس کے اہم معاونین وارا کین میں شامل تھے اور زندگی کے آخری لمحات تک دارالعلوم سے وابستہ اور اس کی ترقی میں مددگار اور مشوروں میں شریک رہے۔ ۳/ جمادی الاوّل ۱۳۲۵ھ (۱۵ر جون ۱۹۰۷ء) کو وفات ہوئی۔

مولانا کے تین صاحبزادے یگانۂ روزگار عالم ہوئے: مولانا مفتی عزیز الرحمٰن، مولانا حبیب الرحمٰن (مہتمم دارالعلوم دیوبند) اور علامہ شبیر احمد عثمانی، ان کے علاوہ اور بیٹے بھی پڑھے لکھے اور صاحب کمال تھے، رحمہم اللہ۔ تاریخ دارالعلوم دیوبند، سید محبوب رضوی، ص: ۵۳ (الرشید ساہی وال، اشاعت خاص ۱۴۰۰ ھ) وغیرہ﴾ اور مولوی ذوالفقار علی صاحب ﴿**مولانا ذوالفقار علی**: خلف فتح علی عثمانی دیوبندی تقریباً ۱۲۲۸ھ (۱۸۱۳ء) میں ولادت ہوئی۔ متوسطات سے اعلیٰ درجوں تک تعلیم، علمائے دہلی وغیرہ مولانا مفتی صدرالدین آزردہ اور مولانا مملوک العلی نانوتوی سے اور دہلی کالج میں حاصل کی، اور کمالات کے علاوہ عربی شعر اَدب میں

خصوصیت و امتیاز حاصل تھا، مغربی علوم اور انگریزی سے واقف تھے، بریلی کالج میں پروفیسر مقرر ہوئے، بعد میں ڈپٹی انسپکٹر مدارس و تعلیم مقرر ہوئے، زندگی کا بڑا حصہ اسی خدمت میں گذرا، ملازمت سے سبکدوش ہو کر وطن آ گئے تھے، آخر عمر یہیں گذری، حضرت مولانا کی عربی ادبیات پر نہایت مفید اور گراں قدر تالیفات ہیں۔ مولانا کی سب سے بڑی اور شہرۂ آفاق یادگار صاحبزادہ والا مناقب، شیخ الہند مولانا محمود حسن تھے۔ رحمہم اللہ وارفع درجاتھم۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: تاریخ دارالعلوم دیو بند اور نزہۃ الخواطر وغیرہ۔ ﴾ اور حاجی محمد عابد صاحب ﴿ **حضرت حاجی عابد حسین دیو بندی** ۔ دیو بند کے پرانے خاندان سادات سے تعلق تھا، ۱۲۵۰ھ (۳۵-۱۸۳۴ء) میں ولادت ہوئی، بارہ سال کی عمر میں مولوی ولایت علی دیو بندی سے بیعت ہوئے، نو عمری میں والد کی وفات کی وجہ سے عطارہ کی دکان کر لی تھی، بعد میں میانجی کریم بخش رامپوری (وفات: ۱۲۷۹ھ) سے بیعت ہوئے، اجازت و خلافت ملی اور بیعت کا وسیع سلسلہ جاری ہوا۔ دیو بند میں مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) قائم کرنے کی پہلی آواز حاجی صاحب نے بلند کی، پہلی کوشش اور پہلا چندہ بھی حاجی صاحب کی توجہ سے ہوا تھا، بعد میں اور حضرات کی کوششوں اور توجہات سے اس کو ترقی ملی، حاجی صاحب دو مرتبہ دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے، حاجی صاحب کو اوراد و عملیات میں بہت شہرت اور غیر معمولی کمال حاصل تھا، مدرسہ کی خدمت کے علاوہ ایک بڑی مصروفیت تعویذ و عملیات کی تھی، ۱۹/ ذی الحجہ ۱۳۳۱ھ (۱۹/ نومبر ۱۹۱۳ء) کو بخار ہوا تھا، اسی میں ظہر کے بعد وفات ہو گئی۔ مزید معلومات کے لئے تذکرۃ العابدین، نذیر احمد دیو بندی، ص ۶۳ تا ۸۹، دہلی: ۱۳۳۳ھ) ﴾ نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیو بند میں قائم کریں، مدرس کے لئے تنخواہ پندرہ روپے تجویز ہوئے اور چندہ شروع ہوا، چند ہی روز گذرے کہ چندہ کو افزونی ہوئی اور مدرس بڑھائے گئے اور مکتب فارسی اور حافظ قرآن مقرر ہو (ئے) اور کتب خانہ جمع) ہوا۔ مولوی محمد قاسم صاحب شروع مدرسہ میں، دیو بند آئے اور پھر ہر طرح اس مدرسہ کے سرپرست ہوئے۔ مدرسہ کے احوال لکھنا یہاں طول لاطائل ہے، سالانہ کیفیتوں ﴿ سالانہ کیفیتوں، یعنی مدرسہ اسلامیہ عربیہ (دارالعلوم) دیو بند کے آمد و خرچ تعلیم نیز طلبہ کے امتحانات اوران کے نتیجوں کا گوشوارہ

اور مفصل روئیداد، جو ہر سال کے ختم پر پابندی سے چھپتی تھی اور تقریباً ۱۴۰۰ھ (۱۹۸۰ء) تک اسی طرح چھپتی رہی۔ سے یہ سب اُمر واضح ہوجاتے ہیں۔

دوسرا حج اور واپسی کے بعد دہلی میں قیام

۱۲۸۵ھ ﴿**دوسرے حج کا صحیح سن** مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے، ۱۲۵۸ھ (۱۸۴۲ء) میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی'' تعجب ہے کہ مطبع قاسمی کی اشاعت (۱۳۳۳ھ) میں بھی اس کی تصحیح نہیں کی گئی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس اطلاع میں سہو ہوا، غالباً سہو کتابت ہے، حضرت مولانا محمد قاسم کا دوسرا سفر حج ۱۲۸۶ھ (جنوری ۱۸۷۰ء) میں ہوا تھا، اس کا حضرت مولانا نے آب حیات کی تمہید میں (ضمناً مگر خلاف معمول) ذکر فرمایا ہے۔

سفر حج کا (غالباً پہلے سے خیال نہیں تھا، رمضان المبارک میں اچانک ارادہ ہوگیا، ۸ شوال ۱۲۸۶ھ (۱۱ر جنوری ۱۸۷۰ء) کو نانوتہ سے روانگی ہوئی، بمبئی میں تقریباً بیس دن جہاز کے انتظار میں ٹھہرے رہے، اسی قیام کے دوران آخری دنوں (اواخر شوال میں) آب حیات کا اکثر حصہ لکھا گیا، ۲۳ ذی الحجہ ۱۲۸۶ھ (۲۶ مارچ ۱۸۷۰ء) کو مکہ مکرمہ میں، جب حضرت مولانا کے مدینہ منورہ (علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام) کے لئے حاضری کے سفر میں، صرف دو دن باقی تھے، اس کا مسودہ مکمل ہوا۔ ملاحظہ ہو آب حیات ص:۳، ص ۶ (طبع اوّل مطبع مجتبائی میرٹھ: ۱۲۹۸ھ) نیز سوانح قاسمی، از مولانا مناظر احسن گیلانی، ص ۲۴ تا ص ۱۴، ج ۳ (دیو بند: طبع اوّل، بلا سنہ ﴾ میں مولانا کو حج کی پھر سوجھی، چند رفقاء کو ساتھ لے کر حج کر آئے اور منشی ممتاز علی صاحب بھی اسی سال بقصد قیام عرب کو گئے، مگر ایک سال بعد واپس آگئے، پھر مولوی صاحب دہلی گئے، منشی جی کا چھاپہ خانہ دہلی میں ہوا، منشی جی کے پیچھے میرٹھ میں مولوی محمد ہاشم صاحب ﴿**مولوی ہاشم علی**: افسوس ہے کہ مفصل حالات دستیاب نہیں، ڈاکٹر نادر علی خان نے لکھا ہے کہ مولوی ہاشم علی صاحب کا مطبع ہاشمی ۲۴ر اکتوبر ۱۸۵۹ء (۲۶ ربیع الاوّل ۱۲۷۶ھ) کو جاری ہوا تھا، مولوی ہاشم علی نے اس کا کام اپنے بڑے بیٹے، حکیم مولوی محمد عمر کے سپرد کردیا تھا، مگر حکیم محمد عمر کا ۱۸۸۸ء (۶-۱۳۰۵ھ) میں انتقال ہوگیا، مولوی ہاشم بھی اس صدمہ کی وجہ سے دل گرفتہ ہو کر''[21]

جنوری ۱۸۸۹ء" (۱۸ جمادی الاوّل ۱۳۰۶ھ) کو سفر آخرت پر روانہ ہوگئے۔

مولوی ہاشم کی وفات کے بعد مطبع کا کاروبار ان کے منجھلے بیٹے حکیم محمد سراج نے سنبھالا، تحریک خلافت کے زمانہ میں پریس ضبط ہوگیا تھا، جس کو جدید ہاشمی پریس کے نام سے دوبارہ جاری کیا گیا۔ دیکھئے ہندوستانی پریس ۱۵۵۶ء۔۱۹۰۰ء" نادر علی خاں، ص ۳۷۲۔۳۷۳ (لکھنؤ: ۱۹۹۰ء)

مولوی ہاشم علی کے مطبع ہاشمی میں، حضرت مولانا محمد قاسم کی یہ کتابیں چھپی تھیں۔

(۱) ہدیۃ الشیعہ ۱۲۸۴ھ (۲) اجوبۂ اربعین اوّل، دوم ۱۸۹۵ء (۳) جواب ترکی بہ ترکی ۱۲۹۶ھ (۴) توثیق الکلام ۱۳۰۲ھ (۵) فیوض قاسمیہ ۱۳۰۴ھ ﴾ کے مطبع میں کام کیا اس زمانہ میں پڑھانا اکثر تھا، سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے، اور اس طرح کے مضامین بیان فرماتے تھے کہ نہ کسی نے سُنے نہ سمجھے اور عجائبات غرائب تحقیقات ہر فن میں بیان فرماتے، جس سے تطبیق اختلافات اور تحقیق ہر مسئلہ کی بیخ و بن تلک ہوجاتی تھی، آج ان کے فیض تعلیم کا اثر موجود ہے، ہر چند ذرّہ آفتاب کا کیا نمونہ، مگر پھر اسی جمال کا آئینہ ہے، اور وہی اس کے حوصلہ (کے) موجب اس میں جلوہ گر ہے، جو چاہیں دیکھ لیں، اور ان کی تحریرات و تقریرات کو سُن لیں۔

حضرت مولانا کی تصانیف کا ذخیرہ اور شاگرد

مولوی صاحب نے اس عرصہ میں چند تحریرات، کے بعضی جواب کسی سوال کے، بعض فرمائش کسی دوست کی، بعض اتفاقیہ، اگرچہ مجموعہ ان کا کثیر ہے ﴿ حضرت مولانا قاسم صاحب کی باقاعدہ تصانیف تو تین سے زائد نہیں، لیکن حضرت مولانا کے افادات، تقریریں، مکتوبات اور افادات ان میں سے ہر ایک مستقل تالیف بلکہ تالیفات و مصنفات سے بڑھ بڑھ کر ہے (ان سب کا ایک بڑا ذخیرہ ہے اگر جمع ہو اور مرتب کر کے شائع کیا جائے تو غالباً دس بارہ جلدیں ہوں گی) اور ان میں عموماً وہ مباحث اور علوم و نکات ہیں، جو اور کتابوں میں کم یاب بلکہ معدوم ہیں، اس لئے ان مصنفات و افادات کی خاص علمی اہمیت ہے، مگر اس غفلت کو کیا کہئے کہ حضرت کے افادات و مؤلفات و متعلقات کا کوئی جامع اشاریہ بھی آج تک مرتب نہیں کیا گیا، راقم

سطور نے ایک نا تمام سا اشاریہ مرتب کیا ہے، میری تالیف: قاسم العلوم، حضرت العلوم، حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ میں شامل ہے﴾ مگر ایسے پریشان ہیں کہ اجتماع ان کا مشکل ہے۔ زیادہ ترفیض رسانی کی طرف اسی زمانہ میں توجہ ہوئی۔ مولوی صاحب سے پڑھنا نہایت ہی دُشوار تھا، جو شخص طباع ہو اور پہلے سے اصل کتاب سمجھا ہوا ہو تب مولوی صاحب کی بات سمجھ سکتا تھا، ہر چند مولوی صاحب نہایت ہندی کی چندی کر کر بیان فرماتے، مگر پھر مشکل بات مشکل ہی ہوتی ہے۔

دہلی میں جگہ جگہ پادریوں کے جلسے اور مولانا کا اپنے شاگردوں کے ساتھ پادریوں سے بحث ومناظرہ

اسی زمانہ کے درمیان میں دہلی میں پادریوں کے وعظ کا چرچا تھا اور مسلمانوں میں سے بعضے بیچارہ اپنی ہمت سے ان سے مقابلہ کرتے تھے۔ کوئی اہل علم جن کا یہ کام تھا اس طرف توجہ نہ کرتا تھا، مولوی صاحب نے اپنے شاگردوں کو فرمایا کہ تم بھی کھڑے ہو کر، بازار میں کچھ بیان کیا کرو اور جہاں وہ لوگ بہ مقابلہ نصاریٰ بیان کرتے ہیں ان کی امداد کیا کرو، آخر مباحثہ کی ٹھہری اور مولوی صاحب بے کسی [کی] صورت وشکل بنائے اور اپنا نام چھپا، جا موجود ہوئے۔ پادری تارا چند نام تھا، اس سے گفتگو ہوئی آخر وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا، اسی زمانہ میں مولوی منصور علی صاحب دہلوی سے جو فن مناظرہ اہل کتاب میں یکتا ہیں ﴿**مولانا سید ابوالمنصور** (امام فن مناظرہ) بن مولانا سید محمد علی بن مولانا سید محمد فاروق، ناگ پوری، دہلوی، ۲۷ رمضان المبارک ۱۲۳۷ھ (جون ۱۸۲۲ء) میں ولادت ہوئی، والد اور دادا سے تعلیم حاصل کی، اس کے بعد سات سال تک لکھنؤ میں شیعہ مجتہدین سے ان کے علوم اور مذہب پڑھا، ہندوستان کے مشہور پادری اور بائبل (Bible) کے شارح، جے ایل سکاٹ سے انجیل اور متعدد کتابیں سبقاً سبقاً پڑھیں، عربی فارسی کے علاوہ ہندی انگریزی سے بھی واقف تھے، عبرانی کے بھی ماہر تھے۔ غیر معمولی مطالعہ کیا تھا اور تقریباً تمام مطالعہ ذہن میں محفوظ اور نوک زبان تھا۔ بڑے بڑے نام وَر پادریوں سے

مناظرہ کر کے ان کو خاموش اور لا جواب کیا۔ مباحثہ شاہ جہان پور میں حضرت مولانا محمد قاسم کے معاون تھے، مولانا کے علمی کمالات اور عیسائیت پر بے مثال عبور کی وجہ سے اس وقت کے برگزیدہ علماء، مولانا محمد قاسم نانوتوی، مولانا سید نذیر حسین محدث وغیرہ نے "امام فن مناظرہ" کا خطاب دیا تھا۔ سو سے زیادہ عالمانہ محققانہ تصانیف یادگار چھوڑیں، تقریباً تراسی سال کی عمر میں ۱۳۲۰ھ (۳۔ ۱۹۰۲ء) میں وفات ہوئی۔ مفصل معلومات کے لئے: واقعات دارالحکومت دہلی، ص:۴۱۶، تا ۴۱۸، ج ۲، اُور فرنگیوں کا جال امداد صابری، ص ۲۶۱، تا ۲۶۵ (طبع اوّل، دہلی: ۱۹۴۹ء)

مولانا ابوالمنصور، حضرت مولانا محمد قاسم کے دوست اور مکتوب الیہ احباب میں سے تھے۔ مولانا کی بعض کتابوں پر حضرت مولانا کی تقریظات ہیں ﴾ ملاقات ہوئی۔ مولوی منصور علی صاحب بائبل کے گویا حافظ ہیں اور ان کا طرز مناظرہ بھی جداگانہ ہے، اب ان ہی کے شاگرد بہ مقابلہ پادریوں کے دہلی میں وعظ کہا کرتے ہیں۔

میلہ خداشناسی چاندا پور میں شرکت اور تقریر دل پذیر

اتفاقات تقدیر سے ۱۲۹۳ھ بارہ سو ترانوے ہجری میں، چاند پور ﴿ مولانا محمد یعقوب نانوتوی اور متعدد اصحاب نے یہ نام "چاند پور" لکھا ہے، حضرت مولانا کی بعض کتابوں میں بھی چاند پور چھپا ہوا ہے، جو صحیح نہیں صحیح نام "چاندا پور" ہے (Chanda Pur) جو ضلع شاہ جہان پور میں ہے ﴾ ضلع شاہ جہاں پور میں کوئی تعلقہ دار ہے، پیارے لال، اصل ہندو کبیر پنتھی ﴿ کبیر پنتھی، ہندوؤں کا وہ فرقہ جو رسومات اور طور طریقوں میں کبیر (پیدائش ۱۴۶۸ء/ موت ۱۵۱۸ء۔ مدفن مگھر ضلع بستی) کو اپنا گرو مانتا ہے، کبیر اور اس کے ماننے والوں کا مرزا قتیل نے ہفت تماشا (اُردو ترجمہ ڈاکٹر محمد عمر، ص ۵۹، ۶۲، دہلی ۱۹۶۸ء) میں ذکر کیا ہے، سوامی دیانند سرسوتی نے بھی کبیر پر تبصرہ کیا ہے، ستیارتھ پرکاش (اُردو ترجمہ) ص ۳۴۳، ۳۴۴ [چودھواں ایڈیشن، آریہ پرتی ندھی سبھا، پنجاب۔ ۱۹۶۱ء] نیز دیکھئے، سہ روزہ دعوت نئی دہلی کا ہندوستانی مذاہب نمبر۔ مضمون: ہندومت اور ان کے فرقے، از محمد احمد صاحب، ص ۱۵۲، (دہلی: ۱۹۹۳ء) ﴾ ہے اس کو شاید میل نصرانیت کی طرف ہوا، اس نے ہندو پنڈت اور

پادری نصاریٰ اور عالم مسلمانوں کو جمع کرنا چاہا، کہ باہم ایک گفتگو ہو اور تحقیق مذہبی کا ایک میلہ قائم کیا اور میلہ خدا شناسی ﴿**میلہ خدا شناسی یا جلسہ تحقیق مذاہب** کا سلسلہ کا غالباً عیسائی مشنری کے منصوبوں کا ایک حصہ تھا، وقفہ وقفہ سے اس قسم کے کئی جلسے علیحدہ علیحدہ مقامات پر منعقد کئے گئے تھے، مگر یہ اللہ تعالیٰ کا خاص کرم و فضل رہا، کہ تمام جلسوں میں علمائے اسلام سر بلند و ممتاز رہے، (**فالحمد للّٰہ ولھم الجزاء**) یہ جلسہ ضلع شاہجہاں پور کے گاؤں، سر بانگ پور میں جو چاندا پور کے قریب ہے، دریا کے کنارے منشی پیارے لال اور پادری نولس (..........) کے مشورہ اور اشتراک سے ہوا، پہلا جلسہ ۷ مئی ۱۸۷۶ء (۱۲/ ربیع الثانی ۱۲۹۳ھ) سے شروع ہوا، اس جلسہ میں شرکت کے لئے حضرت مولانا کے رفقاء، مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن دیوبندی (شیخ الہند) مولانا حکیم رحیم اللہ بجنوری دیوبند اور بجنور سے امام فن مناظرہ، مولانا سید ابوالمنصور اور مولانا سید احمد علی وغیرہ دہلی سے روانہ ہو کر سہارن پور آئے، حضرت مولانا محمد قاسم اور حضرت کے خادم سب ساتھ تھے، ۶ مئی کی صبح شاہ جہان پور پہنچے تھے۔ سفر کی کچھ تفصیل گفتگوئے مذہبی یا واقعہ میلہ خدا شناسی کے شروع میں درج ہے۔ (مطبع ضیائی، میرٹھ: ۱۲۹۳ھ)﴾ اس کا نام رکھا۔ بریلی اور وہاں کے اطراف کے لوگوں نے مولوی صاحب کو اطلاع کی، مولوی صاحب نے سامان سفر درست کیا اور روانہ ہوئے، اور دہلی سے مولوی منصور علی صاحب کو بلوایا اور یہاں سے بعضے اور لوگ ساتھ روانہ ہوئے۔ شاہ جہاں پور پہنچے اور وہاں سے اس گاؤں میں پہنچے۔ اوّل گفتگو کے باب میں اور اس کے وقت مقرر کرنے میں ایک بحث رہی، پھر آخر گفتگو ہوئی، طرز گفتگو (کا) نہ تھا بلکہ ہر شخص اپنی باری پر کچھ بیان کرتا تھا، ہر چند وقت متعین تھا، مگر مولوی صاحب نے ابطال تثلیث و شرک اور اثبات توحید ایسا بیان کیا، کہ حاضرین جلسہ مخالف و موافق مان گئے۔ ﴿حضرت مولانا کی یہ تقریر غیر معمولی تھی اور ہر جگہ کچھ ایسے اصحاب ضرور موجود ہوتے ہیں، جو جلسہ میں تقریروں کے وزن کو جانچ سکتے ہیں، اور ان کے متعلق دیانت دارانہ صاف رائے دے سکتے ہیں۔ میلہ خدا شناسی میں حضرت مولانا نے جو کچھ فرمایا ہے

اس کی سب انصاف پسند شرکاء نے تحسین کی، گفتگوئے مذہبی کے آخر میں کئی ہندو پنڈتوں کے کلمات تحسین درج ہیں۔ ملاحظہ ہو ص: ۳۸۔۴۲ ﴾ کیفیت اس جلسہ کی چھپی ہوئی ہے، جو کوئی چاہے دیکھے، مولانا کی تقریر اس میں مندرج ہے۔ آخر میں حسب عادت پادریوں نے بحث تقدیر پیش کی، پادری جب عاجز آتے ہیں یہی مسئلہ پیش کیا کرتے ہیں، مولانا نے اس مشکل مسئلہ کو ایسا بیان فرمایا کہ عام وخاص کو بخوبی سمجھ میں آ گیا۔

چاندا پور شاہ جہاں پور کا دوسرا سفر اور مباحثہ

اگلے سال یعنی ۱۲۹۴ھ میں پھر اس جلسہ کی خبر ہوئی ﴿ ۱۲۹۲ھ (مئی ۱۸۷۵ء) کے جلسہ میں حضرت مولانا کی تقریر کا اس قدر چرچا ہوا اور سامعین کو اس قدر متاثر کیا، کہ اس قسم کا ایک اور جلسہ کرنے کا مشورہ اور اِصرار ہوا، دوسرے جلسہ کے لئے ۱۹۔۲۰ مارچ ۱۸۷۷ء/ ۳،۴ ربیع الاوّل ۱۲۹۴ھ) تاریخیں مقرر ہوئیں، اس سال علاوہ پادریوں کے، ہندوؤں کے مذہبی رہنماؤں، بڑے پنڈتوں کو بھی آنے کی دعوت دی گئی، سب پہنچے اور حسب پروگرام ۱۹/ مارچ ۱۸۷۷ء (۳ ربیع الاول ۱۲۹۴ھ) کی صبح جلسہ گاہ میں آ گئے، نام وَر علماء میں، حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا عبدالمجید صاحبان، پادریوں میں سے پادری نولس اور پادری واکر صاحبان اور ہندو رہنماؤں میں سے پنڈت دیانند سرسوتی اور منشی اندرمن، اپنے اپنے مذاہب کے نمائندہ اور مناظر طے کئے گئے۔ اس جلسہ میں بھی خاصی ہوشیاری برتی گئی تھی مگر یہاں بھی فضل الٰہی کا خاص ظہور ہوا اور حضرت مولانا کی تقریر اور جوابات سب مذاہب کے لوگوں میں اَوّل رہے۔ اس مناظرہ میں حضرت مولانا کی تقریر اور مباحثہ کی رُوداد ''مباحثہ شاہ جہاں پور'' کے نام سے بار بار چھپی ہے ﴾ پھر مولانا تشریف لے گئے۔ اس سال میں مجمع ہنود میں، ایک بہت بڑے پنڈت دیانند سرسوتی نام آئے تھے۔ ﴿**سوامی دیانند سرسوتی**: ہندوستان کے مشہور ہندو مذہبی مفکر، ستیارتھ پرکاش، رگوید اوّی بھاشیہ بھومکا کے مصنف اور ہندوؤں کی ایک طاقت ور، پرجوش تحریک آریہ سماج کے بانی تھے۔ سوامی دیانند کے کئی مسلمان علماء سے مباحثے اور مناظرے ہوئے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی بھی شامل تھے۔

سوامی دیانند کا مول شنکر پسر امبا شنکر موروی نام، نزد احمد آباد، گجرات وطن تھا، بعد میں سوامی دیانند کے نام سے شہرت ہوئی ۱۸۲۴ء (۱۲۳۹ھ) میں پیدا ہوئے۔ایک واقعہ کی وجہ سے مورتی پوجا سے نفرت ہوئی، پنڈت (سوامی ذُر جانند) سے وید وغیرہ پڑھے، ہندو مذہب کی تبلیغ کے لئے پورے ملک کا سفر کیا۔ ۱۸۷۴ء (۹۱-۱۲۹۰ھ) میں آریہ سماج قائم کی اور باقی زندگی اس کو ترقی دینے میں گزار دی۔ ۳۰ ر اکتوبر ۱۸۸۳ء (ذی الحجہ ۱۳۰۰ھ) کو دنیا سے گذر گئے۔تفصیلات کے لئے دیکھئے، مکمل جیون چرتر سوامی دیانند، مرتبہ لکشمن، مطبوعہ، یونین اسٹیم پریس، لاہور: (جو پنڈت لیکھ رام، آریہ مسافر کے مسودات سے مرتب کی گئی) اس کی پہلی اشاعت میرے سامنے ہے، بلاسنہ۔

ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب سوامی دیانند کی تحریر و تالیف نہیں۔ یہاں یہ وضاحت کر دینے میں کوئی حرج نہیں کہ ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب، جس میں اسلام پر اعتراضات کئے گئے ہیں، سوامی دیانند کا لکھا ہوا نہیں ہے، یہ باب سوامی دیانند کی موت کے بعد، ستیارتھ پرکاش میں اضافہ کیا گیا۔سوامی دیانند کی زندگی میں ستیارتھ پرکاش صرف ایک مرتبہ ۱۸۷۵ء میں سنسکرت میں چھپی تھی، (یہ نسخہ بھی محفوظ ہے، راقم سطور نے دیکھا بھی ہے) موجودہ نسخوں میں جو ترمیمات و اضافات ہوئے ہیں، ان کی لالہ لاجپت رائے نے مدلل نشان دہی کی ہے اور اس پر ناپسندیدگی بھی ظاہر کی ہے۔دیکھئے: مہارشی سوامی دیانند اور ان کا کام۔لالہ لاجپت رائے، حصہ دوم، باب سوامی دیانند کی تصنیفات از ص: ۴۹۶ تا: آخر (طبع اوّل، لاہور ۱۸۹۸ء) ﴾

ہر چند نو ایجاد مذہب ان کا توحید اور اِنکار بت پرستی میں اور عام ہنود کی نسبت جداگانہ ہے ﴿سوامی دیانند سرسوتی اور آریہ سماج، اُصولاً بت پرستی میں یقین نہیں رکھتے، مگر خود پنڈت دیانند سرسوتی نے ستیارتھ پرکاش میں تفصیل سے لکھا ہے، کہ وہ ہندو مذہب کے اُصولوں اور آواگون (Awagoon) وغیرہ کو مانتے تھے، (جیسا کہ مولانا محمد یعقوب نے ذکر کیا ہے) نیز دیکھئے: سوامی دیانند کا جیون چرتر .... وغیرہ﴾ مگر وید ﴿وید ہندوؤں کے خیال کے مطابق، ہندو مذہب کا قدیم ترین سرمایہ ہے۔وید کی حقیقت اس کے مصنفین و مرتب کرنے والوں کے زمانہ اور ان کی صحیح تعداد کی تفصیل و تحقیق میں، ہندو مصنفین و مفکرین کا بھی سخت اختلاف ہے، بہ دیگر اں

چہ رسد! بعض معلومات کے لئے دیکھئے: مضمون: وِید کا تعارف، از محمد احمد صاحب (ہندوستانی مذاہب نمبر دعوت دہلی) ص: ۲۱، ۳۴﴾ کے ایمان اور بعضے اور مسائل جیسے آوا گون وغیرہ میں برابر ہیں ﴿سوامی دیانند، اُردو تو دُور ہے، سادہ ہندی بھی بہت کم جانتے تھے، سنسکرت لکھتے تھے، سنسکرت ہی بولتے تھے، ستیارتھ پرکاش اور سوامی کی سب تالیفات بلکہ اکثر تقریریں، سوال و جواب اور خط و کتابت، سب سنسکرت میں ہوتی تھی﴾ تقریر اس شخص کی اکثر الفاظ سنسکرت کے ساتھ ملی ہوئی تھی، اس لئے دُشواری ہوئی مگر مولوی محمد علی صاحب ﴿مولانا محمد علی بچھرانواں ضلع مرادآباد وطن تھا، غالباً پٹھان برادری سے وابستہ تھے ۱۲۳۴ھ (۱۸۱۹ء) میں پیدا ہوئے، تعلیم کے بعد ۱۸۳۳ء (۴۹-۱۲۴۸ھ) میں ملازمت شروع کی۔ مختلف عہدوں پر کام کرنے کے بعد ۱۸۴۹ء (۱۲۶۵ھ) میں تحصیلدار مقرر کئے گئے۔ جون ۱۸۷۶ء (جمادی الاولی، جمادی الثانی ۱۲۹۳ھ) میں ملازمت سے پنشن پائی، ۱۸۸۷ء (۱۳۰۵ھ) میں وفات ہوئی۔

مولانا محمد علی کا قلم رواں اور علم حاضر تھا، اسلام اور عقائد اسلام پر، ہر ایک اعتراض کے جواب کے لئے، تاحیات سینہ سپر رہے، اُدھر کوئی اعتراض ہوا، کتاب چھپی، اِدھر جواب تیار! اس زمانہ میں منشی اندرمن مرادآبادی اسلام کے خلاف مسلسل لکھ رہے تھے، مولانا محمد علی نے ان کی سب کتابوں کے مفصل جوابات لکھے، ہندوؤں کے رَد میں مولانا کی کتابوں میں سے: **سوط اللّٰہ الجبار، فتح المبین علی جمیع الشیاطین، سیف اللّٰہ القہار علی رؤس الکفار، اور ظفر مبین علی جمیع الشیاطین** بہت اہم اور لائق مطالعہ ہیں۔ جناب امداد صابری اور ان کے اتباع میں متعدد تذکرہ نگاروں نے لکھ دیا ہے کہ یہ کتابیں عیسائیت کے رَد اور جواب میں ہیں، مگر یہ اطلاع صحیح نہیں، مذکورہ پانچوں تالیفات ہمارے ذخیرہ میں موجود ہیں، یہ تمام کتابیں ہندوؤں خصوصاً منشی اندرمن کی کتابوں کی تردید میں ہیں۔ لالہ اندرمن مرادآباد کے رہنے والے، مشہور ہندو مناظر تھے، جو کچھ دِنوں کے لئے آریہ سماج میں بھی شامل رہے، بعد میں سوامی دیانند سے اختلاف کی وجہ سے الگ ہوگئے تھے۔ لالہ اندرمن کے حالات اور تصانیف اور ان کے جواب میں لکھی ہوئی کتابوں کے لئے دیکھئے: سوامی دیانند کا جیون چرتر، ضمیمہ ص ۴۵ تا ۶۱۔

مولانا محمد علی نے عیسائیت کے رَد میں بھی مسلسل لکھا اور سرسید احمد کی تردید میں بھی برسہا برس صرف کئے۔ سرسید کی تفسیر اور تفردات کی تردید میں ''**البرهان علی تجهیل من قال بغیر علم فی القرآن**'' دو جلدوں میں ہے۔ کان پور سے سرسید احمد خان کے مذہبی خیالات کی تردید میں نور الافاق چھپتا تھا، مولانا محمد علی اس کے بھی سرگرم معاون، علمی سرپرست اور مضمون نگار تھے۔ (نور الافاق کی فائل ہمارے ذخیرے میں موجود ہے) مزید معلومات کے لئے: فرنگیوں کا جال امداد صابری، ص ۲۸۳، اور ماہ نامہ ندائے شاہی (مدرسہ شاہی مراد آباد نمبر) ص: ۲۷۴) ﴾ جو بہ مقابلہ مذہب ہندو مشہور ہیں، انہوں نے کچھ اس کا جواب کہا، پھر مولانا نے بحث وجود اور توحید کا ذکر کیا اور ایسا بیان کیا کہ حاضرین کو سوائے سکوت، اس کے استماع کے اور کام نہ تھا، پھر کچھ گفتگو تحریف کی ہوئی۔

یہ بھی بحمد اللہ تعالیٰ اِلزام تحریف کا ان کے اِقرار سے ثابت ہوا، حتیٰ کہ پادری لوگ عین جلسہ میں سے ایسے بے سروپا بھاگے کہ ٹھکانہ نہ معلوم ہوا، اپنی بعض کتابیں بھی بھول گئے۔ ﴿ مباحثہ شاہ جہاں پور کے مرتب نے بھی یہی لکھا ہے، تحریر ہے:

''مولوی صاحب اور موتی میاں صاحب اور نیز اہل اسلام نے ہر چند اصرار کیا کہ زیادہ نہیں، دو چار منٹ جو چار بجنے میں باقی ہیں، انہیں میں ہم کچھ کہہ لیں گے، مگر پادری صاحبوں نے ایک نہ سُنی، اہل اسلام کا غلبہ یوں تو تقریرات گذشتہ سے ثابت ہی تھا، پر یہ اِنکار و اِصرار ان کے غلبہ اور عیسائیوں کی شکست کے لئے ایسا ہوگیا، جیسا غنیم کا میدان سے بھاگ جانا ہوا کرتا ہے۔ پھر اس پر طرہ یہ ہے کہ اس سراسیمگی اور پریشانی میں، جو رَنج پنہائی کے باعث پادریوں کو لاحق تھا، پادری لوگ اپنی بعض کتابیں بھی وہیں چھوڑ گئے، ان کو اُٹھانے کی بھی ہوش نہ رہی''۔ مباحثہ شاہ جہاں پور، ص ۸۶ (مطبع قاسمی دیوبند: ۱۳۳۴ھ) ﴾

اس جلسہ سے جناب کامیاب واپس آئے اور نصرت دین اسلام کہ تابقیامت منصور رہے گا، ان کی ذات سے پوری ظاہر ہوئی اور ان دو سال کے جلسوں میں عام مخلوق نے جان لیا کہ یہ شخص کس پایہ کا ہے اور فضل الٰہی کی کیا صورت ہوا کرتی ہے۔

''جز بتائید آسمانی نیست'' کا نقشہ ظاہر ہوگیا حتیٰ کہ پادری بھی بول اُٹھے کہ:

''اگر تقریر پر ایمان لایا جاتا تو یہ تقریر خوش، ایسی لطیف اور دِل میں اثر کرنے والی ہے کہ اس پر ایمان لایئے۔ ﴿مولوی عبدالوہاب صاحب بریلوی نے خود حضرت مولانا محمد قاسم سے کہا، کہ ایک پادری سے میری ملاقات ہے۔ غالباً یہ وہی پادری فریک (ہے جو) مولانا (محمد قاسم) سے مباحثہ کرنا چاہتا تھا، وہ مولانا کی تقریر کے بعد کہتا تھا:

''یہ تو ہم نہیں کہہ سکتے کہ وہ حق کہتے تھے، پر اگر تقریر پر ایمان لایا کرتے تو اس شخص کی تقریر پر ایمان لے آتے''۔ (میلہ خداشناسی، ص ۴۱ (مطبع ضیائی میرٹھ ۱۲۹۳ھ)﴾

مگر ایمان جس کے نصیب میں ہے، وہی اس سے مشرف ہوتا ہے، ورنہ حق واضح ہے۔ کیفیت اس میلہ کی وہاں سے آکر مرتب ہوگئی تھی مگر اتفاق طبع کا نہ ہوسکا، اب کہ مرض اور وقت آخر تھا، طبع اس کا شروع ہوا!

اب اُمید ہے کہ ختم ہوکر مشتہر ہو اور سب صاحب اس سے مستفید ہوں ﴿مباحثہ شاہ جہاں پور اس رُوداد کا نام مباحثہ شاہجہاں پور ہے، جو مولانا فخر الحسن نے مرتب کی تھی، مگر یہاں یہ وضاحت بلکہ انکشاف ضروری ہے کہ اس کی اصل تقریر جو خود حضرت مولانا محمد قاسم نے لکھی تھی، وہ قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ''احوال وآثار و باقیات'' [تالیف: نور الحسن راشد کاندھلوی۔ طبع اوّل کاندھلہ ولاہور: ۱۴۲۱ھ۔ ۲۰۰۱ء] میں شامل ہے۔

مباحثہ شاہ جہاں پور مولانا فخر الحسن گنگوہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیو بند کی تصحیح اور اہتمام سے، مطبع احمدی (دہلی) میں مولانا احمد حسن خاں کی نگرانی میں پہلی بار چھپی تھی۔ یہ نسخہ ۱۲۹۹ھ میں چھپنا شروع ہوا تھا اور ۲۶/ ربیع الاول ۱۳۰۰ھ (۵ فروری ۱۸۸۳ء) کو اس کی ترتیب اور (غالباً ساتھ ہی) طباعت بھی مکمل ہوئی﴾ اس وقت میں سنا تھا کہ غالباً حاجت کسی تحریر کی پیش کرنے کی بھی ہوگی، اس پر مولوی صاحب نے وہیں بیٹھ کر کچھ تحریر کیا تھا اور اس کا نام ''حجۃ الاسلام'' رکھا ہے۔ وہ کتاب طبع ہوگئی ہے۔ ﴿حجۃ الاسلام، پہلی مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی کی حسن توجہ سے، مطبع فاروقی دہلی سے چھپی، اس نسخہ پر سنِ طباعت درج نہیں، مگر یہ نسخہ ناقص و ناتمام

تھا، حجۃ الاسلام کے آخری صفحات کا کچھ حصہ بعد میں ملا، اس کو مولوی عبدالاحد نے اپنے مطبع مجتبائی دہلی سے اگست ۱۸۹۵ء (صفر ۱۳۱۳ھ) میں تتمہ حجۃ الاسلام کے نام سے شائع کیا تھا، یہ ضمیمہ صرف بارہ صفحات پر مشتمل ہے، مگر یہ بھی ناتمام ہے۔ مولوی عبدالاحد نے لکھا ہے:

''افسوس ایک حصہ تقریر کا اب بھی باقی رہ گیا اور ہاتھ نہ لگا، ناچار جہاں تک فقرہ ختم ہوتا تھا، ختم کردیا گیا، ناظرین معاف فرمائیں''۔ ص:۱۲، تتمہ۔

یہی عبارت مولانا محمد یحییٰ کاندھلوی کی چھاپی ہوئی، حجۃ الاسلام کے آخر میں بھی درج ہے، (مطبع بلالی، ساڈھورہ، بلا سنہ) راقم سطور کی معلومات میں حجۃ الاسلام کا سب سے عمدہ نسخہ وہ ہے، جو شیخ الہند مولانا محمود حسن کے اضافہ کئے ہوئے عنوانات [اور تصحیح کے بعد] پہلی مرتبہ مطبع احمدی علی گڑھ سے ۱۳۰۰ھ میں چھپا تھا، یہی نسخہ دوبارہ مطبع قاسمی دیوبند سے مولانا قاری محمد طیب اور قاری محمد طاہر کے اہتمام سے، ۱۳۴۶ھ میں شائع ہوا، بعد میں اور اداروں نے بھی شائع کیا۔

آخری سفر حج

پھر اسی سال اِرادہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کا حج کو جانے کا تھا۔ یہ سفر حضرت مولانا گنگوہی، حضرت مولانا نانوتوی ان کے رفقاء اور متوسلین خاص کا بہت اہم بلکہ غیر معمولی سفر تھا، جو اس وقت رُوس اور خلافت عثمانیہ ترکی میں جاری جنگ کی وجہ سے خلافت عثمانیہ کی حمایت بلکہ عملی جدوجہد (جہاد) میں شرکت کے خیال سے ہوا تھا، مگر مکہ معظمہ میں پہنچ کر معلوم ہوا کہ پلونا (Plona) پر رُوس کا قبضہ ہوگیا، اس خبر سے سب کو سخت صدمہ ہوا اور وہ اِرادہ مجبوراً مگر افسوس کے ساتھ ختم ہوگیا۔ احقر بھی تیار ہوا، اور چلتے میں مولانا کو بھی ساتھ لے ہی لیا، اور مولوی صاحب کے ساتھ اور کچھ کتنے ہی معتقد و خادم، آپ کے ساتھ روانہ ہوئے، شوال ۱۲۹۴ھ میں روانہ ہوئے اور ربیع الاوّل ۱۲۹۵ھ اس سفر کا آغاز جیسا کہ مولانا محمد یعقوب صاحب نے لکھا ہے، ۱۰ شوال ۱۲۹۴ھ (پنج شنبہ ۱۸/اکتوبر ۱۸۷۷ء) کو وطن سے روانگی کے ساتھ ہوا، یہ بڑا قافلہ تھا، جس کی سرپرستی حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی فرما رہے تھے، ممتاز شرکاء میں مولانا محمد قاسم اور مولانا محمد یعقوب کے علاوہ، مولانا محمد مظہر، مولانا رفیع الدین، مولانا

سخاوت علی انبیٹھوی، مولانا محمد اسماعیل (غالباً کاندھلوی، جھنجھانوی یا گنگوہی؟) سوانح قاسمی ص: ۳۲، ج: ۳، بھی شریک تھے، اٹاوہ ہوتے ہوئے بمبئی پہنچے، بمبئی سے یکم ذی قعدہ (۷ نومبر) کو جہاز سے روانہ ہوکر ۱۴ ذی قعدہ ۱۲۹۴ھ (۲۰ نومبر ۱۸۷۷ء) کو جدہ کے ساحل پر اُترے۔ مکتوب مولانا محمد یعقوب نانوتوی بنام منشی محمد قاسم نیانگری (نیانگر جس کو اب بیاور کہتے ہیں) مکتوب ۲۸ /محررہ ۹/ شوال، بیاض، یعقوبی ص ۷، نیز بیاض یعقوبی ص: ۱۵۰، ۱۵۱۔

جدہ سے اُونٹوں کے ذریعہ سے دو دِن میں مکہ مکرمہ پہنچے، اُونٹ پر مولانا محمد منیر نانوتوی، حضرت مولانا کے ردیف و رفیق تھے۔ مکہ معظمہ سے غالباً ۲۵ ذی الحجہ ۱۲۹۴ھ (۳۱/ دسمبر ۱۸۷۷ء) کو مدینہ پاک حاضری کے لئے رخصت ہوئے، پچیس دن مدینہ طیبہ میں حاضر رہے، مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے اور چند دنوں کے بعد ہندوستان کے لئے روانہ ہوگئے۔ مولانا عاشق الٰہی میرٹھی نے تذکرۃ الرشید ص ۲۲۹، تا ۲۴۱، ج: ۱ (عکس طبع اوّل، ۱۹۲۶ء) میں اس سفر کا مفصل ذکر کیا ہے ﴾ کے اوّل میں، پھر اپنے وطن واپس آئے۔

اس سفر میں تمام قافلہ علماء کا تھا، اٹھارہ بیس مولوی فاضل ساتھ تھے اور عجب لطف کا مجمع تھا۔ حضرت کی زیارت سے اور ان متبرک مکانوں کی زیارت سے مشرف ہو کر، جب واپس ہوئے، جدہ پہنچ کر مولانا صاحب کو بخار ہوگیا۔ یہ خیال ہوا کہ جدائی ایسے بزرگ اور بزرگ مقاموں کے اور پیادہ زیادہ چلے اور کچھ پہلے حج سے بھی طبیعت ناساز تھی [یہ بیماری اس کا اثر ہے]

سفرِ حج سے واپسی میں جہاز کی مشقت اور بیماری کی ابتداء

جدہ پہنچتے ہی جہاز پر سوار ہوگئے، اس جہاز کا لنگر اُٹھنے والا تھا اور جہاز کی خبر، عشرہ بلکہ دو ہفتہ تلک گمان تھا، اس لئے یہ خیال کیا کہ پندرہ روز میں بمبئی جا پہنچیں گے اور اتنی تکلیف اُٹھالیں گے، واقعی اس جہاز میں اتنی ہی تکلیف ہوئی، جتنی جاتے بار کے جہاز میں آسائش و راحت پائی تھی، دو روز جہاز پر چڑھے ہوئے تھے، کہ مولانا کو دورہ صفراء معمولی ہوا اور بخار بھی۔ وہاں نہ جگہ راحت کی، نہ دوا، نہ کچھ تدبیر مرض کی شدت

ہوئی، ایک دن یہ نوبت ہوئی کہ ہم سب مایوس ہو گئے۔ ﴿حضرت مولانا کی جہاز میں سخت بیماری اور مایوسی کی حالت کا، مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط میں بھی ذکر کیا ہے، جو اس سفر سے واپسی کے پچیس دن بعد محمد قاسم نیانگری کو لکھا تھا، اس میں تحریر ہے: ''اثنائے راہ میں جہاز میں طبیعت جناب مولانا محمد قاسم صاحب مدظلہ کی بہت بیمار ہوگئی تھی، ایسا کہ ایک روز نوبت یاس پہنچ گئی تھی، مگر فضل الٰہی نے دستگیر فرمائی اور مرض رفع ہوا، مگر ضعف ایسا ہوگیا ہے کہ اب تلک طاقت نے بحالت اصلی عود نہیں کیا، اب بھی ادنیٰ تکان سے حرارت ہو جاتی ہے''۔ (مکتوب نمبر ۴۶، بیاض یعقوبی، ص ۹۶)﴾ اور جہاز میں وَباء تھی، ہر روز ایک دو آدمی انتقال کرتے تھے۔

عدن میں قرنطینہ اور مکلہ میں قیام اور صحت کی بگڑتی کیفیت

عدن پہنچے وہاں قرنطینہ ﴿قرنطینہ (Quarantine) وہ جگہ یا مرکز جہاں کسی وباء اور عام مرض کے اثرات دُور کرنے کا انتظام کیا جاتا ہو۔ پچھلے زمانہ میں وبائی بیماریوں کی کثرت تھی، اس لئے ہندوستان سے جو لوگ حج کو جاتے تھے یا دوسرے ملکوں کا سفر کرتے تھے، ان کے لئے مختلف بندرگاہوں اور دریائی راستوں پر، عارضی قیام گاہیں اور ہسپتال بنے ہوئے ہوتے تھے، وہاں پر ایک جہاز یا کشتی کے تمام مسافروں اور ان کے سامان کو اُتار کر، بھپارہ دیا جاتا تھا، وباء یا بیماری کے متوقع جراثیم دُور کئے جانے اور وہاں تین دن سے بیس پچیس دن تک ٹھہرنے اور اطمینان کے بعد، اگلے سفر کیلئے اجازت اور سامان ملتا تھا﴾ ہوگیا۔ یعنی بہ سبب مرض نہ جہاز کے آدمی کنارہ پر اُتر سکے اور نہ شہر کے آدمی جہاز پر آسکے بعد پھر مکلہ میں قدرے قیام کیا، وہاں سے البتہ نیبو (لیموں) بکنے آئے وہ لئے، تربوز اور گلاب اور بعض ادویہ جہاز میں مل گئی تھیں، جہاز کے ڈاکٹر نے کونین [Dr, Ne Kaunen] دی اور مرغ کا شوربہ غذا کو کہا، وہاں مرغ کہاں میسر ہوتا، آخر مرغ بھی اپنے پاس سے دیا۔

مولانا کو دورہ میں غذا سے نفرت مطلق ہو جاتی تھی، اب کچھ رغبت شروع ہوئی، بمبئی ایسے پہنچے کہ بیٹھنے کی طاقت دُشواری سے تھی، دو تین روز ٹھہر کر وطن کو روانہ ہوئے، ہر چند موسم سرما تھا، مگر جبل پور کے میدانوں میں دوپہر کو لُو چلنے لگی اور مولانا کی

طبیعت بگڑی، خیر الحمد للہ! اس وقت نارنگی، نیبو (لیموں) یہ چیزیں پاس (تھیں) کھلایا، پانی پلایا، وطن پہنچنے کے بعد مرض رفع ہوا، گو نہ طاقت آئی مگر کھانسی ٹھہر گئی ﴿اس موقع پر اپنی بیماری اور سخت کھانسی کا، خود حضرت مولانا محمد قاسم نے بھی، سوامی دیانند سرسوتی کے نام ایک خط میں، ان الفاظ میں ذکر و اظہار فرمایا ہے:

''کم ترین ہیچمدان محمد قاسم ایک عرصہ سے کھانسی میں مبتلا تھا، کھانسی کی یہ شدت تھی کہ بعض اوقات بات کرنی دُشوار تھی'' مکتوب محررہ ۱۰ر اگست ۱۸۷۸ء (۱۰/ شعبان ۱۲۹۵ھ) از رڑکی، مشمولہ جیون چرتر سوامی دیانند سرسوتی، ص ۵۲۱، (طبع اوّل لاہور: غالباً ۱۸۹۸ء)۔

مولانا فخر الحسن گنگوہی نے بھی ''انتصار الاسلام'' کے تمہید میں اس کی وضاحت کی ہے:

''کہ پنڈت جی نے سمجھا کہ اب تو معتقدین میں اپنی ہوا بندھ گئی ہے، کوئی شرط لگاؤ کہ گفتگو کی نوبت نہ آئے، اور چونکہ مولانا مرحوم بیمار ہیں اس لئے نہ وہ آئیں گے نہ گفتگو ہوگی، نہ اپنی ہوا بگڑے گی۔ الغرض چونکہ جناب مولانا کو بخار آتا تھا اور خشک کھانسی کی یہ شدت تھی، کہ بات بھی پوری کرنی مشکل ہوتی تھی اور ضعف کی وہ نوبت تھی، کہ پچاس سو قدم چلنے سے سانس اُکھڑ جاتی تھی، اور یہ مرض وضعف بقیہ اس مرض کا سخت تھا، جو اِسی سال میں مکہ معظمہ سے آتے وقت جہاز میں پیش آیا تھا''۔ (انتصار الاسلام، ص ۳، (مطبع اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ھ)﴾ اور کبھی کبھی دورہ سانس کا ہوتا، زیادہ دیر تلک کچھ فرمانا مشکل ہوگیا، پھر اسی میں بھی کسی قدر تخفیف ہوئی۔

پنڈت دیانند سرسوتی کے اعتراضات کے جوابات اور مناظرہ کے لئے رُڑکی کا سفر

اسی سال شعبان میں رُڑکی سے خبر ملی کہ پنڈت دیانند تشریف لائے ہوئے ہیں اور مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض مشتہر کئے ہیں۔ ﴿سوامی دیانند سرسوتی ۲۹ جولائی ۱۸۷۸ء (۲۸ رجب ۱۲۹۵ھ) کو رُڑکی پہنچے تھے اور اسی دن سے اپنی تقریروں (ویاکھیان......) کا کام شروع کر دیا تھا، چوتھے دن کی تقریر میں سوامی کے سوانح نگار کے بقول:

''قوی سے قوی اعتراض جو مذہب اسلام پر ہو سکتے ہیں کئے'' جیون چرتر سوامی دیانند ص:

۵۱۵) ﴾اہل رُڑکی مولانا کو مجبر ہوئے کہ آپ تشریف لاویں، مولانا باوجود ضعف اور مرض تشریف لے گئے اور بہت سے خادم ساتھ ہوئے۔﴿حضرت مولانا نے حالات کا جائزہ لینے اور معلومات کے لئے مولانا فخر الحسن گنگوہی، مولانا محمود حسن (شیخ الہند) مولانا عبدالعدل پھلتی کو پہلے بھیج دیا تھا، بعد میں جب حضرت مولانا صاحب رُڑکی رونق افروز ہوئے، تو حاجی عابد حسین دیوبندی اور حکیم مشتاق احمد دیوبندی مولانا کے ہمراہ تھے۔تمہید ''انتصارالاسلام''، مرتبہ مولانا فخر الحسن گنگوہی (طبع اوّل، اکمل المطابع، دہلی: ۱۲۹۸ء) ارواح ثلثہ میں ہے کہ منشی نہال احمد دیوبندی اور شاہ جی عاشق علی دیوبندی (وفات ذی الحجہ ۱۳۰۹ھ جولائی ۱۸۹۳ء) بھی اس سفر میں ساتھ تھے، اَرواحِ ثلاثہ ص ۲۳۶۔) یقیناً اور بھی کئی خادم اور علماء ساتھ ہوں گے، مگر ان کا ذکر راقم کو نہیں ملا﴾ اور اَطراف و جوانب سے بہت سی مخلوق، مولانا کی تقریر کے اشتیاق میں جمع ہو (گئی) مگر وہ بندہ اللہ کا گفتگو پر پکا نہ ہوا۔﴿حضرت مولانا نے اپنے سفر رُڑکی، پنڈت جی سے مناظرہ کے اِرادہ، نیز پنڈت کے گریز و فرار کی رُوداد، یوں قلم بند فرمائی ہے: ''آخر رجب (۱۲۹۵ھ) میں پنڈت دیانند صاحب نے رُڑکی میں آکر، سر بازار مجمع عام میں مذہب اِسلام پر چند اِعتراض کئے۔حسب طلب بعض احباب اور نیز بہ تقاضائے غیرت اسلام، یہ ننگ اہل اسلام بھی شروع شعبان میں وہاں جا پہنچا اور آرزوئے مناظرہ سولہ سترہ روز وہاں ٹھہرا رہا، ہر چند چاہا کہ مجمع عام میں پنڈت جی سے اعتراض سنوں اور بالمشافہ بعنایت خدا وندی، اسی وقت ان کے جواب عرض کروں، مگر پنڈت جی ایسے کاہے کو تھے، جو میدان مناظرہ میں آتے جان چھڑانے کے لئے وہ وہ داؤ کھیلے کہ کاہے کو کسی کو سوجھتے ہیں''۔تمہید قبلہ نما ص:۱، نیز تمہید ''انتصارالاسلام'' اور سوامی کا جیون چرتر (جس میں حضرت مولانا صاحب کی سوامی جی سے خط وکتابت بھی درج ہے) ص ۵۲۰ تا ۵۵۵۔﴾ اینڈی، بینڈی﴿اینڈی بینڈی ٹیڑھی میڑھی، اِدھر اُدھر کی﴾ شرطیں کرتا تھا، جس سے: عاقلاں خودمی دانند، اس کی نیت سمجھ میں آتی تھی آخر غرض وہ چلدیا اور مولانا نے وہاں ایک وعظ کہا اور اس کے اعتراضوں کے جواب ذکر فرمائے۔﴿حضرت مولانا نانوتوی کی ان تقریروں کا خلاصہ، مولانا عبدالعلی میرٹھی نے

جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کردیا تھا، جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں۔اس رسالہ کا تعارف آئندہ حاشیوں میں آرہا ہے﴾

رُڑکی سے واپسی کے بعد قبلہ نما کی تالیف

پھر واپس دیوبند تشریف لاکر رمضان وطن میں کیا ﴿حضرت مولانا رڑکی میں سترہ دن ٹھہرنے کے بعد ۲۳/شعبان کی رات میں رڑکی سے واپس ہوئے۔دیوبند منگلور قیام فرماتے ہوئے، ۲۷/شعبان ۱۲۹۵ھ (۲۷/اگست ۱۸۷۸ء) کو نانوتہ پہنچ گئے تھے﴾ اور اس عرصہ میں تحریر، اس تقریر کی شروع کی جو اس کے جواب میں فرمائی تھی، اصل اعتراض اس کا استقبال قبلہ پر تھا، کہ یہ بت پرستی ہے، اس رسالہ کا نام ''قبلہ نما'' ہے، بہت بڑے حجم کا رسالہ ہے۔ ﴿قبلہ نما، مولانا فخر الحسن گنگوہی کی توجہ اور نگرانی میں مطبع اکمل المطابع، دہلی سے رجب ۱۲۹۸ھ میں شائع ہوا تھا۔''انتصار الاسلام اور قبلہ نما دونوں سوامی جی کے اعتراضات کے جواب میں، حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے تصنیف فرمائی تھیں﴾

پنڈت دیانند کا میرٹھ کا سفر اور مولانا کی میرٹھ روانگی

پھر پنڈت دیانند کہیں پھر پھرا کر میرٹھ پہنچے ﴿حضرت مولانا کے سفر میرٹھ کی تاریخ سوامی دیانند سرسوتی، ۳مئی ۱۸۷۹ء (۱۰رجمادی الاوّل ۱۲۹۶ھ) کو میرٹھ آئے تھے، چندروز کے بعد حضرت مولانا محمد قاسم کو بھی، مسلمانان میرٹھ نے میرٹھ آنے کی زحمت دی۔مولانا ۱۰مئی کو میرٹھ تشریف فرما ہوئے، ۱۰رتاریخ سے شرائط مناظرہ کی بات شروع ہوگئی تھی، مگر سوامی جی یہاں بھی اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔مباحثہ پر تیار نہیں ہوئے۔تفصیلات کے لئے: جیون چرتر سوامی دیانند ۶۵۶، ۶۶۴﴾ اور وہاں وہی اس کے دعوے تھے، واقعی جس کو شرم نہ ہو، جو چاہے کرے، اتفاقاً جناب مولوی صاحب بھی اس روز میرٹھ کا اِرادہ فرما رہے تھے، کہ وہاں سے (بعضے) صاحبوں نے بلانے کے باب میں تحریک کی، غرض مولانا میں ہر چند مرض کی بقیہ اور ضعف کے سبب قوت نہ تھی، مگر وہی ہمت، آخر وہی بہانہ حیلہ کر کر، وہاں سے بھی وہ کافور ہوگیا۔اعتراضات کے جوابات میں وہاں بھی، اس کا جواب

ویسے ہی، مولانا نے کچھ بیان فرمایا ﴿حضرت مولانا نانوتوی صاحب کی ان تقریروں کا خلاصہ مولانا عبدالعلی میرٹھی نے جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے مرتب کردیا تھا، جس میں سوامی دیانند اور آریوں کے اعتراضات کے جوابات ہیں، اس رسالہ کا تعارف آرہا ہے﴾ اور پھر کچھ تحریر شروع کی، جس کو مولوی عبدالعلی صاحب ﴿مولانا عبدالعلی میرٹھی مولانا عبدالعلی خلف شیخ نصیب علی فریدی، میرٹھ کے قصبہ عبداللہ پور کے رہنے والے تھے۔ حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پور، مولانا فیض الحسن سہارن پوری اور حضرت مولانا محمد قاسم وغیرہ سے تعلیم حاصل کی، حضرت مولانا کے ممتاز شاگردوں اور مستفیدین میں شمار ہے۔

مدرسہ عربی دیوبند (دارالعلوم) میں مدرس چہارم کی خدمت سے عملی تدریسی زندگی کا آغاز ہوا، دارالعلوم کے بعد مظاہر علوم سہارن پور میں مدرس دوم کے عہدہ پر تقرر ہوا، مولانا محمد مظہر کی وفات (۱۳۰۲ھ) کے بعد قائم مقام صدر مدرس ہوگئے تھے۔ ۱۳۰۶ھ میں مدرسہ شاہی میں مدرس اعلیٰ نامزد کیے گئے، ۱۳۱۴ھ میں دارالعلوم دیوبند میں دوبارہ تقرر ہوا، ۱۳۱۷ھ میں دیوبند سے مدرسہ حسین بخش دہلی منتقل ہوئے اور غالباً ۱۳۲۰ھ میں مدرسہ عبدالرب دہلی میں شیخ الحدیث مقرر ہوئے اور تاحیات اسی منصب پر فائز اور خدمت حدیث میں مشغول رہے۔ ۱۳ر جمادی الاوّل ۱۳۴۷ھ ......۲۹ر اکتوبر ۱۹۲۸ء کو وفات ہوئی، قبرستان مہندیان دہلی میں دفن کیے گئے۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

بے شمار علماء مولانا کے شاگردوں میں تھے، جواب ترکی بہ ترکی مولانا کی قلمی یادگار ہے۔

مزید معلومات کے لئے ماہنامہ ندائے شاہی مراد آباد مدرسہ شاہی نمبر: ص ۳۰۴ تا ۳۱۶۔ اور مقامات خیر، مولانا زید ابوالحسن فاروقی، ص ۴۳۵، ۴۴۳ (دہلی: ۱۳۹۵ھ)﴾ نے بطرزِ جواب لکھا، اور نام جواب ترکی بہ ترکی رکھا۔ ﴿میرٹھ میں سوامی دیانند اور آریہ سماجیوں کی طرف سے جو اِعتراضات ہوئے تھے، ان کے جواب میں مولانا عبدالعلی میرٹھ نے، جو حضرت مولانا کے شاگرد تھے، حضرت مولانا کے افادات مرتب کر کے، جواب ترکی بہ ترکی کے نام سے شائع کیے۔ (طبع اوّل، مطبع ہاشمی، میرٹھ، محرم ۱۲۹۷ھ)﴾ پنڈت کے بعضے معتقدوں نے کچھ تحریر بجواب مولانا، بے سروپا لکھی تھی، اور کچھ اُوٹ پٹانگ، مسلمانوں کے مذہب پر اعتراض کیے تھے، یہ رسالہ اس کے جواب میں ہے۔

مرض کا پھر حملہ اور مستقل بیماری جو مرض وفات ہوئی

اور اس عرصہ میں چند بار جلد جلد وہی دورہ ہوا، کئی بار صورت سانس کی سی ہوگئی، پھر اللہ جل شانہٗ نے تخفیف فرمادی۔ یوں خیال تھا کہ اب یہ مرض ٹھہر گیا، غالبًا آخر دورہ ہے۔ ہر چند صحت اور نجات کی اُمید پوری نہ تھی، کیونکہ علاج ہر قسم کے ہوتے، صورت آرام کی نہ ہوتی۔ یونانی طبیبوں نے ہر قسم کا علاج کیا، ڈاکٹروں نے ہر طرح سے تدبیر کی، ہندی اَدویہ کُشتے رَس وغیرہ برتے مگر مرض رفع نہ ہوا۔ دو برس اسی کیفیت پر گذر گئے، کہ گاہ کچھ صورت تخفیف کی ہوکر، قدرے طاقت آئی اور پھر دورہ سانس کا ہوا، اور صورت ضعف کی ہوگئی، ایک روز کے مرض میں کبھی کبھی کی طاقت سلب ہوجاتی تھی، اور مولانا صاحب نے برخلاف عادت اس مرض میں جو علاج ہوا اس کو قبول کیا، جو دَوا کھلائی کھالی، جو تدبیر کسی نے اس کو کرلیا، البتہ مزاج لطیف ونفیس تھا، ویسی ہی دوا کو پسند فرماتے اور بعد عرض کرنے خدام کے جو دَوا ہوتی، استعمال فرما لیتے، کئی بار مسہل بھی ہوا، سردست تخفیف ہوجاتی تھی مگر جڑ مرض کی نہیں جاتی تھی۔

حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبندی ﴿حکیم مشتاق احمد صاحب دیوبند کے رہنے والے، حضرت مولانا محمد قاسم کے معاصر، متوسل و مرید اور نہایت جاں نثار تھے۔ اکثر اوقات مولانا کی خدمت میں گذارتے تھے، اور کبھی کبھی سفر میں ساتھ بھی رہتے اور مولانا کے راحت و آرام کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھتے تھے، محلہ دیوان کے دروازہ کے سامنے مکان خرید کر، حضرت مولانا کی نذر کیا۔ حضرت مولانا کی وفات کے فوراً بعد، اپنا ایک قطعہ زمین قبرستان کے لئے وقف کیا، جس میں حضرت مولانا کو دفن کیا گیا، اسی کو قبرستان قاسمی کہتے ہیں۔ ۱۲۹۸ھ (۱۸۸۱ء) میں دارالعلوم کی مجلس شوریٰ کے رُکن بنائے گئے ۱۳۰۹ھ تک شوریٰ کے رُکن رہے، دارالعلوم کی صد سالہ زندگی، قاری محمد طیب، ص ۱۰۲ (دیوبند: ۱۳۵۸ھ) بہ ظاہر ۱۳۰۹ھ میں وفات ہوئی، حکیم صاحب کے مفصل حالات نہیں ملے﴾ آخر تلک مصروف رہے اور ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن صاحب مظفرنگری ﴿ڈاکٹر حافظ عبدالرحمٰن، مظفرنگر کے باشندے اور رائیں برادری کے فرد تھے،

[اب ان کے بعض اخلاف خود کو فاروقی لکھنے لگے ہیں، جو صحیح نہیں ہے۔] حضرت حاجی امداداللہ سے بیعت تھے، حضرت گنگوہی کے اہم ترین خلفاء میں شمار کئے جاتے تھے، حضرت نانوتوی سے بھی بہت گہرا تعلق تھا، سرکاری ڈاکٹر تھے، اپنے فن میں مہارت کی وجہ سے ڈاکٹروں کے علاوہ نیز اس خطہ کے علماء اور اکابر میں بھی محترم تھے۔ آخر عمر میں حجاز ہجرت کر گئے تھے، مدینہ منورہ میں ۲۹ رمضان المبارک ۱۳۲۶ھ (۱۹۰۸ء) کو وفات ہوئی، جنت البقیع میں دفن کئے گئے، تاریخ وفات کے لئے دیکھئے: تذکرۃ الرشید ص: ۱۶۰، ج ۲﴾ نے علاج میں کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، مگر تقدیر سے چارہ نہیں اور موت کا کچھ علاج نہیں اور وقت مقدر ٹلتا نہیں، اگر دَوا اور تدبیر بے شک مولانا کو صحت ہوتی، وہ دوائیں مولانا کے لئے میسر ہوئی، کہ جو اُمراء کو بھی شاید بہ دشواری میسر آویں، اور ویسا علاج ہوا کہ جو بادشاہوں کو بھی شاید ہی نصیب ہو۔ کہاں طمع اور خوف کی بات اور کہاں عقیدت قلبی۔

آخری بیماری

آخر کی صورت مرض کی یہ ہوئی، کہ جناب مولوی احمد علی صاحب ﴿حضرت مولانا احمد علی خلف شیخ لطف اللہ انصاری سہارن پوری۔ برصغیر کے جلیل القدر عالم، عظیم محدث، عظیم محقق ۔ مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا وجیہ الدین سہارن پوری اور شاہ محمد اسحاق سے تعلیم حاصل کی، مکہ معظمہ میں شاہ محمد اسحاق کی خدمت میں حاضر رہ کر خاص استفادہ کیا۔ تمام عمر درس حدیث اور کتب حدیث کی تصحیح و تحقیق میں مشغول رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی، مولانا محمد یعقوب، مولانا محمد مظہر، اور دیو بند و سہارن پور کے علاوہ، برصغیر کے سینکڑوں علماء کو حضرت مولانا سے تلمذ حاصل ہے۔ حضرت مولانا احمد علی برصغیر ہند بلکہ عالم اسلام میں وہ پہلے شخص تھے، جنہوں نے حدیث شریف کی بنیادی کتابوں کے متون کی غیر معمولی محنت اور برسوں کی جاں کا ہی کے بعد تصحیح کی، ان پر نہایت اعلیٰ درجہ کے حاشیے لکھے اور ان کو چھپوایا۔ حضرت مولانا کے حاشیے اور تصحیح کئے ہوئے نسخے آج تک پورے برصغیر بلکہ اور بھی ملکوں میں ذریعہ ہدایت و نور بنے ہوئے ہیں، فجزاہ اللہ تعالیٰ و رحمہ﴾ کو فالج ہو گیا تھا، اس میں سہارن پور تشریف

لے گئے اور حافظ عبدالرحمٰن صاحب کو مظفر نگر سے بلایا تھا، اسی روز گئے اور پھر شام کو واپس ریل میں آئے، تھکان کے سبب طبیعت علیل ہوگئی۔ مگر چند روز کے بعد صحت ہوگئی، جب قوت آئی، علاؤ الدین ﴿مولانا محمد یعقوب کے فرزند، صفر ۱۲۷۸ھ (اگست، ستمبر ۱۸۶۱ء) میں پیدا ہوئے، قرآن شریف حفظ تک تمام درسیات مدرسہ دیو بند (دارالعلوم) سے مکمل کیں، حضرت مولانا محمد قاسم سے بھی پڑھا۔ دارالعلوم سے سند فضیلت حاصل کی، مدرسہ کے ممتاز اور جید فارغین میں شمار کیا جاتا تھا، اور دیکھنے والوں کا خیال تھا کہ علم وعمل میں مولانا محمد یعقوب کے جانشین اور وارث ہوں گے۔ اچانک شب عید (ستمبر ۱۸۸۴ء) کو ہیضہ میں مبتلا ہوئے اور اسی رات میں آخرت کے سفر پر روانہ ہوگئے، دیو بند میں تکیہ شیخ لطف اللہ میں، مشرق کی طرف نیچے چبوترے پر دفن کئے گئے۔ بیاض یعقوبی، ص ۱۵۲۔ (طبع اوّل: ۱۲۲۹ء)﴾ بندہ زادہ کی استدعا پر، کچھ پڑھانا بھی شروع کیا، بعد عصر کچھ ترمذی کی ایک دو حدیث ہوتی، جب تلک کھانسی نہ اُٹھتی بیان فرماتے رہتے اور جب کھانسی کم ہوتی، تب ذرا ٹھہر کر بیان فرماتے اور جب شدت ہو جاتی، موقوف فرما دیتے۔

آخری سفر، مرض وفات اور رحلت

پھر اسی عرصہ میں سہارن پور کا قصد کیا اور جناب مولوی احمد علی صاحب کو، تخفیف اصل مرض میں ہوگئی تھی، مگر بخار اور ضعف شدید تھا۔ مولوی صاحب ٹھہرنے کے باعث ہوئے، دو ہفتہ وہاں قیام فرمایا، اور اتنا قیام خلاف عادت تھا، وہاں دورہ ہوا، اور ساتھ ہی اس کے ذات الجنب ﴿ذات الجنب: درد پہلو، پلیوریسی (Pleresy) ڈاکٹر غلام جیلانی خاں نے اس کے تعارف میں لکھا ہے: ''ابتداء میں پہلو کے کسی مقام پر عموماً پستان کے نیچے جکڑن اور چبھن معلوم ہوتی ہے، رفتہ رفتہ درد بڑھتا جاتا اور سانس کے ساتھ محسوس ہوتا ہے، سانس جلد جلد اور درد کو شدت ہوتی ہے، آخر کار مریض مارے درد کے سینہ کو حرکت نہیں دیتا بلکہ صرف پیٹ سے سانس لیتا ہے''۔ مخزن حکمت ص: ۷۸۸، لاہور: ۱۹۰۷ء﴾ بھی ہوا، یہاں دوسرے دن خبر ہوئی۔ اسی روز حافظ انوار الحق صاحب ﴿حافظ انوار الحق، غالباً خلف سید

منصب علی بن کریم بخش مراد ہیں، جو مولانا سراج الحق (وفات: ۱۳۰۲ھ،۱۸۸۴ء) اور منشی سید فضل حق (وفات: ۱۳۱۵ھ، ۹۸۔۱۸۹۷ء) کے بڑے بھائی تھے۔تذکرہ سادات رضویہ دیو بند، سید محبوب رضوی ص:۳۶، (دیو بند: ۱۳۹۴ھ) ﴾ روانہ ہوئے اور صبح کو مولوی صاحب کو ریل میں لے آئے، مگر آئے کیا، سانس نہ آتا تھا، ناچار فصد لی درد موقوف ہوا، پھر کچھ درد کا اثر معلوم ہوا، اس کے لئے جونک لگائی، دو تین دن طبیعت صاف رہی، اس عرصہ میں دہلی سے کچھ دوائیں مقوی آئی تھیں، ان کا استعمال ہوا۔

ضعف نہایت تھا، بات کرنی دُشوار تھی، اس میں حرارت کو شدت ہوگئی اور اب کچھ غفلت ہو جاتی تھی، اوّل ایک مُلّین دیا تھا، رائے ہوئی کہ پھر مُلّین دیا جاوئے، مُلّین دیا، دو دَست ہو کر غفلت کو شدت ہوئی، ظہر کے وقت تلک جواب دیتے تھے مگر ہوش نہ تھی، یہاں تک کہ نماز کے لئے کہا، تو سوائے اُچھا کے اور کچھ نہ کر سکے، نہ تیمّم کی طرف توجہ ہوئی، نہ نماز کی طرف، تب ایک صورت یاس کی ہوئی، یہ منگل کا دن تھا، اُخیر روز میں وہ جواب بھی موقوف ہوگیا، اور ایک تشنج کی آمد شروع ہوئی، اس کو نزع سمجھا اور یوں جانا کہ اب وقت آخر ہے، مگر وہ رات اور دن اور اَگلی رات اور دو پہر، جمعرات کے، اسی کیفیت پر گذرے۔

وفات

اس وقت میں سب احباب امروہہ، مرادآباد، میرٹھ، سہارن پور، گنگوہ، نانوتہ، وغیرہ سے جمع ہو گئے تھے۔ چوتھی جمادی الاولیٰ سن بارہ سو ستانوے جمعرات ﴿ صحیح تاریخ وفات: حضرت مولانا کی یہی تاریخ وفات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ پنج شنبہ (۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء) صحیح ہے، بعض معتبر تذکرہ نگاروں کے یہاں اور بعض قریبی ذرائع میں اور تاریخیں بھی درج ہیں، مگر وہ فرو گذاشت ہے۔اس پر اعتماد درست نہیں ﴾ کو بعد نماز اچانک دَم آخر ہو گیا، ایک قیامت قائم ہوگئی، گھر میں وسعت نہ تھی، مدرسہ میں لاکر جنازہ رکھا اور بعد غسل وکفن، بیرون شہر ایک قطعہ زمین کا، حکیم مشتاق احمد صاحب نے خاص قبرستان کے لئے، اسی وقت وقف کر دیا،

وہاں اوّل مولانا کو دفن کیا۔ مغرب سے پہلے نماز ہوئی، باہر شہر کے میدان میں نماز ہوئی، اتنا مجمع ان بستیوں میں کبھی دیکھنے کا اتفاق نہ ہوا تھا، بعد مغرب دفن کیا اور اس خزانہ خوبی (یہ فقرہ سَنِ وفات ہے، مگر صحیح نقل نہیں ہوا۔ "ہائے خزانہ خوبی" مکمل فقرہ تاریخ ہے، جس کے اعداد (۱۲۹۷ھ) ہوتے ہیں) کو سپرد زمین کر دیا اور ہاتھ جھاڑ کر چلے آئے۔

مولانا کی وفات کا حد سے زیادہ غم

مولوی صاحب کے انتقال کا سا غم واَلم کبھی نہیں دیکھا تھا، ایک ماتم عام تھا۔ ہر چند شور وغوغا اور سر پیٹنا اور کپڑے پھاڑنا نہ تھا، کیونکہ برکت وصحبت مولانا جتنے لوگ تھے، حدودِ شرعی سے باہر نہ ہوتے تھے۔ مگر ایسا غم عام ہم نے دیکھا نہ سُنا۔ اللہ تعالیٰ درجات عالی جنت میں نصیب فرمائے اور جوارِ خیر میں جگہ دیوے۔

حضرت مولانا گنگوہی کا آنا، رَنج واَلم کی کیفیت اور واپسی

جناب مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی سلمہ کو منگل کے روز خبر کی، دوپہر سے پہلے مولوی صاحب تشریف لائے، اور جمعہ کے روز سہارن پور تشریف لے گئے۔ مولوی صاحب کو یہ ایسا صدمہ ہوا ہے کہ اس سے زیادہ کیا متصور ہو۔ ایسے ضابط مگر سکوت اور نماز میں اکثر گزرتی رہی، مولوی صاحب کی طبیعت پہلے سے بھی ناساز تھی اب یہ صدمہ ہوا۔

وفات حضرت مولانا احمد علی محدث

سہارن پور پہنچ کر شنبہ کے روز جناب مولوی احمد علی صاحب (حضرت مولانا احمد علی، شنبہ ٦ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۸ھ/ ۱۷/اپریل ۱۸۸۰ء وفات ہوئی تھی، عیدگاہ کے قریب قبرستان میں دفن کیے گئے، مختصر حالات کے لئے ملاحظہ ہو: راقم سطور کا مضمون حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری پر، نیز مضامین مشمولہ امداد المشتاق (طبع اوّل: ۱۹۸۱ء)) کا انتقال ہوگیا۔ یہ آفت اور مصیبت پر مصیبت ہوگئی، مگر مولوی صاحب کے صدمہ کے جانب اور مقابلہ میں یہ صدمہ بہت ہی کم ہوگیا، ورنہ اللہ جانے اس کا کتنا صدمہ ہوتا۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ کی وفات کے وقت

حضرت مولانا کے بچوں کی عمریں

جناب مولوی صاحب نے دو صاحبزادے چھوڑے، ایک میاں احمد، جن کی عمر اٹھارہ برس کی ہے، شادی ہوگئی طالب علمی میں مصروف ہیں، بحمد للہ ذہن عمدہ، طبیعت تیز، مزاج سنجیدہ ہے۔ مولانا کے قدم بقدم خداوند تعالیٰ کرے اور ویسی شہرت اور عزت نصیب کرے اور صلاح وتقویٰ اور نشر علم وخیر، ان کی ذات سے فرماوے۔

چھوٹے صاحبزادے میاں محمد ہاشم، آٹھ برس کی عمر بہت ذی ہوش، مستقیم مزاج ہیں۔ قرآن شریف حفظ کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ کمالات ظاہری اور باطنی نصیب فرمائے۔ ﴿حافظ احمد اور محمد ہاشم دونوں کا تعارف گذر گیا ہے﴾

حضرت کی بیٹیاں اور ان کے شوہر، دُختر اوّل

اور تین صاحبزادیاں ہیں، ایک بی بی اکرامن ﴿اکرام النساء، دختر حضرت مولانا محمد قاسم، مولانا محمد یعقوب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ (۱۸۷۶ء) سنہ ولادت معلوم ہوتا ہے، مولانا عبداللہ انصاری انبیٹھوی سے نکاح ہوا، کئی اولادیں ہوئیں، بعض معلومات کے لئے سوانح قاسمی، حاشیہ......ص: ۵۰۵، از مولانا قاری محمد طیب صاحب، ج ا﴾ یہ سب سے، میاں احمد سے بھی بڑی ہیں، مولوی صاحب کی اوّل اولاد یہی ہیں، نکاح ان کا جناب مولوی صاحب نے، میاں پیر جیو مولوی عبداللہ صاحب ﴿مولانا عبداللہ انصاری، خلف مولانا انصاری علی انبیٹھوی، مولانا محمد یعقوب نے اپنے ایک خط مرقومہ ۸ جمادی الاولیٰ ۱۲۸۸ھ مکتوب :۱۹) میں مولانا عبداللہ کی عمر بیس اکیس سال لکھی ہے، اگر یہ اندازہ صحیح ہے تو مولانا عبداللہ کی تقریباً ۶۸۔۱۲۶۷ھ میں ولادت ہوئی ہوگی۔ اپنے والد ماجد، مولانا محمد یعقوب اور مولانا محمد قاسم سے تعلیم حاصل کی، ۱۲۸۷ھ میں دارالعلوم سے فارغ ہوئے، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری سے اجازت حدیث حاصل کی۔ حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، مثنوی شریف

پڑھی اور خلافت سے نوازے گئے۔ گلاؤٹھی اور تھانہ بھون میں مدرس رہے، علی گڑھ ایم اے او کالج کے شعبہ دینیات کے ناظم مقرر ہوئے اور تا حیات اسی عہدہ پر کام کرتے رہے۔

مولانا عبداللہ انصاری کی متعدد تالیفات ہیں، حضرت نانوتوی کی تالیف ''اجوبۂ اربعین'' میں نصف حصہ مولانا انصاری کی نگارشات کا ہے، مولانا نانوتوی کے مولانا انصاری کے نام خطوط بھی دستیاب ہیں۔ مولانا انصاری کے بیٹوں میں سے مولانا محمد میاں عرف منصور انصاری (وفات ۱۳۶۵ھ) ۱۹۴۶ء) معروف ہیں، مفصل معلومات کے لئے رجوع فرمایئے، راقم سطور نور الحسن کاندھلوی کا مضمون ''ایم، اے، او، کالج کے سب سے پہلے ناظم دینیات، مولانا عبداللہ انبیٹھوی'' مشمولہ ''ناموران علی گڑھ'' (دوسرا شمارہ: ۱۹۸۶ء) ص: ۳۹۹ تا ۴۱۶۔ اور اسی موضوع پر راقم کی ایک تالیف: ''مولانا عبداللہ انصاری، احوال و خدمات اور علمی آثار جو ۲۰۰۶ء میں علی گڑھ سے چھپی ہے، ڈھائی سو صفحات پر مشتمل ہے ﴾ سے کیا ہے، یہ احقر کے ہمشیرہ زادہ ہیں ﴿مولانا محمد یعقوب کی بڑی بہن نجیب النساء (دختر مولانا مملوک العلی نانوتوی) مولانا عبداللہ انصاری کی والدہ اور مولانا انصار علی کی زوجہ تھیں۔ نجیب النساء کے تین بیٹے تھے، احمد حسین، عبدالرحمٰن، اور عبداللہ انصاری ﴾ اور اولاد میں شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی کے ﴿مولانا محمد یعقوب نے مولانا انصاری کو جو مولانا کے حقیقی بھانجے اور قریب ترین اہل خاندان میں سے ہیں، شاہ ابوالمعالی انبیٹھوی (وفات: ۱۱۱۶ھ) کی اولاد میں لکھا ہے، مگر یہ صحیح نہیں۔ مولانا عبداللہ کا نسب سیدنا حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے وابستہ ہے اور شاہ ابوالمعالی سادات حسینی میں سے تھے، مولانا عبداللہ انصاری کا شاہ ابوالمعالی سے واحد رابطہ یہ ہے کہ مولانا کے جد امجد، غلام شاہ کا ابوالمعالی کی پوتی سے نکاح ہوا تھا، اس کی وضاحت مولانا خلیل احمد نے فرمائی ہے۔ دیکھئے: تذکرۃ الخلیل، از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی ص ۳۲۔۳۳ (سہارن پور: ۱۳۹۵ھ) ﴾ بیٹے مولوی انصار علی صاحب مرحوم، ﴿مولانا انصار علی خلف احمد بن قطب علی انصاری، مولانا مملوک العلی سے تعلیم حاصل کی، گوالیار میں صدر الصدور مقرر ہوئے، علمی استعداد بہت عمدہ تھی، مولانا عبداللہ اور مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کی ابتدائی تعلیم و تربیت، مولانا عبداللہ نے فرمائی تھی۔ سن ولادت و وفات معلوم نہیں۔ تذکرۃ الخلیل ص، ۳۳۔۳۸ ﴾ اور احقر سے اکثر کتابیں پڑھیں اور جناب مولوی صاحب

سے پڑھا ہے، نہایت عمدہ آدمی ہیں۔ ان کے تین لڑکیاں، اس وقت اولاد ہے ﴿ان لڑکیوں کے نام، اُمت السلام، اُمت الحنان، کلثوم تھے۔ سوانح قاسمی، حاشیہ: ۵۰۵، جلد: ا﴾ اللہ تعالیٰ ان کی نسب میں برکت کرے مولوی صاحب کی سب اولاد میں صلاح وخوبی عام ہے، اَخلاق عمدہ، مہمان نوازی عادت مستمرہ ہے۔

دُختر دوم، رُقیہ

ان سے چھوٹی بی بی رُقیہ ﴿رقیہ دُختر حضرت مولانا کی ۱۳۱۴ھ میں وفات ہوئی، مکتوبات سید العلماء (مولانا احمد حسن امروہوی) ص ۱۸۷، مرتبہ مولانا نسیم احمد فریدی (امروہہ: ۱۴۱۰ھ)﴾ ہیں، ان کا نکاح مولوی پیر جیو محمد صدیق سے کیا ہے۔ ﴿پیر جی صدیق کون تھے، راقم سطور کو صراحت نہیں ملی، غالباً اس سے مولانا صدیق احمد صاحب انبیٹھوی مراد ہوں گے، جو حضرت مولانا گنگوہی اور حضرت مولانا کے شاگرد، دارالعلوم کے فیض یافتہ طالب علم، بلند پایہ عالم، محدث اور حضرت گنگوہی کے ممتاز ترین خلیفہ تھے۔ وفات ۲۳ صفر ۱۳۴۴ھ (۱۸ر ستمبر ۱۹۲۵ء) مختصر حالات کے لئے: تذکرۃ الخلیل ص: ۲۱۸، تا ۲۲۷۔ مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے، حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمہ اللہ کی اولاد کے متعلق کچھ معلومات سوانح قاسمی کے حاشیہ میں درج فرمائی ہیں، مگر خود مہتمم صاحب نے لکھ دیا ہے کہ تمام معلومات مجھے بھی نہیں ملیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی ص: ۵۰۴، ۵۰۷، ج: ا﴾ یہ مولوی صاحب کے ماموں، مولوی امین الدین صاحب مرحوم ﴿مولوی امین الدین، خلف وجیہ الدین بن کریم بخش نانوتوی، تفصیلی حالات دریافت نہیں۔ شروع میں رئیسانہ شان اور مزاج کے شخص تھے، بعد میں حضرت شاہ عبدالغنی مجددی سے بیعت ہو گئے تو کیفیت اور ہو گئی تھی۔ شاہ عبدالغنی نے اجازت وخلافت سے نوازا۔ اپنے متوسلین کو مولوی امین الدین سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمایا کرتے تھے، ایک خط میں تحریر ہے:

"مولوی امین الدین نانوتوی سرہند میں ملیں گے، ان کی صحبت غنیمت ہے"۔ (مکتوب بنام میاں عظمت اللہ، مؤرخہ ۱۳ر محرم الحرام ۱۲۸۵ھ مکتوبات اکابر دیوبند، ص: ۴۴، دیوبند: ۱۹۸۰ء)۔

مولوی امین الدین آخر عمر میں سرہند چلے گئے تھے، وہیں گوشہ نشیں رہے، سرہند میں تقریباً

وسط ۱۲۹۶ھ میں وفات ہوئی ﴾ کے نواسے ہیں اور اولاد میں حضرت شیخ عبدالقدوس گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ﴿حضرت شیخ عبدالقدوس نعمانی شاہ آبادی ثم گنگوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان کے ممتاز ترین مشائخ اور اہل اللہ میں سے تھے، وفات ۹۴۵ھ اخبار الاخیار،، فارسی ص: ۲۵۵ (دہلی: ۱۲۷۲ھ) ﴾ کے ہیں۔ نہایت نیک اور سنجیدہ مزاج ہیں، ان کے ایک لڑکا ہے۔ جناب مولوی صاحب نے دونوں لڑکیوں کا نکاح بالکل سنت کے موافق کیا، بدون اطلاع کسی کے، جمعہ کے بعد جمعہ نکاح کر دیا، البتہ جناب مولوی رشید احمد صاحب کو بلوایا تھا، اور ان کو غالباً اطلاع فرمادی تھی، اور کسی کو خبر نہ دی تھی اور نہ کچھ جہیز وغیرہ کا فکر کیا، مگر بعنایت خداوندی دونوں کے پاس زیور کپڑا، جیسے ہماری برادری میں ہوا کرتا ہے، موجود ہے۔ نہایت خوش وخرم گذران ہے، اللہ کا شکر اور احسان ہے۔

دُختر سوم، عائشہ

چھوٹی صاحبزادی بی بی عائشہ، ان کی عمر چار برس کی ہے۔ ﴿عائشہ کی ولادت: مولانا یعقوب صاحب کی اطلاع کی روشنی میں تقریباً ۱۲۹۳ھ میں ہوئی ہوگی، مولانا قاری محمد طیب صاحب نے، ان کے شوہر کا نام نہیں لکھا، تحریر ہے کہ عائشہ زندہ ہیں مگر لاولد ہیں۔ حاشیہ سوانح قاسمی، ص ۵۰۴، ج:۱، یعنی محترمہ عائشہ صاحبہ ۱۳۷۳ھ تک حیات تھیں، ان کی عمر اَسّی (۸۰) سے متجاوز ہوئی ﴾ مولوی صاحب کو ان سے بہت محبت تھی، بخلاف اور اولاد کے۔ مولوی صاحب ان کو پاس بٹھلا لیتے اور ان سے باتیں کرتے، اللہ تعالیٰ عمر وصلاح نصیب فرما وے، یہ اس عمر پر بہت ہوشیار اور خوش مزاج ہیں، اللہ تعالیٰ اور مزید فرما دے۔

حضرت مولانا کے چند خاص شاگرد اور ان میں عمدہ ترین

جناب مولوی صاحب سے بہت لوگوں کی نسبت شاگردی ہے، مگر عمدہ ان میں سے ایک مولوی محمود حسن صاحب ﴿(شیخ الہند) حضرت مولانا محمود حسن خلف مولانا ذوالفقار علی عثمانی دیوبند ۱۲۶۸ھ/ ۱۸۵۱ء میں تولد ہوئے، میاں جی منگلوری سے قرآن شریف کا اکثر حصہ پڑھا، فارسی اور عربی کی ابتدائی درسیات مولانا مہتاب علی سے پڑھیں، متوسطات سے ملا محمود خلف مولانا سید ممتاز

علی دیوبندی سے جو حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی کے شاگرد بھی تھے اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ علیہ سے تعلیم مکمل۔ ذی قعدہ ۱۲۸۹ھ میں دستارِ فضیلت سے نوازے گئے، اور مدرسہ عربی (دارالعلوم) میں معین مدرس مقرر ہو گئے۔ ۱۳۰۵ھ میں صدر مدرس نامزد ہو گئے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم اور قافلۂ علماء کے ساتھ ۱۲۹۴ھ میں پہلی بار حج کی سعادت نصیب ہوئی، اسی سفر میں حضرت شاہ عبدالغنی سے سند حدیث ملی اور حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے۔

جمادی الثانی ۱۳۳۳ھ (مئی ۱۹۱۵ء) میں دوسرے اور مشہور ترین سفر حج کے لئے روانہ ہوئے، حج کے بعد ۲۱ ذی الحجہ ۱۳۳۳ھ جدہ سے مدینہ منورہ کیلئے نکلے۔ ۲ محرم الحرام ۱۳۳۴ھ (۱۰ ر نومبر ۱۹۱۵ء) مدینہ پاک حاضر ہوئے۔ ۱۲ ر جمادی الثانی ۱۳۳۴ھ (۱۶ ر اپریل ۱۹۱۶ء) کو مدینہ پاک سے مکہ معظمہ واپس آئے، اس وقت شریف مکہ ترکی حکومت سے بغاوت کر کے، دشمنان اسلام کا ہم نوا اور غداروں کا سردار بن چکا تھا، اس کی کوشش سے حضرت مولانا کو گرفتار کر کے مالٹا بھیج دیئے گئے، جو ایک مستقل تاریخ ہے۔ ربیع الثانی ۷ ۱۳۳ھ (دسمبر ۱۹۱۹ء) میں رہائی کا پروانہ جاری ہوا، ۷ جون ۱۹۲۰ء کو واپسی کا جہاز بمبئی پہنچا، اس وقت ہندوستان بھر میں مسرت کا سماں تھا، مگر حضرت مولانا صاحب کی صحت بہت کمزور اور خراب تھی، اس میں بھی سفر اور مصروفیت رہی، جس کی وجہ سے کمزوری اور بڑھ گئی، دہلی کے سفر میں ۱۸ ر ربیع الاوّل ۱۳۳۹ھ / ۳۰ نومبر ۱۹۲۰ء کو وفات ہوگئی، دیوبند میں تدفین عمل میں آئی۔

حضرت مولانا کی خدمات اور کارناموں کی ایک بڑی تاریخ ہے، خصوصاً ترجمہ قرآن اور تلامذہ نیز وہ شعلہ اور جوش وحرارت جو حضرت مولانا کے ذریعہ ایک بڑے طبقہ کو نصیب ہوا، بڑا بیش قیمت تحفہ ہے۔ رحمه الله تعالىٰ رحمةً واسعة مفصل معلومات کے لئے تذکرہ شیخ الہند از مولانا اصغر حسین ﴿ فرزند کلاں مولوی ذوالفقار علی صاحب دیوبند ہیں۔ اکثر کتابیں مدرسہ دیوبند میں پڑھیں اور حدیث مولانا کی خدمت میں حاصل کی اور تکمیل وہاں ہوئی، دیوبند مدرسہ کی طرف سے ان کو دستار فضیلت اوّل بار بندھی۔

دوسرے مولوی فخر الحسن صاحب گنگوہی ﴿ مولانا فخر الحسن بن عبدالرحمٰن، بن مولوی حبیب الرحمٰن انصاری سہارن پوری گنگوہی۔ سن ولادت معلوم نہیں، حضرت مولانا گنگوہی سے

تعلیم حاصل کی، مدرسہ عربیہ (دارالعلوم) دیوبند قائم ہونے کے بعد دیوبند حاضر ہوئے، مدرسہ میں اور حضرت مولانا محمد قاسم کی خدمت میں اعلیٰ کتابیں پڑھیں۔ حضرت مولانا کے ممتاز و منتخب شاگردوں میں تھے، سفر، حضر میں حضرت مولانا کے ساتھ رہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم کے علوم و افادات کی حفاظت اور ترتیب و تحریر اور اشاعت میں نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں، حضرت مولانا کی متعدد اہم ترین تالیفات کی ابتدائی اور صحیح ترین نسخے مولانا فخر الحسن کی توجہ اور کوشش سے چھپے، مولانا فخر الحسن نے حضرت مولانا کی مفصل سوانح بھی لکھی تھی، جو مفقود ہے۔

مولانا نے خدمت حدیث بھی گراں قدر انجام دی، سنن ابوداؤد کی تصحیح کی اور اس پر اور سنن ابن ماجہ پر حاشیہ لکھا، اور درس و افادہ میں مشغول رہے۔ آخر میں کان پور چلے گئے تھے، وہیں ۱۳۱۵ھ (۹۸-۱۸۹۷ء) میں وفات ہوئی۔

ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر مولانا عبدالحیٔ حسنی ص ۳۵۴، ج: ۸، حیدرآباد نیز فخر العلماء (احوال و تعارف مولانا فخر الحسن) جناب اشتیاق اظہر (کراچی: بلا سنہ) اگرچہ مؤخر الذکر تالیف علمی اور مستند مآخذ نہیں، اس سے صحیح مآخذ و اطلاعات کی جستجو کی جاسکتی ہے ﴾ ہیں، وارفتگی مزاج میں مولانا کے قدم بقدم، بلکہ کچھ بڑھ کر ہیں۔ عمدہ استعداد ہے۔ انہوں نے بھی مدرسہ دیو بند میں تحصیل کی ہے، اوّل جناب مولوی رشید احمد صاحب سے تحصیل کی تھی۔

تیسرے مولوی احمد حسن امروہوی ﴿مولانا سید احمد حسن خلف اکبر حسین امروہوی (از اخلاف شاہ ابن امروہی) ۱۲۶۷ھ میں تولد ہوئے، ابتدائی تعلیم وطن میں ہوئی، بعد میں ملک کے نام وَر علماء سے تلمذ و استفادہ حاصل رہا، حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ علیہ کے خاص بلکہ مولانا کی نظر میں اعلیٰ ترین شاگرد تھے اور اس عہد کے ممتاز محدثین، حضرت مولانا احمد علی محدث سہارن پوری، مولانا شاہ عبدالغنی، قاری عبدالرحمٰن پانی پتی سے اجازت حدیث حاصل کی۔

مولانا محمد قاسم سے بیعت ہوئے، حضرت حاجی امداد اللہ سے اجازت و خلافت پائی۔ خورجہ، امروہہ اور مراد آباد کے مدرسوں میں تعلیم و تدریس میں مشغول رہے۔ مختصر رسائل و مؤلفات علمی یادگار ہیں۔ ۲۹ ربیع الاوّل ۱۳۳۰ھ ۱۹ مارچ ۱۹۱۲ء کی شب میں طاعون میں مبتلا ہو کر وفات ہوئی۔

مزید کے لئے رجوع فرمائیں: مضمون مولانا نسیم احمد فریدی، ماہنامہ دارالعلوم دیوبند از ربیع الاوّل ۱۳۷۳ھ تا ذی الحجہ ۱۳۷۳ھ (۹ قسطیں) جو بعد میں سید العلماء کے نام سے کتابی صورت میں بھی شائع ہو چکا ہے۔ نیز نزہۃ الخواطر ص ۳۸، ۳۹، ج:۸، وغیرہ۔ ایک اور کتاب ڈاکٹر وقار احمد صاحب رضوی کی [جو حضرت مولانا احمد حسن کے پوتے ہیں] کراچی سے چھپی ہے﴾ ان سے مولانا کو کمال محبت تھی، نہایت عمدہ ذہن و ذکاء اور اعلیٰ درجہ کی استعداد ہے اور جناب مولانا سے کمال مناسبت ہے اور ان صاحبوں کے علاوہ اور بہت سے شاگرد ہیں۔

حضرت مولانا بہت کم کسی کو بیعت کرتے تھے اور اجازت بیعت (خلافت) کسی کو بھی نہیں دی

مولانا باوجود اجازت، حضرت حاجی صاحب مخدوم و مکرم قبلہ، ایک زمانہ تلک کسی کو بیعت نہ کرتے تھے، پھر آخر بہت تاکید کے بعد چند لوگ بیعت ہوئے اور بہت سے لوگ ان میں مخنتی صاحب حال ہیں، مگر مولوی صاحب نے کسی کو اجازت نہیں فرمائی۔ ﴿مختلف علماء اور تذکرہ نگاروں نے متعدد اصحاب کو، حضرت مولانا محمد قاسم رحمہ اللہ کا خلیفہ اور مجاز بیعت لکھا ہے، لیکن حضرت حاجی امداد اللہ اور مولانا محمد یعقوب اور شاہ رفیع الدین دیوبند نے تصریحات کی ہیں، کہ مولانا نے کسی کو بھی خلافت نہیں دی، اس لئے ان اطلاعات کے صحیح مآخذ پیش نظر ہونے چاہئیں۔

شاہ رفیع الدین دیوبندی نے حضرت حاجی صاحب کو لکھا تھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نے کسی کو خلیفہ نہیں کیا، مولانا کے کسی متوسل یا متوسلین کو آپ کو اجازت دے دیں، اس کے جواب میں حضرت حاجی صاحب نے جواب میں تحریر فرمایا تھا کہ:

”عزیز من، فقیران دونوں (غالباً حضرت مولانا کے وفات کے صدمہ کی وجہ سے (مبہوت العقل ہے) بعد میں اگر منظور الٰہی ہے تو لکھوں گا تم وہاں سب کے حال سے واقف ہو، جس کو ذاکر شاغل مشغول حق پاؤ اور ماسواء سے بے رغبت، اس کو اجازت دے دو، فقیر کی طرف سے بھی اجازت ہے“۔

اس کے بعد، حضرت حاجی صاحب رحمہ اللہ نے مولانا کے اہم ترین شاگردوں اور خاص

احباب، مولانا محمود حسن، مولانا فخر الحسن، مولانا سید احمد حسن، مولوی فخر الدین، منشی یٰسین کے نام لکھے ہیں، کہ یہ سب اہل معلوم ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو مکتوبات حضرت حاجی امداد اللہ بنام شاہ رفیع الدین مکتوب نمبر: ۵ مشمولہ مکتوبات اکابر دیوبند مرتبہ نورالحق عثمانی، ص ۳۳ (دیوبند: ۱۹۸۰ء)

یہاں مولانا محمد یعقوب نے یہ بھی صاف لکھ دیا ہے کہ آخر میں بیعت سے انکار فرمادیتے تھے، اس لئے حضرت مولانا سے کسی بھی خلافت کی نسبت محتاج صراحت و تحقیق ہے ﴾ اور اب آخر میں بیعت سے انکار فرمادیتے تھے، اگر کوئی طالب علم ہوا کچھ وظیفہ بتلا دیتے، جیسے مولانا رحمہ اللہ کے شاگرد اور مرید فدائی اور جاں نثار خادم ہیں، ایسے کہاں ہوتے ہیں، حالانکہ مولانا سب کے ساتھ دوستانہ اور برابری کا سا برتاؤ رکھتے تھے، بلکہ تعظیم و تکریم سے گھبراتے تھے۔ فقط

مولانا رحمہ اللہ کی تاریخ وفات پر کہے گئے، چند فقرات تاریخ

بعد انتقال جناب مولوی صاحب کی، اور بہت سی تاریخیں اکثر صاحبوں نے نکالیں، سب کا یہاں ذکر کرنا طول ہے۔ ان میں دو مادہ پسند احقر ہوئے ہیں، ان کو ذکر کرتا ہوں۔ ایک خود احقر نے نکالا ہے: کیا چراغ گل ہوا، اور اس کو نظم بھی کیا ہے، کئی طور پر۔ اور دوسرا مادّہ نہایت عمدہ، بغایت پسندیدہ مولوی فضل الرحمٰن صاحب دیو بندی ﴿ مولانا فضل الرحمٰن عثمانی دیو بندی، وفات ۱۳۲۵ھ کا تعارف گزر گیا ہے ﴾ نے بھی نکالا ہے۔ ''وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے'' مولوی صاحب نے ایک قطعہ نظم بھی فرمایا ہے۔

﴿ مکمل قطعہ تاریخ یہ ہے:

وہ غم ہے قاسم بزم ہدا کی رحلت کا — کہ جرعہ نوش الم جس سے ہر درد نہ رہے
یہ ایسا غم ہے کہ جس غم سے بزم عرفاں کا — مثال خم، فلک جام و اثر گونہ ہے
کچھ اِک زمیں ہی نہیں، زرد رنگ اس غم سے — لباس چرخ بھی ماتم میں نیلگو نہ ہے
ہے حامیان شریعت کو گر غم بے حد — تو سالکان طریقت کو اس سے دونہ ہے
کہاں ہے مدرسہ دیں کا حامی برحق — کہ ملک علم و عمل اس بغیر سونہ ہے

نہ پوچھ حال دلِ راز تشنگان علوم کہ ان کی زیست ترے ہجر میں چگونہ ہے
کیا ہے شعلۂ ہجراں نے گرجگر کو کباب تو آتش غم فرقت نے دل کو بھونا ہے
مگر مزار مقدس سے تیرے اے خوش خو! تیرے فدایوں کو صبر، ایک گونہ ہے
سر الم سے لکھی فضلی نے سن وفات وفات سرور عالم کا یہ نمونہ ہے

۱۲۹۷ھ (سوانح قاسمی، ص:۱۵۳ (دیوبند: ۱۳۷۶ھ)

یہ قطعہ تاریخ خوب صورت کتابت کیا ہوا، چند سال پہلے تک دارالعلوم دیو بند کے دفتر اہتمام میں لٹکا ہوا تھا، اب غالباً محافظ خانہ میں رکھوادیا گیا ہے ﴾

جس کا یہ ایک مصرعہ ہے اور دونوں بزرگوں کی وفات کی تاریخ عبدالرحمٰن خاں صاحب ﴾ مولانا عبدالرحمٰن خان شاکر، خلف روشن خاں لکھنوی ہندوستان میں علمی کتابوں کی نشر واشاعت اور مطابع کی تیز رفتار ترقی کا ایک بنیادی اہم نام ہے۔

مولانا عبدالرحمٰن اور مصطفیٰ خاں دو حقیقی بھائی تھے، دونوں نے لکھنؤ میں مطابع قائم کئے تھے، جو حسن طباعت، حسن معاملات میں بے نظیر تھے، مگر جب ۱۸۴۹ء میں واجد علی شاہ نے لکھنؤ کے تمام مطابع بند کرنے کا حکم دے دیا تھا، تو دونوں صاحبان لکھنؤ سے کان پور آگئے تھے، دونوں نے کان پور میں مطابع قائم کئے اور اپنی اعلیٰ روایات کے مطابق یہاں سے بھی اعلیٰ درجہ کی مطبوعات شائع کیں۔

۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں عبدالرحمٰن شروع میں اپنے بھائی کے ساتھ شریک اور ان کے پریس کے مہتمم تھے، ۱۲۷۱ھ (۱۸۵۴ء) میں مطبع نظامی کے نام سے اپنا پریس جاری کیا، صحت کے لحاظ سے اس کی مطبوعات آج تک، آنکھوں سے لگائی جاتی ہیں، خصوصاً نظامی کے چھپے ہوئے قرآن شریف صحت کی ضمانت اور ایسے بے مثال تھے کہ نظامی اور مثل نظامی قرآن شریف برصغیر میں اب تک چھپ رہے ہیں اور صحت میں سند سمجھے جاتے تھے، وذلک فضل اللّٰہ یؤتیہ من یشاء۔

حاجی عبدالرحمٰن شاکر، نہایت باکمال، بافیض، سخی، دینی خدمات میں مستعد اور کشادہ دست شخص تھے، حضرت حاجی امداداللہ اور سب بزرگوں سے قریبی روابط تھے، کان پور میں مدرسہ جامع العلوم قائم کیا تھا، جو بفضلہ تعالیٰ آج تک متحرک اور ترقی پذیر ہے۔

حاجی عبدالرحمٰن کی فرمائش پر حضرت مولانا تھانوی رحمہ اللہ کان پور گئے اور ایک عرصہ تک مدرس رہے۔ عبدالرحمٰن خاں شاکر کی ۱۳۱۴ھ (۹۷-۱۸۹۶ء) میں وفات ہوئی، حضرت حاجی امداداللہ کو نہایت غم ہوا، تعزیت میں مولانا تھانوی کو مفصل خط لکھا، جس کا حرف حرف مظہر غم اور مولانا عبدالرحمٰن شاکر کے کمالات کا گواہ ہے، اس لئے مناسب ہے کہ اس کو بتمام وکمال یہاں نقل کر دیا جائے۔ حضرت حاجی صاحب تحریر فرماتے ہیں:

"حادثہ مکرمی جناب عبدالرحمٰن خان صاحب مرحوم ومغفور سُن کر بے انتہا صدمہ ہوا، اسی حالت میں مرحوم ومغفور کے لئے مع احباب فاتحہ خوانی کی اور دُعائے طلب مغفرت ونزول رحمت بدرگاہ قاضی الحاجات کے کی۔ خداوند کریم مرحوم ومغفور کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور موردِ انعام واکرام بنائے اور ان کے ورثہ کو صبر مرحمت فرمائے اور توفیق عمل خیر عنایت کرے۔ خصوصاً عزیزی حافظ ابوسعید خاں صاحب سلمہٗ کو ان کا قدم بہ قدم بنائے، آمین یارب العالمین۔

خاں صاحب مرحوم کی ذات ماشاء اللہ عجیب خیر وبرکت کی تھی، ہزاروں اُمور حسنہ ان کی بدولت وجود پذیر ہوئے، تمام خلائق کو ان کی ذات سے دائماً نفع پہنچتا تھا، ایسے لوگوں کا دنیا سے تشریف لے جانا کوہِ اَلم گرنا ہے، ایک جہان کو ان کی جدائی کا صدمہ ہوتا ہے، اخیر زمانہ ہے، جو جاتا ہے اپنی نظیر ساتھ لے جاتا ہے۔ چراغ لے کر تلاش کیجئے، تو اس کی مثل کا پتہ نہیں لگتا ہے۔ پس ماندگان محزون وحزیں کو حسرت وافسوس کے سوا چارہ نہیں، کیا کیجئے: مقدرات الٰہی میں کسی کا اجارہ نہیں۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ (مکتوبات امدادیہ مکتوب نمبر:۳۴،ص:۴۳۰، تھانہ بھون:۱۳۹۱ھ)

عبدالرحمٰن خاں صاحب شاکر نے حضرت مولانا محمد قاسم اور مولانا احمد علی محدث کی وفات پر ایک قطعہ تاریخ کہا تھا، مولانا محمد یعقوب کا نقل کیا ہوا فقرہ تاریخ: "رضی اللّٰہ عنھما دائم" اسی کا ایک مصرعہ ہے، مکمل قطعہ تاریخ درج ذیل ہے:

آہ قاسم علی فقیہ زماں — عاشق حضرت شفیع اُمم
پنجشنبہ جمادی الاولیٰ — بچہارم روانہ شد بارم
باز احمد علی وحید العصر — حامی شرع سید عالم

در ہمیں ماہ و روز شنبہ بود	بششم در جناں نہاد قدم
ایں در علامہ زماں بودند	حاجی و فقہ داں فرشتہ شیم
در غم ایں وہ مہر شرع رسول	شد بروئے زمیں بپا ماتم
کلک شاکر نوشت ایں تاریخ	"رضی اللہ عنہمادائم"

۱۲۹۷ھ

ملاحظہ ہو: مثنوی فروع ص: ۴۷۔ مولانا عبدالکریم فروغ دیو بندی۔ بحواشی سید محبوب رضوی (طبع دوم: دیوبند: ۱۳۹۸ھ).....

ماہ نامہ دارالعلوم دیو بند میں۔ غالباً ۷۲۔۱۹۷۱ء میں حاجی عبدالرحمٰن پر مفصل مضمون چھپا تھا ﴾ مالک مطبع نظامی کان پورنے، نہایت عمدہ نکالی ہے، یہ ہے:

"رضی اللہ عنہما دائماً"

اوراحقر نے یہ مادّہ اس کے لئے پایا ہے، "مصیبت آئی مصیبت۔" فقط

اختتام

اب دُعا پر ختم کلام کرتا ہوں، یا اللہ، یارب، یا کریم، اپنے فضل عمیم وعنایت عام و تفضّل تام سے، ان حضرات کو اعلیٰ علیین میں مقام کرامت فرما۔ اور ہم پسماندوں کو ان کے طریق مستقیم ہدایت پر استقامت نصیب فرما، اسی پر زندہ رہیں، اور اسی پر مریں اوراسی پر حشر ہو۔ آمین ثم آمین! تمام شدر سالہ ہذا "۷ شوال المکرم ۱۲۹۷ھ"

﴿ یہ الفاظ: تمام شدرسالہ ہذا "۷شوال المکرم ۱۲۹۷ھ" دوسری طباعت میں موجود نہیں۔ حالات طیب مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے دوسری طباعت میں خاتمۃ الطبع کے الفاظ میں معمولی تبدیلی کی گئی ہے، جو یہ ہے: "باہتمام حافظ عبدالقدوس قدسی سپرنٹنڈنٹ وایڈیٹر مطبع کے مطبوع ہوکر مثل صبح صادق کے اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا"۔

والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم الصالحات، وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہ سیدنا و مولانا محمد و علیٰ آلہٖ و صحبہٖ برحمتک یا ارحم الراحمین ﴾

خاتمہ الطبع

بفضلہٖ تعالیٰ: رسالہ سوانح عمری متضمن حالات، فیض انتساب، کرامت مآب جناب حاجی مولوی محمد قاسم صاحب مرحوم نانوتوی، مؤلفہ جناب مولوی محمد یعقوب صاحب۔

بساعت مسعود، بتاریخ ۷ شوال المکرّم ۱۲۹۷ ہجری المقدس، مطبع صادق الانوار بہاول پور میں باہتمام حافظ عبدالقدوس سپرنٹنڈنٹ وایڈیٹر مطبع کے، مطبوع ہوکر مثل صبح صادق اپنی انوار فیض آثار سے آفاق کو منور کیا۔ فقط

ضمیمہ

تذکرہ یا حالات طیب

حضرت مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے چند حاشیے

(مرتبہ حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتوی ومولانا نذیر احمد انبیٹھوی، مہاجر مکی)

تذکرہ (یا حالات طیب) مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کی، پہلی طباعت کے چند صفحوں پر، چند مختصر حاشیے بھی چھپے ہوئے ہیں، جس میں سے چار حاشیے ابتداء میں ہیں، دو صفحہ تین پر اور دو چھ پر، دو بہت مختصر حاشیے صفحہ تیرہ اور اُنیس پر درج ہیں، کل چھ حواشی ہیں، جس میں سے پہلے مفصل تینوں حاشیے حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب کے لکھے ہوئے ہیں، آخر کے تین حاشیے، مؤلف کے علاوہ کسی اور کے ہیں۔

صفحہ تیرہ کے حاشیے کے نیچے نذیر احمد صاحب لکھا ہوا ہے، آخر کے تینوں مختصر حاشیے، بہ ظاہر مولانا نذیر احمد کی یادگار ہیں۔

مولانا محمد یعقوب اور حضرت مولانا محمد قاسم کے، قریبی لوگوں میں نذیر احمد نامی دو شخص تھے۔ نذیر احمد دیوبندی، جو میرٹھ میں حضرت مولانا محمد قاسم کے ساتھ مطابع

میں تصحیح کا کام کرتے تھے۔ دوسرے مولانا نذیر احمد انبیٹھوی۔

راقم سطور کا خیال ہے، کہ یہ حواشی مولانا نذیر احمد انبیٹھوی نے لکھے ہوں گے، جو شاہ مجید علی کے بڑے صاحبزادے اور حضرت مولانا خلیل احمد انبیٹھوی کے بڑے بھائی تھے۔

مولانا نذیر احمد صاحب نے حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ سے تعلیم حاصل کی، حدیث شریف پڑھی، حضرت حاجی امداد اللہ سے بیعت ہوئے، اجازت و خلافت سے نوازے گئے، آخری عمر میں، مکہ مکرمہ میں چلے گئے تھے، وہیں وفات ہوئی۔ ﴿مستفاد از مکتوبات حضرت مولانا گنگوہی رحمہ اللہ (غیر مطبوعہ، مملوکہ راقم سطور) وغیرہ﴾

یہ حواشی پہلی طباعت سے، اب تک تمام اشاعتوں پر متواتر چھپتے رہے ہیں، لہٰذا ان سب حاشیوں کو، اپنے اپنے موقع پر آنا چاہئے تھا، مگر غلطی سے رہ گئے، اس لئے معذرت کے ساتھ یہاں درج کئے جا رہے ہیں۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اوّل ۱۲۹۷ھ، ص۳، طبع جدید مرتبہ نور الحسن راشد کاندھلوی حاشیہ۲، ص۱۶۷)

حاشیہ نمبر (۱): ''نانوتہ ایک چھوٹا سا قصبہ، آباد ہے، اوّل نہایت آب و ہوا خراب نہ تھی، اب نہر کے سبب آب و ہوا وہاں کی، نہایت خراب ہوگئی اور آبادی میں بھی کمی آ گئی۔ دیوبند سے بارہ کوس غرب میں اور سہارن پور سے پندرہ کوس جنوب میں اور گنگوہ سے نو کوس شرق میں اور دہلی سے چار منزل ساٹھ کوس شمال میں''۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اوّل، ص:۳) طبع جدید حاشیہ ۴، ص:۱۷۰

حاشیہ نمبر (۲): ''جناب مولوی صاحب کی پیدائش کا سن تاریخی، نام سے معلوم تھا اور مہینہ اور تاریخ محفوظ نہ تھا، میرا یاد ربیع الثانی یا جمادی الثانی تھا اور تاریخ محفوظ رہی نہیں اور جن جن صاحبوں پر، اس کے معلوم ہونے کا گمان تھا، ان سے پوچھا کہ کسی نے مختلف بیان کیا۔ ایک صاحب نے پندرہویں شعبان کہا، مگر میرے ماموں صاحب، جناب حکیم صاحب نے اس کو تغلیط کی اور ایک نے اُنتیسویں رمضان اور ایک صاحب نے ستائیسویں محرم اور یہ بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔ فقط محمد یعقوب''

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اوّل ص:۶، طبع جدید، ص:۱۷۶

حاشیہ نمبر (۳): "۱۲۵۷ھ بارہ سو ستاون ہجری میں، حضرت جناب مولانا محمد اسحاق صاحب اور جناب مولانا محمد یعقوب صاحب نے، کہ دونوں نواسے اور جانشین مولانا شاہ عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ کے تھے، اچانک اِرادہ ہجرت کا کیا۔

ذی قعدہ میں شاید روانہ ہوگئے، دہلی میں اندھیرا ہوگیا، اور آپ صاحبوں کے ساتھ ایک بہت بڑا قافلہ عرب کو روانہ ہوا تھا۔ دیکھ کر، حضرت والد مرحوم کو بھی دھیان حج ہوا، خفیہ تدبیر رخصت اور سامان سفر کی کرتے رہے۔ آخر جب رخصت ایک سال کو مل گئی اور سرکار نے براہ قدر دانی آدھی تنخواہ بھی دی۔

جب ۱۲۵۸ھ میں وطن سے روانہ ہوئے اور اوّل ذی الحجہ مکہ پہنچے، زیارت حرمین سے فارغ ہوکر، برس دن میں پھر دہلی پہنچ، اس وقت یہ سفر جلد ہونے میں عجیب سمجھا۔ رخصت کے دن پورے ہو چکے تھے، وطن نہ آ سکے، ذی الحجہ میں جب چھٹی سالانہ ہوئی، وطن تشریف لائے اور مولوی صاحب کو دہلی ساتھ لے گئے"۔

تذکرہ مولانا محمد قاسم (طبع اوّل، ص۱۳) طبع جدید ص:۱۹۴

حاشیہ نمبر (۴): "احمد مولانا مرحوم کے بڑے صاحبزادے کا نام ہے۔ نذیر احمد"

تذکرہ مولانا محمد قاسم طبع اوّل، ص۳۰، طبع جدید حاشیہ ۱۱۲، ب ص:۲۲۳

حاشیہ نمبر (۵): "ایک تاریخ وفات "ہائے خزانہ خوبی" بھی ہے۔

(رسالہ حالاتِ طیب مکمل ہوا)

بانئ دار العلوم دیو بند

از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

دار العلوم دیو بند کی بناء کے سلسلہ میں بانی کا تشخص کے ساتھ تعارف اس بناء پر اہمیت رکھتا ہے کہ بناء اپنے بانی کے افکار و نظریات اور عزائم و جذبات کا مظہر اور آئینہ ہوتی ہے۔ اور اس بناء کے ذریعہ ان جذبات و احساسات ہی کا بقاء و افادہ منظور ہوتا ہے جو بانی کے تاسیسی ہاتھوں سے اس کی بنیادوں میں منتقل ہوئے ہیں۔ گویا بناء ایک پیکر ہوتی ہے اور بانی سے منتقل شدہ مخصوص نظریات اور باطنی ہیئات اس کی روح، اور ظاہر ہے کہ یہ روح محض بناء کے ذکر سے زندہ نہیں رہ سکتی جب تک کہ بناء کو بانی کی طرف منسوب کر کے اس کا تعارف نہ کرایا جائے۔

بعض متعصبین کسی بناء کے بانی کی تشخیص خود اپنے استحقاق کو قائم کرنے یا مزعومہ حقوق برقرار رکھنے اور یا محض منافرت کے مد میں بھی کرتے ہیں، لیکن یہ غرض نہ صرف یہ کہ کوئی معتد بہ غرض نہیں بلکہ ایک خود غرضی ہے جو قابلِ التفات نہیں ہو سکتی۔ معقول غرض اس کے سوا دوسری نہیں ہو سکتی کہ بانی کی تعیین سے بناء اور پروردگانِ بناء میں بانی کے احساسات و نظریات اور اندازِ فکر و نظر کو زندہ رکھا جائے۔ اور اسی کے انتساب سے انہیں پہچانا جائے۔ ورنہ بلا انتساب یہ باطنی بناء قائم نہیں رہ سکتی گو برائے چند سے ظاہری بناء کی اینٹیں نظر آتی رہیں۔

دارالعلوم دیوبند محض ایک درس گاہ ہی نہیں بلکہ ایک خاص مکتبِ خیال ہے، جس کے انداز فکر و نظر کا ایک خاص ممتاز رنگ ہے اور وہ بانی ہی سے منتقل ہو کر اس کی اینٹ اینٹ میں سمایا ہوا ہے۔ اس لئے دارالعلوم کے نام سے اس خاص مکتبِ خیال کا ذکر اس وقت تک مکمل قابل تعارف اور نمایاں نہیں ہو سکتا، اور نہ ہی اس کے پروردہ افراد اس رنگ کو اس وقت تک اپنے اندر جوں کا توں محفوظ رکھ سکتے ہیں جب کہ اسے اسی کے بانی کی طرف نسبت دے کر معروف و متعارف نہ کراتے رہیں۔ اس لئے ذکرِ بناء کے ساتھ ذکرِ بانی اور اس کی تشخیص ایک قدرتی چیز نکلتی ہے۔

تاسیسِ دارالعلوم کے سلسلہ میں خود دارالعلوم کے مستند کاغذات، اسلافِ دارالعلوم کی وقیع شہادات، مشاہیر ملک کے بے لوث اقوال اور تواتر کے ساتھ اس بارہ میں عوام و خواص کا تلقی بالقبول اور ان کے اقرار و اعلانات دارالعلوم دیوبند کا بانی اور مجوزِ اوّل حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ کو ثابت کرتے ہیں اور واضح ہوتا ہے کہ آپ ہی نے اس کا حسی سنگ بنیاد رکھا، جسے عوام تاسیس کہتے ہیں۔ پھر آپ ہی نے اس کی بناء کے اُصولِ اساسی تجویز فرمائے جن پر دارالعلوم چلا، جو خواص کے نزدیک تاسیس ہے اور آپ ہی سے ابتداءً اس کی تجویز و تحریک کا ظہور ہوا ہے جسے عوام و خواص سب تاسیس کہتے ہیں۔ اور آپ ہی سے یہ سب کچھ ہو بھی سکتا تھا جبکہ وہ ذوق و نظر اور اندازِ علم و عمل جو قاسمیت کے نام سے اس میں معروف اور متعارف ہے، آپ ہی سے اس میں آیا ہے اور وہی دارالعلوم کی اصل بنیاد ہے۔

1857ء کے بعد وقت کے تمام اہل اللہ اور بالخصوص حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو ایک ایسے مدرسہ کے قیام کا جذبہ بے چین کئے ہوئے تھا جو مسلمانوں کو نہ صرف پڑھا لکھا ہی نہ بنا دے بلکہ ہندوستان میں ان کے مستقبل کو تھام لے اور وقت پڑنے پر اس مدرسہ کے فضلاء اسلامی جوش سے علماً و عملاً اسلام کی سرحدات کے محافظ ثابت ہوں۔ چنانچہ جب جذبات و خیالات سے گذر کر عمل کا میدان آیا تو ثابت ہوا کہ حضرت

ممدوح رحمۃ اللہ علیہ ان جذبات میں بہت آگے اور ممتاز تھے جو مدرسۂ دیو بند قائم کرتے وقت کھلے کہ وہ مدرسہ کیوں قائم فرمانا چاہتے تھے، اور اس بارہ میں کیا کچھ دیکھ رہے تھے۔ جیسا کہ سنگ بنیاد رکھتے ہوئے حضرت اقدس حاجی محمد عابد صاحب دیو بندی قدس سرہٗ سے مکالمہ کے وقت ان پیش بندیوں کا عقدہ کھلا اور آپ کے یہ ضمائرِ پاک واضح ہوئے (جس کا واقعہ آگے آتا ہے) کہ آپ نے دیو بند میں مدرسہ قائم نہیں فرمایا بلکہ مسلمانوں کے مستقبل کو بنانے اور شاندار کرنے کی ایک جامع تحریک اُٹھائی اور اہل دیو بند نے بطوع ورغبت اس کا خیر مقدم کیا۔ چنانچہ 1283 ہجری میں آپ نے اس مدرسہ کا سنگ بنیاد رکھا جس کو آج دار العلوم دیو بند کہتے ہیں۔

اس مرکزی درس گاہ اور بالفاظِ دیگر محافظینِ اسلام اور مجاہدینِ ملت کی تربیت گاہ کے قیام کا تفصیلی واقعہ جو میں نے خود بلا واسطہ بعض ان بزرگوں سے سنا جو قیامِ مدرسہ کے مشورہ کی مجلس اور اجراءِ مدرسہ کے وقت خود وہاں موجود تھے، اور انہوں نے اپنا چشم دید مشاہدہ بیان کیا، نیز اس کی تائید میں اسی کے قریب قریب دوسرے بزرگوں سے بھی بہ کثرت واقعات کان میں پڑے، یہ ہے کہ احقر راقم الحروف 14 محرم 1356ھ کو اراضیِ دار العلوم کا معائنہ کرتے ہوئے جو پشتِ مدرسہ پر واقع ہیں، خانقاہ تک جا پہنچا، جو دیو بند کا ایک محلّہ ہے اور دار العلوم کے پس پشت واقع ہے۔ جناب منشی محمد فائق صاحب خانقاہی سے ملاقات ہوگئی جو شیوخِ دیو بند میں اپنے اکابر و اسلاف کے گرویدہ اور مخصوصین میں سے تھے، اور دار العلوم کے مخصوص جاں نثاروں اور کار گزاروں میں ان کا شمار ہوتا تھا۔ ممدوح مجھے اپنے مکان پر لے آئے اور حسن اتفاق سے بناءِ دار العلوم کا تذکرہ چھڑ گیا۔ میں نے عرض کیا کہ ہم اپنے سب بزرگوں سے بانئ دار العلوم حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کو سنتے چلے آرہے ہیں، کاغذاتِ دار العلوم اور فائلوں میں اسی کا اندراج دیکھا جاتا ہے۔ اب سنتے ہیں کہ اس کے بانی دوسرے حضرات ہیں۔ بعض حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو بانی کہتے ہیں، بعض

حضرت گنگوہی قدس سرہٗ کا نام لیتے ہیں۔ اگر اس بارہ میں کوئی چیز ہو تو فرمایئے کیوں کہ آپ ان حضرات کے یہاں ہر وقت کے حاضر باش تھے۔

ممدوح نے دارالعلوم کے عملی آغاز و افتتاح کا واقعہ اس طرح بیان فرمایا کہ مولوی عبدالرب صاحب واعظ دہلوی نے اہل دیوبند کو اپنے ایک وعظ میں ترغیب دی کہ وہ دیوبند میں قصبہ کے مناسب جامع مسجد تعمیر کریں اور اپنے پُر اثر بیان سے چندہ کی تحریک بھی کر دی۔ مجلس وعظ ہی میں سات آٹھ سو روپیہ جمع بھی ہو گیا اور اسی قدر رقم کے وعدے بھی ہو گئے۔ اس رقم کو جمع کر کے بطور امانت رکھ لیا گیا اور طے یہ پایا کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب دیوبند تشریف لائیں تو جامع مسجد کے لئے جگہ کا انتخاب حضرت کے مشورہ سے کیا جائے۔ چنانچہ تین چار مہینہ بعد جب حضرت کی تشریف آوری ہوئی تو شیخ کرم نبی وغیرہ دس بارہ عمائدِ شہر مع ایک مجمع کے چھتہ کی مسجد میں جمع ہوئے، میں خود بھی اس مجلس میں موجود تھا۔

لوگوں نے واقعہ عرض کر کے رقم مذکورہ سامنے رکھ دی۔ حضرت نے فرمایا کہ بھائی تمہارے قصبہ میں مسجدیں سو سے اُوپر موجود ہیں اگر جمعہ کئی مسجدوں میں ہوتا ہے تو کوئی گناہ تھوڑا ہی ہے۔ اس پر لوگوں کو کچھ مایوسی ہوئی کہ شاید حضرت کا منشاء جامع مسجد بنانے کا نہیں ہے۔ عرض کیا گیا کہ حضرت منشاء مبارک کو ذرا واضح فرمایئے۔ فرمایا کہ کوئی بڑا کام کرو، دیوبند میں مسجدیں تو بہتیری ہیں، اگر ایک مسجد اور بڑھالی تو کیا ہوا، سعی اس کی کرو کہ نماز پڑھنے والے اور نمازی بنانے والے پیدا ہوں، جن سے مساجد کی آبادی اور دین کی ترقی ہو۔ اس پر پھر لوگوں نے عرض کیا کہ حضرت ذرا اور واضح فرمایئے۔

فرمایا کہ اگر آپ مسجد بناتے ہیں تو بنائیں لیکن آج حقیقی ضرورت مدرسہ کی ہے جس سے نمازی اور دین کے احکام بتلانے والے پیدا ہوں، اس پر سب نے عرض کیا کہ سبحان اللہ! اس سے بہتر کیا بات ہے تو پھر حضرت ہی مدرسہ قائم فرما دیں اور درس شروع فرما دیں، ہم سب ایماء کی تعمیل کریں گے۔ فرمایا کہ میں تو اس کا اہل نہیں ہوں، آپ کے

قصبہ میں ملا محمود صاحب اس کام کے اہل ہیں، اُنہیں اس کام پر مقرر کیا جائے۔ کسی نے عرض کیا کہ حضرت ملا صاحب تو میرٹھ میں مدرس ہیں مگر آج کل یہاں دیوبند ہی آئے ہوئے ہیں۔ فرمایا بس تو پھر ملا جی صاحب کو بلوایا جائے، ممدوح تشریف لائے، حضرت نے فرمایا ملا جی صاحب! میرٹھ میں آپ کو کیا تنخواہ ملتی ہے؟ فرمایا دس روپیہ ماہوار۔ حضرت نے فرمایا کہ اگر دیوبند میں آپ کو پندرہ روپیہ ملنے لگیں؟ فرمایا حضرت اس سے بہتر کیا بات ہے، یہاں تو میرا گھر بھی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ بس تو آج سے آپ کی پندرہ روپیہ تنخواہ ہے۔ درس شروع کرا دیجئے۔ اسی وقت وہیں مسجد چھتہ کے صحن میں انار کے درخت کے نیچے ایک طالب (شیخ الہند مولانا) محمود حسن اور ایک استاد ملا محمود صاحب سے مدرسۂ دیوبند کا افتتاح ہو گیا اور اسی وقت مدرسہ کی جگہ کے لئے منشی رفیق احمد صاحب چکی والے (حال ناظم تعمیرات دار العلوم دیوبند) کا موجودہ مکان مدرسہ کے لئے لے لیا گیا جو مسجد قاضی کے سامنے سڑک کے اس پار واقع ہے۔

منشی محمد فائق صاحب نے فرمایا بھائی یہ ہے بناءِ مدرسہ دیوبند کا قصہ جو میری آنکھوں کے سامنے کا گذرا ہوا ہے۔ اور میں خود اس مجلس میں موجود تھا جس میں یہ ساری عرض کردہ کارروائی عمل میں آئی۔

پھر فرمایا مدرسہ جوں جوں بڑھتا رہا اسے مختلف وسیع مکانوں میں منتقل کیا جاتا رہا۔ لیکن جب اس میں کافی وسعت پیدا ہو گئی اور طلبہ کا ہجوم اور رجوع بڑھ گیا تو اس کے لئے مستقل جگہ اور اپنے مکان کا مسئلہ زیر غور آیا۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی رائے قوت کے ساتھ یہ تھی کہ مدرسہ کا مکان الگ ہو، مدرسہ کے نام سے ہو اور کافی وسیع بنایا جائے، اور دوسرے تمام اکابر اسی کے مؤید تھے، لیکن حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ حضرت کے ارشاد پر جب مدرسہ کے لئے زمین مستقل لے لی گئی اور یہ زمین زیادہ تر دیوان کے شیوخ کی تھی جو حضرت کے سسرالی عزیز تھے، ان حضرات نے عموماً یہ زمین بلا معاوضہ مدرسہ کے لئے عطاء

فرمائی۔ چنانچہ اجراءِ مدرسہ کے نو سال بعد ۱۲۹۲ھ میں مدرسہ کی مستقل تعمیر کا سنگِ بنیاد رکھا گیا، جس کا واقعہ مجھے حضرت عم محترم مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند نے اس طرح بیان فرمایا (نیز یہی واقعہ میں نے اپنے والد مرحوم سے بھی سنا) کہ جب حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی حتمی رائے قرار پا گئی اور ان کے تمام رفقاء کار اور اس دور کے دوسرے اکابر اس سے متفق ہوئے کہ مدرسہ کے لئے کوئی الگ مستقل عمارت بنائی جائے تو حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس رائے سے اختلاف فرمایا۔ حضرت ممدوح کی رائے یہ تھی کہ جامع مسجد (جو اس وقت تیار ہو چکی تھی) اس ضرورت کے لئے کافی ہے۔ اس کے اِرد گرد کے حجرے پچاس ساٹھ طلبہ کے لئے کافی ہو سکتے ہیں، اس کے دالان درس و تدریس کے لئے کافی ہوں گے۔ جدید عمارت پر روپیہ لگانا اضاعتِ مال ہے اور مسلمانوں کے مال کو بے موقعہ صرف کر دینا ہے، لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی قطعی رائے تھی کہ عمارت مستقل بنائی جائے اور وسیع پیمانہ پر بنائی جائے چنانچہ اسی رائے کے مطابق ملک میں اس کا اشتہار جاری کر دیا گیا اور اس میں سنگِ بنیاد رکھنے کا یہ پروگرام بھی شائع کیا گیا کہ جمعہ کے دن بعد نمازِ جمعہ حضرت نانوتوی کی تقریر ہوگی جس میں قیام و تحفظ مدرسہ کے ساتھ تعمیر مدرسہ کی ضرورت پر روشنی ڈالی جائے گی۔ بعد تقریر مقامی اور بیرونی لوگوں کا یہ مجمع سنگِ بنیاد رکھنے کے لئے حضرت کے ساتھ مقام بنیاد پر آئے گا اور خشتِ اوّل رکھی جائے گی۔ اس اشتہار کے اجراء پر ملک سے روپیہ بھی آنا شروع ہو گیا اور مقررہ تاریخ پر جمعہ کے دن ہزارہا بیرونی لوگ حضرت کے وعظ کی اطلاع پر دیوبند میں جمع ہوئے اور حسبِ پروگرام مشتہرہ بعد نمازِ جمعہ حضرت کی تقریر ہوئی۔ ختم وعظ پر اعلان ہوا کہ سب لوگ جائے بنیاد پر چلیں۔

اس موقع پر حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے برملا اختلاف فرمایا اور حضرت نانوتوی کو خطاب کر کے فرمایا کہ مولانا آپ مسلمانوں کا روپیہ کیوں ضائع

کرتے ہیں، جب مسجد جامع وسیع پیمانہ پر موجود ہے تو جدید عمارت کی کیا ضرورت ہے؟ حضرت نے نہایت تواضع اور ملاطفت سے فرمایا کہ نہیں! حضرت جدید عمارت کی ضرورت ہی ہے۔ پھر حضرت حاجی صاحب نے زور دیتے ہوئے فرمایا کہ ہر گز ضرورت نہیں! مسلمانوں کا روپیہ بے وجہ ضائع ہو جائے گا۔ اس پر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے قوت اور مستعدی سے فرمایا کہ نہیں! حاجی صاحب جدید اور وسیع عمارت کی ضرورت ہے اور آپ اس بارے میں وہ چیز نہیں دیکھ رہے ہیں جو مجھے نظر آرہی ہے۔ یہ مدرسہ اس حد پر نہیں رہے گا جس پر اب نظر آرہا ہے۔ بلکہ مجھے یہ بڑھنے والی چیز دکھائی دے رہی ہے۔ آپ اپنی رائے پر اصرار نہ فرمائیں۔

اس پر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ قدرے کبیدگی اور ملال کے ساتھ اُٹھ کر جامع مسجد کے شمالی دروازہ سے براہ گدی واڑہ چھتہ مسجد تشریف لے گئے اور اپنے مسجد کے حجرہ میں جا بیٹھے۔ ادھر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اس کثیر مجمع کو لئے ہوئے بازار کے راستہ سے جائے بنیاد کی طرف روانہ ہوئے۔

جب اس جگہ پہنچے جہاں آج دار العلوم کا صدر دروازہ لبِ سڑک واقع ہے اور چھتہ کی مسجد وہاں سے نظر آتی ہے تو حضرت رُکے اور مجمع کو روک کر فرمایا کہ آپ سب حضرات یہیں ٹھہریں، میں ابھی حاضر ہوا۔ مجمع وہیں رُکا کھڑا رہا اور حضرت چھتہ کی مسجد میں تشریف لے گئے اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے حجرہ میں پہنچ کر حضرت حاجی صاحب کے قدموں پر ہاتھ رکھ دیئے اور فرمایا کہ حاجی صاحب! آپ تو ہمارے بڑے ہیں، بھلا ہم آپ کو یا آپ ہمیں کیسے چھوڑ سکتے ہیں؟ اس پر حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر شدید گریہ طاری ہوا اور اتنا کہ روتے ہوئے آواز نکل گئی اور غایتِ حق پسندی اور تواضع للہ سے فرمایا کہ مولانا مجھے کچھ نفسانیت آگئی تھی، بات وہی حق ہے جو آپ فرما رہے ہیں۔ یہ کہہ کر اُٹھے اور حضرت کے ساتھ ہو گئے۔

مجمع منتظر کھڑا تھا، ان دونوں بزرگوں کو ایک ساتھ آتے دیکھ کر مجمع میں خوشی کی

لہر دوڑ گئی اور پھر سب حضرات مجمع کو لے کر جائے بنیاد پر پہنچے۔

درس گاہ نو درّہ کی بنیادیں رکھی ہوئی تھیں۔ لوگ منتظر اور خواہش مند تھے کہ پہلی اینٹ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ رکھیں، لیکن عموماً حضرت امتیازی صورتوں سے حتی الامکان بچتے تھے، اس لئے پہلی اینٹ نہیں رکھتے تھے۔ مجمع نے جب اصرار کرتے ہوئے کہا کہ حضرت یہ بات آپ نے ہی اُٹھائی ہے آپ ہی خشتِ اوّل بھی رکھیں تو غایت تواضع سے اینٹ ہاتھ میں لی اور حضرت میاں جی منے شاہ صاحب کے ہاتھ میں دی کہ آپ پہلی اینٹ رکھیں۔ یہ بزرگ حضرت مولانا میاں سید اصغر حسین صاحب رحمۃ اللہ علیہ محدث دارالعلوم دیو بند کے نانا ہوتے تھے۔ نہایت معصوم صفت، پاک طینت اور مادرزاد وَلی تھے، ان کی نسبت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ تھا کہ انہیں عمر بھر کبھی صغیرہ گناہ کا بھی تصور نہیں آیا۔

چنانچہ اُنہوں نے اس دارالعلوم کی پہلی اینٹ رکھی، پھر حضرت اور حضرات کو آگے بڑھاتے رہے اور لوگ اینٹیں رکھتے رہے، انہیں میں رَلے ملے حضرت نے خود بھی ایک اینٹ رکھ دی۔ ان دونوں واقعوں سے ظاہر ہے کہ حضرت ہی نے اہلِ دیو بند کے سامنے مدرسہ کا یہ تخیل خاص پیش کیا جو آگے چل کر ایک اداری صورت اختیار کرنے والا تھا۔ پھر اسی کے مطابق اس کا اجراء بھی آپ ہی کے ہاتھوں عمل میں آیا اور پھر اسی کے تحت بعض دوسرے بزرگوں کے شدید اختلاف کے باوجود اس پر اصرار فرماتے ہوئے جدید عمارت کا سنگِ بنیاد رکھا اور خود ان بزرگوں کو اپنے ساتھ لیا۔ پھر اُصول اساسی بھی خود ہی وضع فرمائے جن پر عملاً مدرسہ جاری ہوا، اور جو بجنسہٖ حضرت کے قلم کے لکھے ہوئے خزانہ دارالعلوم میں محفوظ ہیں۔

ظاہر ہے کہ یہی صورتیں کسی شخصیت کے مدارِ کار اور بانی کار ہونے کی ہوتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ دارالعلوم اور جماعتِ دارالعلوم کے ماحول اور اس سے گذر کر عموماً خواص و عوام کے قلوب میں حضرت کا بانیٔ دارالعلوم ہونا ایک غیر مشتبہ حقیقت کی صورت سے بیٹھا

ہوا تھا اور ایک ایسا بدیہی اور معروف و متعارف اَمر تھا جو بے ساختہ ہر ایک خورد و بزرگ کے زبان و قلم سے نکلتا رہتا تھا۔ چنانچہ اس کی چند مثالیں حسبِ ذیل ہیں۔

(۱)......حضرت مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ (والد ماجد حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب و حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما) جو بناءِ دارالعلوم سے لے کر آخر عمر تک دارالعلوم کے رُکن رکین اور مربی کی حیثیت سے رہے ہیں، حضرت نانوتوی کے آٹھ اساسی اُصولِ متعلقہ بناءِ دارالعلوم میں سے چھٹے اُصول کو منظوم کرتے ہوئے اپنی ایک طویل نظم موسوم بہ ''ارمغانِ مدرسہ'' میں حضرت کے بانیٔ دارالعلوم ہونے کے بارہ میں تحریر فرماتے ہیں ۔

''اس کے بانی کی وصیت ہے کہ جب اس کیلئے کوئی سرمایہ بھروسہ کا ذرا ہو جائے گا، پھر یہ قندیلِ معلق اور توکل کا چراغ یوں سمجھ لینا کہ بے نور و ضیاء ہو جائے گا۔''

(تذکرہ ص ۳۶، مطبوعہ مجتبائی پریس دہلی والقاسم دارالعلوم نمبر ص ۲۳)

(۲)......حضرت حکیم الامت مولانا محمد اشرف علی تھانوی صاحب قدس سرہٗ سرپرست دارالعلوم اپنی مثنوی ''زیر و بم'' میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مدح فرماتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

مرشدِ موصل برائے طالباں ہادیٔ کامل برائے گمرہاں

داشت صرف علمِ دیں ہمت بلند مدرسہ کردہ بناء در دیوبند

(مثنوی زیر و بم بحوالہ القاسم دارالعلوم نمبر ص ۱۹)

(۳)......مولانا محمد میاں مرحوم انبیٹھوی نواسہ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ و رفیق خاص سیاسی حضرت شیخ الہند قدس سرہٗ کی سند میں جو انہیں دارالعلوم کی طرف سے عطاء کی گئی، موصوف کا تعارف کراتے ہوئے ممبرانِ شوریٰ و مدرسین دارالعلوم تحریر فرماتے ہیں:

فانه حفید مولانا انصار علی و حفید بنت استاذ الاساتذة الاعلام مولانا مملوک العلی النانوتوی و ابن بنت الامام حجة

الاسلام مولانا محمد قاسم النانوتوی مؤسس هذه المدرسة .

ترجمہ: ’’مولانا محمد میاں مولانا انصار علی صاحب کے پوتے اور حضرت مولانا مملوک علی صاحب کی صاحبزادی یعنی مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی بہن کے پوتے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے نواسے ہیں جو اس دارالعلوم کے موسس (بانی) ہیں۔‘‘

یہ اصل سند دارالعلوم میں محفوظ ہے اور اس پر حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن قدس سرہٗ، مولانا حکیم محمد حسن صاحب برادر حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فضل الرحمٰن صاحب ممبر شوریٰ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ، حاجی ظہور الدین صاحب دیوبندی ممبر مدرسہ اور حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحب مہتمم دارالعلوم وغیرہ حضرات کے دستخط ہیں جو بالاتفاق حضرت کو بانیٔ دارالعلوم تسلیم کر رہے ہیں۔

(۴)...... دارالعلوم کی روداد بابت ۱۳۲۴ھ میں جناب حاجی ظہور الدین احمد صاحب دیوبندی مہتمم مدرسہ کی وفات پر تعزیتی مضمون ان کا تعارف حضرت نانوتوی کے تعلق سے حسب ذیل الفاظ میں کرایا گیا ہے۔

’’جناب حاجی ظہور الدین احمد صاحب ...... بانیٔ مدرسہ امام العلماء ومقدام الغرباء حضرت مولانا مولوی محمد قاسم صاحب ادام اللہ برکاتہٗ کے ان اوّلین وسابقین خدام ومخلصین میں سے تھے۔ الخ۔‘‘ (روداد مطبوعہ دارالعلوم بابت ۱۳۲۴ھ، ص ۲)

(۵)...... دارالعلوم کی مجلس شوریٰ ۱۳۴۴ھ نے برکات دارالعلوم ظاہر کرتے ہوئے ان کے اسباب پر حسبِ ذیل الفاظ میں روشنی ڈالی ہے جس کو بطور ایک متفقہ بیان کے ارا کین شوریٰ نے شائع کیا ہے، اور جس پر سب سے پہلے دستخط حضرت تھانوی قدس سرہٗ کے ہیں۔ یہ سب تصرفاتِ روحانی حضرت پیر ومرشد حاجی امداد اللہ تھانوی مہاجر مکی قدس سرہ العزیز اور حضرت بانی دارالعلوم مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں۔ (روداد مطبوعہ دارالعلوم بابت ۱۳۴۴ھ)

(۶)...... حضرت مولانا نواب محی الدین احمد خاں صاحب رئیس مرادآبادی و

قاضی بھوپال ورکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند وتلمیذ خاص حضرت نانوتوی قدس سرہٗ نے ۱۳۱۲ھ میں مخالفین دارالعلوم کے پھیلائے ہوئے شکوک وشبہات کا جواب ایک طویل تحریر موسوم بہ ''تذکرہ'' چوالیس صفحات پر دیا ہے اور اس وقت کی ایک نام نہاد مصلح کمیٹی کے پروپیگنڈہ پر اظہار رنج والم کرتے ہوئے ایک جگہ تحریر فرمایا ہے:

''کیونکہ جیسا اس کا (مدرسہ دیوبند کا) قیام تمام مدارس کے قیام کا سبب تھا ایسے ہی بظاہر حال اس کی خرابی بھی باقی مدارس کی خرابی کی دلیل ہوسکتی ہے اور بالخصوص اس سبب سے اور بھی زیادہ رنج والم تھا کہ یہ بنیاد حضرت اقدس مولانا واستاذنا حجۃ الاسلام (مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ) کی قائم کی ہوئی ہے۔ اس میں تزلزل آنا گویا تمام متوسلان حضرت مرحوم کے لئے قیامت کا نمونہ ہے۔'' (تذکرہ ص ۲، مطبوعہ مجتبائی پریس)

(۷)...... پھر ص ۴۰ پر لکھا ہے کہ ''اور انصاف وحق شناسی کا حال یہ ہے کہ اس کمیٹی نو خیز کے سن شعور سے پہلے بھی ایک ایسی ہی مصلح جماعت نے بہ حیات حضرت بانی ومربیٔ مدرسہ جناب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ یہی مضمون تعلیم جہاد و فراہمیٔ اسلحہ وآلات جہاد گورنمنٹ کے سامنے پیش کیا تھا۔'' (تذکرہ ص ۴۰)

(۸)...... حضرت مولانا منصور علی خاں صاحب مرادآبادی تلمیذ خاص حضرت نانوتوی قدس سرہٗ وذمہ دار اعلیٰ شعبہ طب ریاست حیدرآباد دکن نے اپنی ایک لطیف کتاب ''مذہبِ منصور'' میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح درج کرتے ہوئے ایک جگہ فرماتے ہیں: ''ہندوستان میں اکثر مقامات پر مدارسِ دینی جناب مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی رائے اور مشورہ سے جاری ہیں، خصوصاً دیوبند اوّل مولانا مرحوم نے اسی مدرسہ کو چندہ سے قائم کیا تھا۔'' (مذہب منصور جلد دوم، ص ۱۷۷)

(۹)...... دارالعلوم دیوبند کی خوش نما مسجد کی لوح پر حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی نیابتِ اہتمام کے دور ۱۳۲۸ھ میں خاص اہتمام سے سنگِ مرمر کا ایک کتبہ بہ موجودگی حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نصب

کرایا۔ جس میں حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا قطعۂ تاریخ کندہ ہے۔ اس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بانیٔ دارالعلوم ظاہر کیا گیا ہے جس سے پوری جماعت دارالعلوم مطلع ہے اور ہر شخص ہمہ وقت اس کا معائنہ کرسکتا ہے۔

(۱۰)......حضرت مولانا حبیب الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے ایک ذمہ دارانہ پمفلٹ جو بعنوان ''دارالعلوم دیو بند کے اطمینان بخش حالات'' شائع ہوا ہے، تحریر فرمایا ہے: ''حضرت قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صاحب بانیٔ دارالعلوم دیو بند قدس اللہ سرہٗ العزیز کی ذاتِ گرامی کی طرف مسلمانانِ عالم کا عام میلان ورجحان......الخ۔'' (پمفلٹ مطبوعہ ص ۷)

(۱۱)......حضرت مولانا حسین احمد صاحب صدر مدرسِ حال دارالعلوم دیو بند دام فیضہ اپنی تحریر موسوم بہ ''دارالعلوم کی دوازدہ سالہ زندگی'' میں فرماتے ہیں: ''چونکہ حسب وصیت بانیٔ دارالعلوم ہر مدرس اور ملازمِ دارالعلوم کا فریضہ ہے کہ وہ توسیع چندہ اور ترقیٔ دارالعلوم کی کوشش بلیغ عمل میں لاجائے۔'' (دارالعلوم کی دوازدہ سالہ زندگی، ص ۱۳)

(۱۲)......حضرت مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ مہتمم اوّل دارالعلوم دیو بند حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر روداد مدرسہ میں بہ حیثیت مہتمم اپنے تعزیتی مضمون میں فرماتے ہیں کہ ''اس چشمۂ فیض (مدرسہ دیو بند) کے منبع اور اس آبِ حیات کے مصدر اور اس آفتابِ عالم تاب کے مظہر آپ (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) ہی تھے۔'' (روداد مطبوعہ دارالعلوم بابت ۱۲۹۷ھ)

(۱۳)......حضرت شیخ المشائخ حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ اپنے تعزیتی مکتوب میں جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر مولانا رفیع الدین صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو مکہ مکرمہ سے لکھا گیا ہے، تحریر فرماتے ہیں کہ: ''عزیزم مرحوم (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) کے جو شاگرد و مرید اور دوست ہیں سب مدرسہ کی طرف توجہ دیں کہ عزیزم رحمۃ اللہ علیہ کی بڑی عمدہ یادگار یہ مدرسہ ہی ہے، اس سے غفلت نہ کریں۔'' (مکتوب

مخطوطہ حضرت حاجی صاحب جو دارالعلوم میں محفوظ ہے۔)

(۱۴)...... حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کی مخطوطہ سوانح عمری میں جو نا تمام حالت میں کاغذاتِ سابقہ میں سے دستیاب ہوئی ہے اور بظاہر حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تالیف ہے جس کا خود انہوں نے اپنے بعض مطبوعہ مضامین میں اعلان کیا ہوا ہے۔ ص ۴۸ و ص ۴۹ پر مرقوم ہے:

''جب وہ طبیبِ روحانی (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) اپنی قوم (اہل دیو بند) کی اصلاح سے فارغ ہوا تو تمام ہندوستان کے مسلمانوں پر نظر ڈالی اور بہ نظرِ غور دیکھا تو دریافت کیا کہ مادۂ خبیث بعض کے اندر پیدا ہو چکا ہے اور خوف ہے کہ اس مادہ سے امراضِ متعدی پیدا ہو جائیں اور رفتہ رفتہ وہی امراض وبائی ہو کر ایک عالم کو ہلاک کر دیں اور اس مرض کو چلتا ہوا نسخہ علم دین ہے جہاں تک ممکن ہو اُس کی اشاعت میں سعی کی جائے۔ چنانچہ مدرسہ اسلامی عربی دیو بند جاری کیا۔

(۱۵)...... پھر اسی سوانح کے ص ۵۳ پر مرقوم ہے:

''پس اس فرض (حصولِ علم) کو مولانا مرحوم نے جس کو اکثر مسلمان بھولے ہوئے تھے، خود ادا کر کے ایسی سبیل عام جاری کی کہ اِن شاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی اور وہ سبیل مدرسہ اسلامی دیو بند ہے۔''

(۱۶)...... پھر اسی سوانح کے ص ۵۵ پر مرقوم ہے:

''خلاصۂ کلام یہ ہے کہ علاوہ بے شمار حسنات اور باقیاتِ صالحات کے تین کام مہتم بالشان مولانا علیہ الرحمہ سے ظہور میں آئے، اوّل مدرسہ اسلامی دیو بند، دوم مباحث شاہ جہان پور، سوم ترویج نکاح بیوگان۔''

(۱۷)...... اسی سوانح کے ص ۱۵ ر پر مرقوم ہے:

''مدرسہ اسلامی دیو بند آپ ہی کا (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا) ساختہ پرداختہ ہے اور کیسا کچھ اس کا کارخانہ ہے کہ چھوٹی سی سرکار، مگر آپ نے کبھی ہرگز اس

کی کسی چیز سے نفع نہیں اُٹھایا...... مدرسہ دیوبند کے مکان کو لاکھوں اینٹوں سے تعمیر کرایا مگر اپنے گھر میں ایک پھوٹا روڑا بھی نہ لگوایا۔"

ظاہر ہے کہ مدرسہ کا اجراء، اس کی تعمیر کرانا اور اس کا حضرت کی باقیاتِ صالحات میں سے ہونا ہی اس کی تاسیس اور بناء اور حضرت کے بانی ہونے کی شہادت ہے۔

یہ سب شہادتیں ان حضرات کی تھیں جو دیوبند، اس کے قرب وجوار اور جماعت سے تعلق رکھتے ہیں، اور ہمارے لئے معلومات کے قریب ترین ذرائع ہو سکتے ہیں، جو سنی سنائی نہیں بلکہ اپنا مشاہدہ بیان کررہے ہیں۔ لیکن قرب وجوار کے علاوہ ملک میں عام شہرت اور تواترِ طبقہ کے ساتھ یہ چیز عوام وخواص میں بھی متعارف اور معروف تھی کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہی بانیٔ دارالعلوم ہیں۔

(۱۸)...... چنانچہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وفات پر سرسید مرحوم بانی علی گڑھ کالج نے انسٹی ٹیوٹ گزٹ میں جو مضمون سپردِ قلم کیا تھا اس میں مسلمانوں کو دارالعلوم دیوبند کی طرف توجہ دلاتے ہوئے لکھا ہے:

"ان ہی کی (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی) کوشش سے علوم دینیہ کی تعلیم کیلئے نہایت مفید مدرسہ دیوبند میں قائم ہوا۔ علاوہ اس کے اور چند مقامات میں بھی ان کی سعی وکوشش سے اسلامی مدرسے قائم ہوئے۔ ہماری قوم کے لوگوں کا یہ کام نہیں ہے کہ ایسے شخص کے دنیا سے اُٹھ جانے کے بعد صرف چند کلمے حسرت وافسوس کے کہہ کر خاموش ہو جائیں یا چند آنسو آنکھ سے بہا کر اور رومال سے پونچھ کر صاف کرلیں، ان کا فرض ہے کہ ایسے شخص کی یادگار کو قائم رکھیں۔ دیوبند کا مدرسہ ان کی ایک نہایت عمدہ یادگار ہے اور سب لوگوں کا فرض ہے کہ ایسی کوشش کریں کہ یہ مدرسہ ہمیشہ قائم اور مستقل رہے۔" (علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ مؤرخہ 24 اپریل 1880ء)

(۱۹)...... مولانا عنایت اللہ صاحب فرنگی محلی ممبر اکاڈمی وافسر مدرسہ عالیہ نظامیہ فرنگی محل لکھنؤ اپنی تالیف "تدوینِ حدیث" میں تحریر فرماتے ہیں: "بہت ہی ناشکری ہوگی

اگر اس سلسلہ میں مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر نہ کیا جائے، دیوبند کا مدرسہ اپنی اکیلی کوششوں سے اس نام وَر ہستی نے قائم کیا، اور جو خدمت دہلی کا خاندان (خاندان ولی اللّٰہی) نہ کر سکا وہ اس مدرسہ نے علم حدیث کی کی۔" (تدوین حدیث مطبوعہ اشاعت العلوم فرنگی محل لکھنؤ ص ۶۹۔ یہ کتاب فرنگی محل کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔)

(۲۰)...... عالی جناب مولوی شوکت حسین صاحب ساکن ورنگل علاقہ حیدرآباد دَکن نے دولتِ دکن کے اور بہت سے معززین وعمائد کی شرکت و اعانت سے دارالعلوم کے لئے چندہ کی ایک اپیل بہ صورت کتاب ۳ صفر ۱۳۱۵ھ کو شائع فرمائی جس کا نام "گزارش" رکھا۔ یہ پمفلٹ پندرہ بیس صفحوں پر شائع ہوا ہے، مؤلف اس کی تمہید میں تحریر فرماتے ہیں: "حضرت ممدوح الشان (حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ) علمائے متاخرین میں بہت ہی بڑے نام وَر فاضل اور بانسبت بزرگ تھے۔ مدرسہ دیوبند کی بنا بھی انہیں کے مبارک ہاتھوں کی ڈالی ہوئی ہے۔ کیا شک ہے کہ ان کا شمار علماءِ آخرت میں سے تھا۔" (گزارش، ص ۴) (دارالعلوم کے ریکارڈ میں محفوظ ہے)

(۲۱)...... مولانا ظہور علی احمد صاحب وکیل عدالت بھوپال مصلح کمیٹی کے طرزِ عمل پر اظہارِ افسوس کرتے ہوئے اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں جو بصیغۂ رجسٹری انہوں نے منتظمانِ دارالعلوم کی خدمت میں ارسال فرمایا: "عالم باعمل، فاضل، اجل، مقرر بے بدل حضرت مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے لگائے ہوئے اور سرسبز و شاداب کئے ہوئے باغ کو اکھاڑنے کی تدبیر تو واقعی یار لوگوں کو خیر خواہی کے پردہ میں بہت اچھی سوجھی ہے۔ کیا اہل دیوبند نہیں جانتے کہ ان کا قصبہ چار دانگِ عالم میں کیوں مشتہر ہوا؟ اگر حضرت مولانا صاحب ممدوح اس مدرسہ کی بنیاد ڈال کر بہ کوشش وسعی ذاتی ترقی نہ دیتے تو آج دیوبند کا نام بھی کوئی نہیں جانتا۔ (تذکرہ، صفحہ ۲۴)

(۲۲)...... مولوی سراج الحق صاحب منصف دیوانی بھوپال اسی مصلح کمیٹی کے رویہ پر اظہار افسوس کرتے ہوئے اپنے ایک مکتوب میں جو ذمہ دارانِ مدرسہ کے پاس

بھیجا گیا اور ان ذمہ داروں نے اسے اشاعت کے لئے مولانا محی الدین خان صاحب کے حوالہ فرمایا، ایک جگہ لکھتے ہیں کہ: "پس افسوس ہے اے گروہِ مشتہرین! کہ جس بزرگ کو اپنے منہ سے باعثِ عروجِ مدرسہ ہٰذا کہتے جاتے ہو اسی کے لگائے ہوئے باغ کے درختوں کو جڑ سے اکھاڑنا چاہتے ہو۔" (تذکرہ، ص ۲۷)

(۲۳)...... مولوی سید معین الدین صاحب وکیل ریاست بھوپال و مولوی امین الدین صاحب قبالہ نگار بھوپالی وغیرہ اپنے ایک مکتوب میں مصلح کمیٹی کے اشتہار پر رَد کرتے ہوئے لکھتے ہیں: "اشتہار میں ایک فقرہ مولوی محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ بانی مبانی مدرسہ کا بھی اہل دیوبند کی تعریف میں نقل کیا گیا ہے۔"

(۲۴)...... ساتھ ہی اگر اس پر نظر کی جائے کہ 1857ء کے بعد اجراءِ مدارس حضرت نانوتوی کی خو بن چکا تھا، جہاں بھی تشریف لے گئے مدارس قائم کرتے چلے گئے۔ مراد آباد، امروہہ، گلاؤٹھی، شاہ جہان پور، بریلی اور نگینہ میں (جس میں سب سے پہلے مدرس مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی بنائے گئے) بہ نفس نفیس خود مدارس کی تاسیس فرمائی اور وہ بیسیوں مدارس ان کے علاوہ ہیں جو بقول سرسید احمد خان حضرت کی سعی وکوشش سے اور بہت سے مدارس بقول مولانا منصور علی خاں صاحب اکثر مقامات پر حضرت کی رائے اور مشورہ سے جاری ہوئے، تو واضح ہوگا کہ حضرت کے ذہن صافی میں قیام مدارس کی ایک لمبی چوڑی سکیم تھی، جو سلسلہ وار دیوبند سے شروع ہوئی اور اپنی انتہا کو پہنچی۔

اس سلسلہ کا قدرتی تقاضا یہی ہے کہ جس طرح اور تمام مدارس حضرت کی تجویز، تحریک اور رہنمائی سے جاری ہوئے ایسے ہی اس سلسلہ کا یہ اوّلین مدرسہ بھی آپ ہی کی تحریک و تجویز سے جاری ہوا ہو، اور جیسا کہ بقیہ مدارس حضرت کی تحریک و تجویز کی وجہ سے حضرت ہی کی بناء کہلائے گو اس میں مشیر اور معاون کتنے ہی کثیر ہوں۔ ایسے ہی اگر مدرسۂ دیوبند کی تاسیس رہنمائی اور تحریک آپ کی ہو تو وہ آپ ہی کی بنا کہلائے گا، خواہ معاون و مشیر کتنے بھی ہوں۔ سو اس سلسلہ میں واقعات کی رفتار سے جہاں تک اندازہ

ہوتا ہے حضرت کے عملی مشیر اور معاون و شرکائے کار تو دیو بند کے اہل علم و فضل تھے، جیسے حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب، مولانا فضل الرحمٰن صاحب وغیرہ، لیکن ذوق و انداز فکر کے مشیر حضرت قطب عالم مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی قدس سرہٗ تھے، شاید اسی بناء پر بعض ذی رائے اور فہیم حضرات نے حقیقتِ دارالعلوم کی تاسیس کے لحاظ سے حضرت نانوتوی اور حضرت گنگوہی کو محرک و مجوزِ مدرسہ ٹھہرایا ہے۔ درحالیکہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نہ اجراءِ مدرسہ کے وقت دیو بند میں موجود تھے اور نہ تعمیر کے سنگِ بنیاد کے جلسہ ہی میں دیو بند تشریف رکھتے تھے۔ چنانچہ حیدر آباد دکن کی ایک کارکن کمیٹی نے 1312ھ کے نزاع کے موقع پر دارالعلوم کی حمایت کرتے ہوئے جو رپورٹ مجلس شوریٰ دارالعلوم کو بھیجی ہے اس کا ایک جملہ یہ بھی ہے: ”مجلس بعد جلسہ کامل عرض کرتی ہے کہ بانیان اور محرکِ اعظم اس کے دو نفس نفسی تھے ایک مولوی محمد قاسم صاحب قدس سرہٗ اور دوسرے جناب مولوی رشید احمد صاحب مد فیوضہم۔“ (تذکرہ، ص۲۰)

مولوی وہاج الدین کی معرفت معاونین ضلع بجنور نے ذمہ دارانِ دارالعلوم کو جو تحریر بھیجی ہے اس میں دارالعلوم کے مخصوص آثار و برکات کی بنیاد حسبِ ذیل الفاظ میں ظاہر کی ہے: ”یہ ثمرہ توجہ خاص حضرت مولانا محمد قاسم صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت مولانا مولوی رشید احمد صاحب مد اللہ ظلال فیوضہم محدث گنگوہی کی نیک نیتی اور للّٰہیت کا ہے۔“ (تذکرہ، ص۲۲)

پہلی تحریر میں ان دونوں بزرگوں کو دارالعلوم کا محرکِ اعظم اور دوسری میں متوجہ بہ توجہِ خاص ظاہر کیا گیا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ جب ان میں سے ایک نہ بناء و اجراءِ مدرسہ میں شریک ہے اور نہ سنگِ بنیاد کے اجتماع میں اور نہ ہی قیامِ مدرسہ کے بعد دیو بند پہنچ کر مجالس مشورہ میں، تو اس کا صاف مطلب اس کے سوا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا کہ حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اندرونی مشیر اور اس ذوقِ خاص کے مؤید اور ذہنی معاون تھے جس پر حضرت بانیٔ دارالعلوم نے اس کی

حکمت عملی کی بنیاد رکھی اور اس کی پالیسی مرتب فرمائی۔

مرقومہ بالا پندرہ عبارات کے اندر آئے کلمات کو دیکھئے تو ان میں سے کسی میں حضرت کو بانیٔ مدرسہ، کسی میں مؤسس مدرسہ، کسی میں قائم کنندہ مدرسہ، کسی میں منبع مدرسہ، مصدرِ مدرسہ اور مظہر مدرسہ، کسی میں جاری کنندہ مدرسہ، کسی میں مدرسہ کو حضرت کی باقیاتِ صالحات اور کسی میں ان کی یادگار وغیرہ وغیرہ کہا گیا ہے، جو حضرت کے بانیٔ مدرسہ، مجوزِ اوّل ہونے کی کھلی شہادت ہے جس کے شہادت دہندہ حضرات مقامی وغیر مقامی، اندرونی و بیرونی، اراکین و غیر اراکین، اہل تعلق اور بے تعلق، موافق اور مخالف سب ہی قسم کے لوگ ہیں، مگر اپنے اپنے دائروں کے انتہائی ذمہ دار ہیں جو کھلے الفاظ میں اعلانات کر رہے ہیں اور پریس کے ذریعہ اعلان دے رہے ہیں کہ اس دارالعلوم کے بانی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جس سے ملک وقوم کی نظر میں حضرت کا بانیٔ دارالعلوم ہونا مسلم اور بدیہی اور معروف ومتعارف ثابت ہو جاتا ہے، اور کسی طرح باور نہیں کیا جاسکتا کہ ایسی اور اتنی شہادتوں کے بعد بھی بانی دارالعلوم کی تعیین کا مسئلہ تشنۂ ثبوت یا محل شکوک وشبہات بن سکتا ہے۔

بالخصوص جبکہ ان میں ایسے لوگوں کی شہادتیں بھی شامل ہیں جن کا دارالعلوم سے کوئی ضابطہ کا تعلق ہی نہیں تھا بلکہ ایسے بھی شہادت کے شریک ہیں جو دارالعلوم اور اربابِ دارالعلوم سے ایک حد تک مخالفت کا تعلق رکھتے تھے۔

مخالف اقوال

ظاہر ہے کہ اتنی اور ایسی شہادتوں کے بعد ان کے خلاف افواہی یا غیر ذمہ دارانہ بیانات قابل التفات نہیں ہو سکتے، جس کی نہ کوئی سند ہے نہ کوئی ماخذ، البتہ دو روایتیں ضرور وقیع ہیں جو اس سلسلہ میں قابل توجہ ہو سکتی ہیں، سب سے بڑی شہادت حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی ہے جو سوانح قاسمیہ کے ص 19 پر تحریر فرماتے ہیں:

''وہی زمانہ تھا کہ مدرسہ دیو بند کی بنیاد ڈالی گئی، مولوی فضل الرحمٰن اور مولوی

ذوالفقار علی اور حاجی محمد عابد صاحب نے یہ تجویز کی کہ ایک مدرسہ دیو بند میں قائم کریں۔ مدرس کے لئے تنخواہ پندرہ روپیہ تجویز ہوئے ......الخ۔ (سوانح قاسمیہ، ص ۱۹)

دوسری اہم شہادت حضرت مولانا ذوالفقار علی صاحب (والد حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ) کی ہے جو ''الهدية السنية ''میں مرقوم ہے۔ یہ رسالہ مولانا ممدوح نے دیو بند کے حالات پر قلمبند فرمایا ہے، جس میں بانیٔ مدرسہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو ظاہر فرمایا ہے۔ قائلین کی عظمت کے پیش نظر یہ روایت مستحق قبولیت تھی لیکن اوّل تو اس کے مقابلہ میں صحیح روایات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے جو مانع قبولیت ہے۔ دوسرے یہ کہ خود اس روایت کے اجزاء بھی باہم متناقض ہیں، جس سے یہ روایت نا قابلِ احتجاج ہو جاتی ہے کیونکہ سوانح قاسمیہ کی یہ روایت جن میں بزرگوں کے مجموعہ کو بانیٔ دار العلوم ٹھہرا رہی ہے ان میں سے دو بزرگ تو خود ہی اپنے بانی ہونے کی نفی کر رہے ہیں۔ مولانا فضل الرحمٰن صاحب تو اپنی نظم '' ارمغانِ دیو بند'' میں حضرت نانوتوی کو بانیٔ مدرسہ فرما رہے ہیں، جیسا کہ شہادت نمبر ایک میں گزر چکا ہے، لہٰذا وہ تو خود اپنے اقرار سے بانی نہ رہے۔ اور روایت کا ایک تہائی حصہ ساقط ہو گیا۔ ادھر مولانا ذوالفقار علی صاحب اپنے رسالہ ''الهدية السنية'' میں بانیٔ مدرسہ حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو قرار دے رہے ہیں، لہٰذا وہ بھی اپنے اقرار کے مطابق بانی نہ رہے۔ اور روایت کا دوسرا تہائی حصہ بھی ساقط ہو گیا۔

ادھر مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے بانیٔ مدرسہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو بتلا کر حضرت حاجی صاحب کے بانی ہونے کی نفی کر دی جو اس روایت کا تیسرا جزء تھا۔ پس اس سے روایت کے اس تیسرے تہائی حصہ کی بھی نفی ہو گئی جس سے وہ بھی ساقط یا مجروح ہو گیا۔ اور اس طرح یہ روایت پوری کی پوری ساقط یا مجروح ٹھہر گئی اور اس سے کسی کا بھی بانی ہونا ثابت نہ ہوا۔

خلاصہ یہ ہے کہ سوانح قاسمیہ کی روایت میں تو تین کے مجموعہ کو بانی کہا گیا ہے،

اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے اشعار اور مولانا ذوالفقار علی صاحب کے رسالہ "الہدیۃ السنیۃ" میں ایک ایک فرد کو بانی قرار دیا گیا ہے، مگر تین والی روایت تو خود اپنے اجزاء اور داخلی تضاد ہی سے مجروح ہو کر ساقط ہو گئی۔ بقیہ دو روایتوں میں سے مولانا ذوالفقار صاحب کی روایت کو مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے شعر نے مجروح کر دیا اور اس کی مؤید بھی کوئی روایت نہ ہوئی، البتہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب کی منظوم روایت اس لئے حجت بن گئی کہ اس کی مؤید سلف و خلف کی کتنی ہی شہادتیں ہو گئیں جن کا ابھی تذکرہ ہوا، اس لئے یہ روایت قابل تسلیم ہو گئی اور اس طرح منشی محمد فائق صاحب کی تفصیلی روایت واقعات سے مؤید اور شہادات سے مشیّد ہو گئی جس سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا بانیٔ دارالعلوم ہونا بے غبار ہو گیا۔

رہا مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا ان تین حضرات کو بانی فرمانا، سو ممکن ہے کہ توسعاً ہو کیونکہ یہی حضرات بانیٔ دارالعلوم کے دست و بازو تھے۔ اور شرکاء یا معاونینِ بناء کو بانی ہی کہا جاتا ہے جیسا کہ خود حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ایک تقریر میں جو "رُوداد" دارالعلوم میں چھپی ہوئی ہے، تمام اہلِ دیوبند کو بانی مدرسہ فرمایا ہے، کیونکہ وہ سب کے سب بناء کے معین اور معاون تھے۔

نیز احقر نے اپنے بزرگوں سے یہی سنا ہے کہ 1857ء کے بعد وقت کے تمام اہل اللہ کے قلوب میں بطورِ الہام یا منام یا بہ فراست و کشف یہی وارد ہوا کہ کوئی مدرسہ قائم ہو سکتا ہے کہ اس میں یہ سب حضرات یا ان میں کے بعض اس میں شامل ہوں، باقی اس الہام شدہ کیفیت کا عملی ظہور اور تجویز سے لے کر تاسیس تک کا منصوبہ وقوع پذیر ہوا حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے، اس لئے اگر نفسِ منصوبہ کے لحاظ سے ان حضرات کو بانی کہہ دیا جائے جبکہ وہ عملاً بانی کے شریکِ کار اور بانی کی غیبت میں مدارِ کار بھی ہوں تو بعید نہیں ہے، باقی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام اس لئے ذکر میں نہ آیا ہو کہ نہ اس وقت تک حضرت کا قیام دیوبند میں ہوا تھا نہ توطن

ہی دیو بند کا اختیار فرمایا تھا۔ بلکہ مدرسہ کی صرف تجویز فرما کر اور درس شروع کرا کر تشریف لے گئے ہوں۔ اور اصل کار پرداز یہی حضرات رہے ہوں۔

اور حضرت کے قیام دیو بند تک نمایاں بھی اس میں یہی حضرات ہوں، اس لئے ان تینوں حضرات کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ہو، اور حضرت نانوتوی کا نام ذکر نہ فرمایا ہو جیسا کہ اس قسم کی صورتوں میں عادۃً ایسا ہوتا ہے۔

پس اس سے غیر مذکور نام کی نفی مقصود نہیں ہوتی بلکہ حالتِ راہنہ اور صورتِ حالیہ کے مناسب ہنگامی نوعیت کا محض بیان مقصود ہوتا ہے، نیز دیو بند میں ان ہی چند نامبردہ حضرات نے ایک چھوٹے سے مدرسہ یا مکتب کی بنیاد بھی ڈالی تھی جو منشی مہتاب علی صاحب مرحوم کے مکان پر قائم ہوا اور حضرت حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کے لئے چندہ بھی فرمایا، پھر ایک عرصہ کے بعد اس مدرسہ کی تاسیس کی صورت پیدا ہوئی جس کی تفصیل منشی محمد فائق صاحب کی روایت سے مذکور ہو چکی ہے، ہوسکتا ہے کہ اس دار العلوم کو اسی مکتب کی ترقی یافتہ صورت سمجھ لیا گیا ہو۔

اور چونکہ اس کے بانی یہی حضرات تھے اس لئے اس دار العلوم کا بانی بھی ان حضرات ہی کو کہہ دیا گیا ہو، لیکن یہ بھی توسع ہی ہوگا کیونکہ وہ مکتب اور یہ مدرسہ ایک چیز نہیں، اور نہ حسب روایت منشی محمد فائق صاحب مرحوم حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا عمائدِ شہر کو مدرسہ قائم کرنے کی ترغیب دینا اور ان کا یہ عرض کرنا کہ حضرت اس سے بہتر اور کیا بات ہے بس آپ ہی اسے جاری فرما دیں اور پھر چھتہ کی مسجد میں اس کا افتتاح فرمانا اور اس سلسلہ میں اتنے عظیم المرتبت شاہدوں کی شہادات سب ہی بے معنی ہو کر رہ جائے گا۔ حضرت کو تو اجراءِ مدرسہ کی ترغیب دینے کی ضرورت نہ تھی جبکہ مدرسہ قائم تھا، اور لوگوں کو اجراءِ مدرسہ کی بابت حضرت سے عرض کرنے کی ضرورت نہ تھی جبکہ جاری شدہ مدرسہ موجود تھا، بلکہ سیدھا جواب یہ تھا کہ حضرت مدرسہ تو قائم ہے اور کام ہو رہا ہے اس سے واضح ہے کہ وہ جاری شدہ مدرسہ یا مکتب اور تھا جس کو ان حضرات نے قائم فرمایا تھا، اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی جاری فرمودہ تعلیم و

تربیت گاہ اور تھی جو 1857ء کے بعد کے اہم تقاضوں کا نتیجہ تھی اور وہی آگے چل کر ایک جامعہ کی حیثیت میں آ گئی۔ البتہ اس کے جاری ہو جانے سے وہ مکتب ختم ہو گیا کیونکہ پھر اس کی طرف کسی کا بھی گوشۂ التفات باقی نہ رہا۔ جیسا کہ اپنے بعض بزرگوں سے یہ صورتِ واقعہ بھی کانوں میں پڑی ہوئی ہے اس لئے دارالعلوم کی ابتدائی رُوداد میں اس کا تذکرہ نہیں ہے کہ کسی سابقہ مکتب کو ترقی دے کر مدرسہ کر لیا گیا بلکہ اس کا ہے کہ محرم ۱۲۸۳ھ کو ایک مدرسہ جاری کیا گیا۔ بہرحال روایات کے اعتبار سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بانیٔ مدرسہ ہونے کی تو دو درجن روایتیں ہیں جو اپنے قدرِ مشترک کے لحاظ سے حدِ تواتر تک پہنچی ہوئی ہیں اور اس کی مخالف صرف دو ہی روایتیں ہیں اور وہ بھی مجروح، اس لئے روایتی حیثیت سے یہ مسئلہ صاف اور بے غبار ہے۔

جہاں تک درایت اور فقۂ روایت کا تعلق ہے اس کی رُو سے بھی بانیٔ دارالعلوم کی یہ تشخیص مذکور ایک حقیقت ثابت ہوتی ہے، کیونکہ یہ روایت بھی اپنے متعدد اکابر سے کانوں میں پڑی ہوئی ہے کہ قیامِ مدرسہ کے بعد دیوان محمد یٰسین صاحب دیوبندی عرف دیوان اللہ دیا مرحوم، خادمِ خاص حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب حج کے لئے حاضر ہوئے اور حضرت اقدس مولانا حاجی امداداللہ قدس سرہٗ سے ملاقات ہوئی تو کسی موقع پر انہوں نے یہ عرض کیا کہ حضرت ہمارے مدرسہ کے لئے دُعاء فرمایئے۔

حاجی صاحب نے ہنس کر فرمایا کہ اللہ اکبر آپ کا مدرسہ؟ دُعاؤں میں راتیں گزاریں ہم نے اور مدرسہ ہو گیا آپ کا، اور فرمایا کہ خیال یوں گذرتا تھا کہ یہ مدرسہ یا تو ''نانوتہ'' میں قائم ہو گا یا تھانہ بھون میں، کیا خبر تھی کہ اس دولت کو دیوبند والے لے اُڑیں گے؟ گویا حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا منشاء مبارک یہ تھا کہ علم واخلاق کی آمیزش کے ساتھ جذباتِ بغض فی اللہ اور جنگِ آزادی کی لہریں جبکہ تھانہ ونانوتہ سے اٹھیں اور یہیں کے اکابر کی گرمیٔ قلوب نے دوسرے مقامات کو بھی گرما کر خاک و خون کی رسم میں شریک کر لیا اور ادھر شکست کے بعد جبکہ اسی مخلوط مکتبِ خیال کا مدرسہ بھی قائم کرنا تھا جس سے نونہالوں میں علم واخلاق کے ساتھ جذباتِ حریت و

استقلالِ ملی کو فروغ پانے کا موقع ملے تو ایسی تربیت گاہ بھی اسی وطن میں قائم ہونی چاہئے تھی جہاں کے وطن داروں نے خصوصیت سے آگے بڑھ کر ان مخلوط جذبات کو عملی جامہ پہنایا۔ دوسرے لفظوں میں اس کی تعبیر یہ ہوئی کہ تھانہ و نانوتہ ہی کے یہ سپاہی اس مکتبِ خیال کا مدرسہ قائم بھی کر سکتے تھے، کیونکہ اس دور میں دیوبند کے خواص و عوام اس مخلوط جذبہ اور جامع مکتبِ خیال سے خالی یا اس کے ساتھ معروف و متمیّز نہ تھے، جوان جذبات کی اساس پر وہ کوئی تربیت گاہ قائم کرتے۔

اسی لئے حضرت نے فرمادیا کہ خیال یہ تھا کہ یہ مدرسہ نانوتہ یا تھانہ بھون میں قائم ہوگا اور اسے عجیب سمجھا کہ وہ دیوبند میں قائم ہوگیا۔ اس سے یہ نتیجہ خود بخود نکل آتا ہے کہ دیوبند کا وہ سابق میں قائم شدہ مدرسہ اس مکتبِ خیال سے خالی تھا، کیونکہ اس کے بانی ہی ان حضرات کے ساتھ معروف نہ تھے اور 1857ء کے قبل و بعد ان کا کوئی شہرہ یا امتیاز اس بارہ میں نہیں ملتا، بلکہ اگر ملتا ہے تو گورنمنٹ کی انتہائی خیر خواہی کا۔ چنانچہ مصلح کمیٹی کے چند تخریبی الزامات کا رَد کرتے ہوئے نواب محی الدین احمد خاں صاحب رئیس مرادآبادی اپنی تحریر (تذکرہ) میں فرماتے ہیں:

''مدرسہ کے اکثر منتظم ابتداءِ اجراء سے اب تک وہی ہیں جن کی تمام عمر سرکار کی خیر خواہی اور ملازمت میں گذری۔ دیکھو قدیم اہل مشورہ میں سے جناب مولوی ذوالفقار علی صاحب اور جناب مولوی فضل الرحمٰن صاحب کو جو زیادہ تر آپ کے اعتراضوں کا نشانہ ہیں کہ تقریباً چالیس برس تک بڑے بڑے عہدوں سرکاری پر محکمہ سررشتہ تعلیم میں مامور رہے اور نہایت نیک نامی اور خیر خواہی سے اس زمانہ کو پورا کیا۔ چنانچہ ان متعدد اور کثیر سرٹیفکٹوں سے جو بڑے بڑے حکام سے ان کو حاصل ہوئے، معلوم ہوسکتا ہے کہ سرکار کے نزدیک وہ کیسے معتمد اور قابلِ اطمینان تھے اور بعد ملازمت اب پنشن پاتے ہیں۔'' (تذکرہ، ص ۱۴۱، مطبوعہ مجتبائی پریس)

نیز ۱۳۱۲ھ میں پیش آمدہ نزاع کے موقع پر کلکٹر ضلع نے مجلس شوریٰ سے وجوہِ نزاع دریافت کئے اور ممبرانِ شوریٰ نے وجوہِ نزاع سب ظاہر کیں اور مدرسہ کے

قواعدِ انتظامیہ اور آمد وصرف روپیہ کے کاغذ سامنے رکھ دیئے تو اس موقع پر مولانا ذوالفقار علی صاحب نے اثناء گفتگو میں یہ فرمایا کہ:

''میں نمک خوار اور خیر خواہِ سرکار ہوں، میں ذمہ دار ہوں کہ اگر کوئی بھی بات مدرسہ میں خلافِ سرکار ظاہر ہو تو اوّل مجھ سے مؤاخذہ کیا جائے۔'' (تذکرہ، ص۴۲)

بنا بریں یہ حضرات اس دارالعلوم کے بانی بھی نہیں ٹھہر سکتے جس میں علمی اور اخلاقی تربیت کے ساتھ گورنمنٹ سے دینی اور ملی حقوق منوا لینے کے جذبات و اقدامات نصب العین کا درجہ رکھتے ہوں، جو اس کے ابتدائی دور میں بھی ظاہر ہوئے جبکہ حضرت نانوتوی نے دارالعلوم کے احاطہ میں طلبہ کو فنونِ سپہ گری سکھلانے کے لئے اُستاد رکھا اور فصلِ خصومات کے لئے محکمۂ قضاءِ شرعی قائم فرمایا۔ جنگِ رُوم و رُوس کے موقع پر خلافتِ اسلامیہ اور ترکوں کے لئے فراہمیٔ چندہ کی تحریک اُٹھائی اور اپنے گھر بار کا کل سامان اس چندہ میں دے ڈالا، وغیرہ وغیرہ۔

اور پھر یہی جذبات اس کے بعد کے دور میں ان کے شاگردِ رشید اور جانشین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے ذریعہ سے ظاہر ہوئے۔ غرض دارالعلوم کے اوّل و آخر اس کی اصلی بنیادیں اُبھریں، البتہ درمیانی دور میں حضرت بانی کے وصال کے بعد یہ جذبات کچھ مستور اور مغلوب سے رہے جس کی یہ سابقہ عبارتیں غمازی کر رہی ہیں۔ بہرحال اس سے واضح ہوتا ہے کہ دیوبند میں وہ پہلا قائم شدہ مکتب یا ابتدائی مدرسہ، اور یہ مدرسہ اپنی اپنی وجوہِ تاسیس کی بناء پر ایک نہیں ہو سکتے، کہ دوسرے کو پہلے کی ترقی یافتہ صورت کہہ دیا جائے۔ اور جب وہ ایک نہیں تو ان کے بانی بھی ایک نہیں ہو سکتے۔ دارالعلوم کے بانی وہی ہو سکتے ہیں جن کی ذات ذہناً و فکراً اور پھر عملاً ان تمام مخلوط جذبات اور جامع احساسات کی حامل ہو جو اس دارالعلوم کی بنیادوں میں سمائے ہوئے ہیں، اور ظاہر ہے کہ وہ بانی ہی سے صادر ہو کر بناء میں سما سکتے تھے۔ دوسرے حضرات عمل کے شریک ضرور تھے فکرِ خاص کے نہیں، جس سے بناء کا تعلق ہے۔

البتہ قیامِ دارالعلوم کے بعد بانی کے ان جذبات و احساسات کو جس قدر اہل دیو

بند نے اپنایا اتنا دوسرے خطے نہ اپنا سکے اور وہ 1857ء سے پہلے کی پسماندگی جو اس بارہ میں دیوبند کی سرزمین پر چھائی ہوئی تھی انتہائی جولانی سے بدل گئی، بلکہ اس کی نسبت سے دوسرے خطوں کی وہ پوزیشن ہوگئی جو قیامِ دارالعلوم سے پہلے خود دیوبند کی تھی جیسا کہ بعد کی تحریکات وغیرہ میں ان کے جوش وخروش دِکھلانے سے واضح ہے۔

اس لئے بے تأمل کہا جا سکتا ہے کہ دیوبند کو یہ روشنی دارالعلوم نے بخشی ہے نہ کہ ان کی روشنی سے دارالعلوم روشن ہوا۔ نیز دارالعلوم نے ان کے ذہن وفکر کی نئی بنیادیں قائم کیں نہ کہ ان کے ذہن وفکر نے اس دارالعلوم کی بنیاد رکھی۔ اب اگر مدرسہ نانوتہ یا تھانہ بھون میں قائم نہ ہوا تو نانوتہ وتھانہ بھون دیوبند میں آکر قائم ہو گئے اور حضرت حاجی امداد اللہ قدس سرہٗ کے منشاء کو حق تعالیٰ نے اس طرح پورا فرمادیا۔ اس لئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بانیٔ دارالعلوم ہونے کا ثبوت جہاں بیسیوں ثقہ روایات سلف وخلف سے ملا جن کا جھوٹ پر جمع ہونا عادۃً محال ہے، بلکہ ان میں سے بعض بعض راوی ایک اُمت کی برابر ہے، وہیں یہ ثبوت حقائق کے گہرے مطالعہ اور درایت وفراست سے بھی مل گیا جیسا کہ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ کے ارشاد کے تحت ان کے منشاء کی تشریح کرتے ہوئے عرض کیا گیا۔

بہرحال جو حضرات دارالعلوم دیوبند کو دیوبند کے اس مکتب کی ترقی یافتہ صورت کہتے ہیں جو حضرات حاجی محمد عابد صاحب اور مولانا فضل الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ حضرات نے قائم فرمایا تھا، اور اس طرز سے وہ دارالعلوم کا بانی بھی انہیں حضراتِ ممدوحین کو قرار دیتے ہیں، ان کا یہ نظریہ روایۃً ودرایۃً غلط ٹھہرا اور واضح ہوگیا کہ جب یہ دونوں مدرسے اپنے اپنے منشائی تاسیس کے لحاظ سے ایک نہیں ہوسکتے تو ان کے بانی بھی ایک نہیں ہوسکتے اور ادھر متواتر روایات بھی اس نظریہ کیخلاف جارہی ہیں اس لئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بانیٔ دارالعلوم ہونے کا مسئلہ روایۃً اور درایۃً بے غبار ہو جاتا ہے جس کی بناء ثقات کی شہادات پر ہے، متوسلین یا اہلِ ضابطہ کے جذبات پر نہیں۔

(رسائل حکیم الاسلام جلد نمبر 3 صفحہ 423 تا 444)

عکس تحریر

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ متعلق اُصول ہشت گانہ

وہ اصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارس

چندہ مبنی معلوم ہوتی ہیں

۱ اصل اول یہ ہے کہ تا مقدور کارکنان مدرسہ کو ہمیشہ تکثیر چندہ پر نظر رہے آپ کوشش کریں

اوروں سے کرائیں خیر اندیشان مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے

۲ ابقاء طعام طلبہ بلکہ افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشان مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں

۳ مشیران مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور اسلوبی ہو اپنی بات

کی پچ نہ کی جائے خدا نخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالف رائے اور اوروں کی رائے

کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بنیاد میں تزلزل آجائے گا القصہ تہ دل سے بروقت مشورہ

اور نیز اس کے پس و پیش میں اسلوبی مدرسہ ملحوظ رہے سخن پروری نہ ہو اور اس لئے ضروری ہے کہ اہل مشورہ

اظہار رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی

بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہمارے مخالف ہی کیوں نہ ہو بدل و جان قبول کریں گے اور نیز اسی وجہ سے یہ

ضروری ہے کہ مہتمم امور مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ

مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد و صادر جو علم و عقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو اور نیز

اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدر ضرورت

اہل مشورہ کا اعتراض اس بات پر نہ ہونا چاہیے کہ ہم سے کیوں نہ پوچھا ہاں اگر مہتمم نے کسی سے بھی نہ پوچھا تو پھر ہر اہل مشورہ معترض ہو سکتا ہے

یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علماء روزگار خود بین اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں خدانخواستہ جب اسکی نوبت آئیگی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں

خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور انداز مشورہ سے تجویز ہو پورا ہو جایا کرے ورنہ یہ مدرسہ اول تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا

اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ انشاء اللہ بشرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہو گئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف و رجا جو سرمایہ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا اور امداد غیبی موقوف ہو جائیگی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائیگا القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے

سرکار کی شرکت اور امراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے

۸ حتی الامکان ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجب برکت معلوم ہوتا ہے جنکو اپنے چندہ سے امید ناموری نہ ہو بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے

آزادیٔ ہند کا
خاموش راہنما دار العلوم دیوبند

مدارس دینیہ کیلئے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے
ضبط فرمودہ اُصول ہشت گانہ کی تشریح

(از حکیم الاسلام قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ)

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

آزادی کی خوشی کی تکمیل

آج 15 اگست 1957ء ہے جو ہندوستان کا یومِ آزادی ہے۔ ملک کا ہر ایک باشندہ خوشیاں منا رہا ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ آزادی سے بڑھ کر خوشی منانے کی اور کوئی چیز ہو بھی نہیں سکتی جب کہ آزادی ہی ہر خوشی کا سر چشمہ ہے۔ لیکن آزادی ہمیں اچانک نہیں مل گئی اور آسمان سے بارش کی طرح ایک دم برس نہیں گئی، بلکہ کتنے ہی صبر آزما دِنوں، مہینوں اور سالوں، کتنے ہی دار ورَسن کے ہنگاموں اور قید و بند کے ہیبت ناک کٹہروں بلکہ کتنی ہی تڑپتی ہوئی لاشوں سے گذر گذر کر یہ آزادی کی دولت ہم تک پہنچی ہے۔ گو آج کی تاریخ میں آزادی کا پارسل ہمیں بیک دم اور پُر امن طریق پر اچانک شب کے بارہ بجے موصول ہو گیا، لیکن وہ کتنے تاریک سمندروں سے گذرتا ہوا ہندوستان پہنچا، کتنے طوفانوں میں سے نکلا اور کتنی خطرناک خلیجیں اس کی راہ میں حائل ہوئیں جن کا کتنے ہی آہنی قسم کے اِنسانوں نے مقابلہ کیا، ایسے اہم سوالات ہیں جن سے ہماری تاریخ وابستہ ہے جسے فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

اس لئے آزادی کی خوشی کے ساتھ اگر ان غموں کی اور غم سہنے والی عظیم المرتبت شخصیتوں کی داستان سامنے نہ لائی جائے تو جو آزادی کے اوّلین علم بردار تھے تو نہ آزادی کی خوشی ہی مکمل ہو سکتی ہے اور نہ یومِ آزادی کوئی روشن دن بن سکتا ہے۔ کیوں کہ ہماری خوشی کی تعمیر ان ہی کے غموں اور غم خواریوں کی اساس پر کھڑی ہوئی ہے، اگر

وہ قید و بند اور دار و رَسن کا غم نہ کھاتے تو یہ آزادی کی خوشبو ہمارے دماغ تک نہ پہنچتی۔
اس لئے ہماری خوشی ان کی آزادی خواہانہ روشوں کے تذکرہ کے بغیر مکمل نہیں ہو سکتی۔

آزادی کا ہیرو

ایسی بلند پایہ شخصیتیں کافی تعداد رکھتی ہیں جنہوں نے اپنے اپنے موقع پر سرفروشی کے جوہر دِکھلائے اور ایثار و قربانی سے گو اپنے کو ختم کر لیا مگر آنے والی نسلوں کے لئے آزادی کی خوشیاں منانے کی فضائیں ہموار کر گئے۔ ان میں متعدد شخصیتیں آزادی کے ہیرو کی حیثیت رکھتی ہیں جن کے تذکروں سے تاریخ کا دامن بھرپور ہے۔

میں اس موقع پر ایک ایسی نام وَر اور عظیم القدر شخصیت اور اس کی اُصولی شاہ راہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جس نے 1857ء کی جنگ آزادی میں نہ صرف ذاتی طور پر حصہ ہی لیا اور نہ صرف ایک ہیرو بلکہ امیر لشکر و سپہ سالارِ فوج کی حیثیت سے شاملی کے میدانِ جنگ میں پیش قدمی کی کہ اس میں اور شخصیتیں بھی پیچھے نظر نہیں آتیں بلکہ جنگ کی فتح و شکست کو آنکھوں میں رکھ کر آزادی پسندی اور آزادی خواہی کی ایک ایسی اُصولی شاہ راہ ڈال دی جس سے جماعتیں کی جماعتیں آزادی کے میدانوں میں مارچ کرتی ہوئی نظر آنے لگیں، بلکہ دِلوں اور دماغوں کی تربیت ہی آزادیٔ ضمیر، آزادیٔ زبان و قلم اور آزادیٔ ملک و ملت کے جذبات کی اُساس پر ہوتے رہنے کی راہ پڑ گئی۔ اور جو فتح شاملی کا میدانِ کارزار تیغ و سناں سے نہیں پا سکا تھا وہ ان اُصول کے ہتھیاروں سے قلم و زبان کے میدان میں نظر آ گئی اور نظر بازوں سے ہمکنار ہو گئی۔

میری مراد اس سے حضرت اقدس حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نور اللہ مرقدہٗ، بانیٔ دار العلوم دیوبند کی ذاتِ گرامی ہے جو اپنے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ قدس اللہ سرہٗ کے دل و دماغ کے اور علماً و عملاً امداد الٰہی لسان کی حیثیت سے اوّلاً شاملی کے 1857ء کے میدان میں سامنے آئے۔ اور اس ہنگامۂ رست و خیز کے خاتمہ پر انہوں نے علم و عمل کی رونمائیوں کے لئے دار العلوم دیوبند کی تاسیس کی۔

شاملی کے میدان کی تلافی

گویا شاملی کا میدان اور دارالعلوم کی زمین ایک ہی حقیقت کے دو رُخ تھے، فرق تیغ و سنان و قلم و زبان کا تھا۔ وہاں تشدد کے ساتھ آزادیٔ ملک و ملت اور آزادیٔ مذہب و دین کا نصب العین سامنے تھا اور یہاں عدمِ تشدد کے ساتھ علمی، اخلاقی اور آئینی رنگ میں وہی منصوبہ پیش نظر تھا۔ وہاں اس نصب العین کے لئے افراد استعمال کئے جا رہے تھے اور یہاں اس کے افراد بنائے جانے لگے۔ وہاں نام میدانِ جنگ کا تھا اور یہاں نام مدرسہ اور مکتبِ امن و صلح کا تھا۔ وہاں قلب و دماغ کے اشاروں پر ہاتھ پیر کام کر رہے تھے اور یہاں براہِ راست دل و دماغ نے خود اپنے تصرفات دِکھلائے۔

غرض حضرت والا نے میدانِ شاملی کے نتائج پیش رکھ کر دارالعلوم دیو بند کی تاسیس کی اور اس کے اُصول اور نظامِ کار کو ایسے انداز پر اُٹھایا کہ شاملی کے میدان کی تلافی ہو اور جو منصوبہ اس وقت کامیابی سے ہمکنار نہ ہو سکا تھا وہ اب ہو جائے۔

سیاسی محکومیت کے اِزالہ کی واحد تدبیر

حضرت والا نے دارالعلوم دیو بند بلکہ 1857ء کے بعد تمام دینی مدارس کے لئے آٹھ اُصول کا ایک دستورِ اساسی مرتب فرمایا جو دارالعلوم کی معنوی تاسیس تھی۔ اس کی ہشت گانہ دفعات میں اپنے ذہن کا وہ جمہوری نظام جس کو آپ وقت کی پکار سمجھ رہے تھے، اور جو ایک طرف اگر علاقۂ خواص پر مشتمل تھا تو دوسری طرف اس کی رُوح رابطۂ عوام تھی، ذہن سے نکال کر کاغذ پر رکھ دیا۔

حضرت والا ان اُصول کے راستہ سے قوم کو حکومتِ وقت اور اُمراءِ عصر سے بے نیاز ہو کر حق خود اِرادیت اور حق خود اختیاری کے ساتھ اپنے قدموں پر کھڑا کرنا چاہتے تھے، کیونکہ جو قوم خود اپنی قدرت سے قادر نہ ہو وہ ہمیشہ دوسروں کے رحم و کرم پر جیتی ہے۔ اور وہ جینا زندگی نہیں، موت بصورتِ حیات ہے۔

حضرت نے 1857ء کے بعد بھانپ لیا تھا کہ اگر قوم میں ملک وسیاست کے ساتھ علم واخلاق اور ذہن وفکر میں بھی حقِ خود اِرادیت باقی نہ رہا تو اس قوم کی بنیاد ہی منہدم ہو جائے گی۔ اور وہ کبھی بھی اجتماعی طور پر خود اختیار بن کر نہ اُبھر سکے گی، اس لئے حضرت والا کے نزدیک قوم کی سیاسی محکومی اور اجتماعی غلامی کے ازالہ کی واحد تدبیر ہی یہ تھی اور واقعہ یہی تھا کہ قوم کو علم ودین کے راستہ سے اجتماعیت کی لائنوں پر ڈال دیا جائے گا۔

اور یہ جب ہی ممکن تھا کہ تعلیم وتربیت کے نظام کو شخصیاتی لائن کے بجائے جماعتی اُصول پر قائم کیا جائے تا کہ ایک طرف تو عوام کی قوت اس کے ساتھ ہو جائے اور دوسری طرف اس تعلیم اور نظمِ تعلیم کے پروردوں میں ''دینی حدود'' کے ساتھ جمہوری تنظیم کا مذاق پیدا ہو جائے۔

حضرت والا دِل کی آنکھوں سے دیکھ رہے تھے کہ زمانہ عوام کو اُبھارنے والا ہے، حکمرانی کی قوتیں عوام کی طرف منتقل ہونے والی ہیں، اگر یہ صورتِ حال خود رَو طریق پر ہوئی تو اس عوامیت میں لا دینی کے جراثیم کار فرما ہو جائیں گے، جس سے اس دین شعار قوم کی حقیقی بنیادیں ہی ختم ہو جائیں گی اور اس کا قومی وجود ہی سرے سے باقی نہ رہے گا۔

اس لئے آپ نے اس ادارہ میں تعلیم تو خالص دین کی جاری فرمائی اور نظامِ تعلیم یعنی نظمِ ادارہ کے اُصول اجتماعی اور جمہوری رنگ کے رکھے تا کہ دین اور نظم دونوں کے مجموعہ سے قوم میں دینی خود اختیاری کی قوت پیدا ہو جائے، کہ الملک والدین توامان (ملک اور دین دو جڑواں بچے ہیں) ایک سے دوسرا جدا نہیں ہو سکتا۔

جہادِ شاملی کے رُخ کی تبدیلی

حضرت والا کے ان اُصولِ ہشت گانہ کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ اُصول لکھتے وقت آپ گویا شاملی کے میدان میں کھڑے ہوئے ہیں۔ قوم کی ہزیمت وشکست کا منظر آپ کے سامنے ہے اور آپ دیکھ رہے ہیں کہ حکومتِ متسلّطہ شکست خوردہ قوم کے حقوقِ آزادی کو کچل رہی ہے اور اس کے قومی تشخص اور حقِ خود اِرادیت کو اور ساتھ

ہی اس کے مذہب اور قومی بنیادوں کو جن پر اس کی قومی شخصیت کی عمارت کھڑی ہوئی ہے، پامال کرنے پر تلی ہوئی ہے، جیسا کہ اس کی تفصیلات آپ کو سوانح قاسمی میں ملیں گی۔ جن کا سلسلہ 1857ء سے پہلے ہی شروع ہو چکا تھا۔

حضرت والا نے 1857ء کی شکست کے بعد محسوس کیا کہ اب تلوار سے تلوار کے مقابلہ کا وقت نہیں، تو آپ لوہے کی تلوار میان میں کر لیتے ہیں اور تعلیمی لائن کے ہتھیار میان سے نکال کر میدانِ مقابلہ میں آجاتے ہیں۔ گویا شاملی کا جہاد ابھی ختم نہیں ہوا صرف رُخ بدلا ہے اور ہتھیاروں کی نوعیت تبدیل ہوئی ہے۔

اس ٹھنڈے مقابلہ کا پہلا قدم قوم کی سنبھالی اور رکھوالی تھی جب کہ اُسے ناتربیتی اور لاتعلیمی ہی کی وجہ سے شکست اور ہزیمت کا منہ دیکھنا پڑا تھا، اس لئے اس جدید اقدام میں تعلیم وتربیت کے راستہ سے قدیم ناتربیتی اور لاتعلقی کے اثرات زائل کرنے تھے، احساسِ کم تری کو دِلوں سے دُور رکھنا تھا تاکہ حوصلوں میں فرق نہ آجائے۔

آزاد نظام برپا کرنے کا فیصلہ

دوسرا قدم دین کی اخلاقی تربیت، صفائی قلب، پاکیزگیٔ نفس اور جذباتِ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ سے قوم کی تعمیر تھی تاکہ آزادیٔ ضمیر کی رُوح اس میں مستحکم ہو جائے۔ اور تیسرا قدم علم وعمل اور اخلاق کے ان سانچوں میں حریتِ نفس اور آزادیٔ ملک وملت کے ایسے جذبات کا رنگ بھرنا تھا جن میں فکر وبصیرت کے ساتھ اخلاص وایثار اور قوم پروری کی رُوح دوڑ رہی ہو۔

دارالعلوم کے یہ بنیادی اُصول اجتماعی رُوح کے ساتھ حضرت نے اس وقت وضع فرمائے جب کہ نئے تسلط واقتدار کے زیر اثر سر برآوردگانِ ملک عوام کے جذبات سے الگ ہو کر طاقتِ متسلّطہ کی گود میں اپنے کو ڈال رہے تھے۔ ''حریت کاری'' کے بجائے ''وفاداری'' کا خمار خودسروں کے سروں میں بھر چکا تھا اور قومی رشتے حکومتی رشتوں پر بھینٹ چڑھائے جا رہے تھے۔

حضرت نے اس وقت ان آٹھ اُصول کے راستہ سے استغنائی رنگ میں اس ادارہ کی بنیاد رکھی اور اس علمی تنظیم سے خواص کے ذریعہ عوام کو اُبھارنے اور مضبوط بنانے کا پرداز ڈالا اور ملک کے اُونچے طبقہ سے ہٹ کر جو حکومت کی گود کی طرف بڑھ رہا تھا ایک آزاد نظام برپا کرنے کا فیصلہ ان اُصول کے راستہ سے کرلیا۔

ان اُصول اور ان کے بنائے ہوئے علمی اداروں یعنی دارالعلوم دیوبند اور اس کی فروعات سے ملک کی علمی اور دینی خدمات کیا ہوئیں؟ اور 1857ء کے بعد ملک کے ایک ایک کونے بلکہ پوری دنیائے اسلام کے گوشہ گوشہ میں علم واخلاق اور قال اللہ وقال الرسول کی روشنی کس حد تک پہنچی اور پھیلی؟

اس تحریر میں میرا موضوعِ بحث نہیں، میری غرض صرف یہ ہے کہ اس کے علاوہ اجتماعی لائنوں میں ان اُصول نے کیا اثر دِکھلایا اور اس دارالعلوم سے علمی تنظیم کی صورت سے اجتماعی رجحانات اور ان کے عملی نتائج کس حد تک ظاہر ہوئے؟

خاموش راہنمائی کے آٹھ اُصول

سو ان کا اجمالی خاکہ سامنے لانے کے لئے پہلے ان اُصولِ ہشت گانہ کا متن پڑھیے اور پھر اُن کے پیدا کردہ ذوق اور ذوق سے پیدا شدہ عملی آثار کو دیکھئے۔

اُصول کا متن جو حضرت والا کے قلم کا لکھا ہوا خزانۂ دارالعلوم میں محفوظ ہے، حسب ذیل عنوان سے شروع ہوتا ہے۔

وہ اُصول جن پر یہ مدرسہ اور نیز اور مدارسِ چندہ مبنی معلوم ہوتے ہیں

اس عنوان کے نیچے حسبِ ذیل آٹھ اُصول قلم بند فرمائے گئے ہیں:

(۱)......اصل اوّل یہ ہے کہ تامقدور کارکنانِ مدرسہ کو ہمیشہ تکثیرِ چندہ پر نظر رہے، آپ کوشش کریں اوروں سے کرائیں، خیر اندیشانِ مدرسہ کو یہ بات ہمیشہ ملحوظ رہے۔

(۲)...... ابقاءِ طعام طلبہ مل کر افزائش طعام طلبہ میں جس طرح ہو سکے خیر اندیشانِ مدرسہ ہمیشہ ساعی رہیں۔

(۳)...... مشیرانِ مدرسہ کو ہمیشہ یہ بات ملحوظ رہے کہ مدرسہ کی خوبی اور خوش اُسلوبی ہو، اپنی بات کی پچ نہ کی جائے۔ خدانخواستہ جب اس طرح کی نوبت آئے گی کہ اہل مشورہ کو اپنی مخالفت رائے اور اوروں کی رائے کے موافق ہونا ناگوار ہو تو پھر اس مدرسہ کی بناء میں تزلزل آجائے گا۔ القصہ تہہ دِل سے بروقت مشورہ اور نیز اس کے پس وپیش میں اُسلوبیٔ مدرسہ ملحوظ رہے، سخن پروری نہ ہو۔ اور نیز اسی وجہ سے یہ ضروری ہے کہ اہل مشورہ اظہارِ رائے میں کسی وجہ سے متامل نہ ہوں اور سامعین بہ نیت نیک اس کو سنیں۔ یعنی یہ خیال رہے کہ اگر دوسرے کی بات سمجھ میں آجائے گی تو اگرچہ ہماری مخالفت ہی کیوں نہ ہو بہ دل وجان قبول کریں گے۔ اور نیز اسی وجہ سے ضروری ہے کہ مہتمم اُمورِ مشورہ طلب میں اہل مشورہ سے ضرور مشورہ کیا کرے، خواہ وہ لوگ ہوں جو ہمیشہ مشیر مدرسہ رہتے ہیں یا کوئی وارد وصادر جو علم وعقل رکھتا ہو اور مدرسوں کا خیر اندیش ہو، اور اسی وجہ سے ضروری ہے کہ اگر اتفاقاً کسی وجہ سے کسی اہل مشورہ سے مشورہ کی نوبت نہ آئے اور بقدرِ ضرورت اہل مشورہ کی مقدار معتد بہ سے مشورہ کیا گیا ہو تو پھر وہ شخص اس وجہ سے ناخوش نہ ہو کہ مجھے کیوں نہ پوچھا۔ ہاں اگر مہتمم نے کسی سے نہ پوچھا تو پھر اہل مشورہ معترض ہوسکتا ہے۔

(۴)...... یہ بات بہت ضروری ہے کہ مدرسین مدرسہ باہم متفق المشرب ہوں اور مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپے توہین نہ ہوں، خدانخواستہ جب اس کی نوبت آئے گی تو پھر اس مدرسہ کی خیر نہیں۔

(۵)...... خواندگی مقررہ اس انداز سے جو پہلے تجویز ہو چکی ہے یا بعد میں کوئی اور اندازِ مشورہ سے تجویز ہو پوری ہو جایا کرے، ورنہ یہ مدرسہ اوّل تو خوب آباد نہ ہوگا اور اگر ہوگا تو بے فائدہ ہوگا۔

(۶)...... اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں جب تک یہ مدرسہ اِن شاء اللہ بہ شرط توجہ الی اللہ اسی طرح چلے گا، اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی

حاصل ہوگئی جیسے جاگیر یا کارخانہ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورجاء جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے ہاتھ سے جاتا رہے گا، امدادِ غیبی موقوف ہوجائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہوجائے گا۔ القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے۔

(۷)......سرکار کی شرکت اور اُمراء کی شرکت بھی مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸)......تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے جن کو اپنے چندہ سے اُمید نام وَری نہ ہو، بالجملہ حسن نیت اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔

جمہور کا ادارہ اور عوام سے رابطہ

ان اُصول ہشت گانہ کی رُو سے حضرت والا نے:

(۱)......سب سے پہلے اس ادارہ کو عوامی اور جمہوری قرار دیا اور اس کی کفالت کا بار عوامی چندوں پر رکھا تا کہ یہ ادارہ سرکاری یا کسی مخصوص پارٹی کا کہلانے کے بجائے جمہوری اور عوامی کہلائے۔ پھر اس کی ضروریات کی اپیل بھی براہِ راست عوام ہی سے رکھی جس کا سلسلہ واسطہ بلا واسطہ قائم رکھنے کی ہدایت فرمائی تا کہ کسی وقت بھی اِدارہ عوام اور جمہور سے مستغنی نہ ہو، اور عوام کی توجہ کسی آن ادارہ سے ہٹنے نہ پائے۔ ساتھ ہی تکثیر چندہ کی مساعی جاری رکھنے کی بھی تلقین فرمائی جس کی کوئی حد مقرر نہیں کی گئی تا کہ جس رفتار سے چندہ بڑھے اسی رفتار سے اِدارہ کا حلقۂ اثر بھی وسیع ہوتا چلا جائے اور زیادہ سے زیادہ عوام کا رابطہ اس سے قائم ہوتا رہے۔

چنانچہ اسی اُصول کی روشنی میں اس ادارہ کی مجلس شوریٰ کو (جو اس کے نظم ونسق کی ذمہ دار ہے) وکیل اہل چندہ اور مالیات میں نمائندہ عوام قرار دیا گیا ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ عوام صرف چندہ دہندگان ہی نہیں بلکہ بواسطہ مجلس شوریٰ اس کے مالی مصارف کے نگراں اور مجوّز بھی ہیں اور اَوّل سے آخر تک ادارہ میں انہی کا عمل دخل ہے۔

آج کی دنیا میں سیاسی انقلاب لانے والی یا حکومت چلانے والی جماعتوں کا

بنیادی اُصول کیا اس سے کچھ مختلف ہے؟ ان کے یہاں آج کے جمہوری دور میں انقلاب لانے کا بنیادی اُصول رابطۂ عوام کے سوا اور کیا ہے؟ اور اس رابطہ کی صورت آخر اس کے سوا کیا ہوتی ہے کہ عوام کو مرکز سے وابستہ کر کے ان کی قوت سے کام لیا جائے۔ اور انہی کے حصۂ رسد سرمایہ سے کام کو آگے بڑھایا جائے۔ خلافت کمیٹی قائم ہوئی تو اس نے بھی عوام کو ممبر بنا کر رکنیت کی فیس رکھ دی۔ کانگریس کمیٹی رونما ہوئی تو اس نے بھی عوام کی ممبری سے کام چلایا۔ دوسری سیاسی پارٹیاں اُبھریں تو انہوں نے بھی عوامی ممبر سازی اور رکنیت کی فیس رکھ کر ہی عوام سے رابطہ قائم کیا جس سے انقلابی کام آگے بڑھا۔

حضرتِ والا نے آج سے سو برس پہلے جب کہ رابطۂ عوام کا سسٹم عوام نگاہوں کے سامنے نہیں آیا تھا، یہ عوام کا اِدارہ قائم کر کے عوام کو فیس رکنیت کے عنوان کے بجائے عوامی چندہ کے نام پر اِدارہ سے وابستہ کیا، اسی طریقِ کار کو بعد کے مبصروں نے مدارس کے بجائے انجمنوں اور کمیٹیوں کی صورت سے اپنایا۔ فرق یہ رہا کہ سیاسی انجمنوں کا مقصد کوری سیاست تھی اور اس ادارہ کا مقصد سیاست اور دیانت کا مرکب نصب العین تھا۔ سیاسی کمیٹیوں نے سیاسی عنوان سے کام کیا اور اس ادارہ نے اپنی سیاست کو تعلیمی لائنوں سے آگے بڑھایا، جس میں آزادیٔ وطن کے ساتھ آزادیٔ مذہب وملت کی رُوح بھی قائم رکھی۔ بہر حال اس اَوّلین اُصول کی روح اس عوامی چندہ کی جدوجہد سے ملک کے عوام اور غرباء سے زیادہ سے زیادہ رابطہ قائم کرنا تھا تا کہ اِدھر تو عوام اس ادارہ کو اپنی چیز سمجھیں اور اُدھر اس علمی ادارہ سے وابستگی کے راستہ سے ان میں علمی شعور پیدا ہو۔

ظاہر ہے کہ جب کہ ہر قوم میں اکثریت عوام اور غرباء ہی کی ہوتی ہے اور وہی قوم کی قوت اور ریڑھ کی ہڈی ہوتے ہیں، اور اسی لئے ہر اجتماعی کام کا مدار رائے عامہ پر ہوتا ہے، اس لئے اُصول مذکورہ کی رُو سے عوام یا رائے عامہ کو پشت پر لے کر درحقیقت آزادیٔ ملک وملت کی ایک بنیادی قسط حاصل کر لی گئی اور یہ اجتماعیت کی لائن کا پہلا قدم تھا جو اس ادارہ نے جنم لیتے ہی اُٹھایا۔

سرکاری اِمداد کا بدل

(۲)......اسی کے ساتھ دوسرے اُصول میں قوم کے غریب بچوں یعنی طلبہ کی امدادِ طعام وغیرہ اور اس کی افزائش و تکثیر ضروری قرار دی تا کہ ان کی دِل جمعی اور وابستگی کے واسطہ سے قوم اور ملک کو اس ادارہ سے وابستگی روز بروز بڑھتی رہے، گویا پہلا اُصول اگر رابطۂ عوام کا رکھا گیا جو پچاس برس بعد انقلابوں اور جمہوری حکمرانیوں کی اساس بننے والا تھا تو دوسرے اُصول میں عوام کو خود بھی ادارہ کی طرف بڑھنے کا موقع دیا تا کہ اس دو طرفہ رابطہ سے اتحاد باہمی کی بنیادیں مضبوط سے مضبوط تر ہوتی رہیں۔

گو اس دور کے سرکاری لائنوں کے افراد کی طرف سے اس عوامی چندہ کی تحصیل ووصول اور غریب طلبہ کی امداد کو بھیک مانگنے اور بھیک منگے تیار کرنے سے تعبیر کیا گیا کیونکہ 1857ء کے بعد ملک کے لئے چندہ کے ادارہ کا قیام ایک نئی چیز تھی اور سب سے پہلا چندہ کا مدرسہ دارالعلوم ہی تھا، جو 1857ء کی جنگ آزادی کے بعد 1866ء میں قائم ہوا، لیکن حضرت والا اپنے نورِ فراست سے محسوس کر چکے تھے کہ سرکاری ایڈ کے ساتھ قومی روح کبھی پروان نہیں چڑھ سکتی اور اس سرکاری امداد کا بدل بہ جز قومی چندہ کے دوسرا نہیں، اس لئے ان مطاعن کی پرواہ کئے بغیر آپ نے انگریزی سرکار کے علی الرغم ادارہ کو اس لائن سے آگے بڑھایا، مگر زمانہ کی رفتار نے بہت جلد اس رابطۂ عوام کی ضرورت واہمیت سمجھا دی اور یہ بھیک مانگنے اور بھیک منگے بنانے کا سسٹم بالآخر ہر قوم پرور کو اختیار کرنا پڑا، اس لئے کہا جا سکتا ہے کہ اس بارے میں دارالعلوم سے ملک کی قیادت کی اور قومی اداروں کے قیام کی لائن سے حریت طلبی کا یہ اَوّلین اُصول عملی طور پر دنیا کے سامنے لا رکھا۔

تالیفِ خواص

(۳)......رابطۂ عوام کے ساتھ اجتماعی لائنوں میں علاقۂ خواص بھی ناگزیر تھا، تو

حضرت والا نے تیسرا اُصول تالیفِ خواص کا رکھا، جس کی رُو سے اس ادارہ کو شخصیاتی یا انفرادی رکھنے کے بجائے شورائی قرار دیا تا کہ اس کے کام شخصی ہونے کی بجائے جماعتی رنگ سے انجام پائیں، کیونکہ شخصیتوں پر مبنی کام شخصیتوں کے اُٹھ جانے سے ختم ہو جاتے ہیں لیکن جماعتی کام افراد کے اُٹھتے رہنے کے باوجود بقاء پذیر رہتا ہے۔

ساتھ ہی ان مخصوص افراد کے رد وقبول کا معیار بھی کھول دیا کہ شورائی اَرکان مخلص ہونے کے ساتھ ساتھ صداقت وایثار لئے ہوئے ہوں، اجتماعیت کا مذاق رکھتے ہوں، بات کی پچ اور سخن پروری کی خو نہ ہو، کہ اگر کسی کی شخصی رائے نہ چلے تو اس میں واک آؤٹ کا جذبہ اُبھر آئے، بلکہ حق پسندی کا جذبہ رکھتے ہوں کہ اپنی رائے کے مخالف بھی حق نظر آئے تو گردن جھکا دیں۔ پس آزادئ ضمیر وایسی ہو کہ اپنی سچی رائے کے اظہار میں جھجک محسوس نہ کریں اور حق پسندی یہ ہو کہ دوسرے کی رائے سمجھ میں آجانے کے بعد مان لینے میں تامل تک نہ ہو۔

ظاہر ہے کہ اس آزادئ ضمیر کے ساتھ آزادانہ دستوری فرائض ادا کرنے والوں سے آزاد ہی فضاء پیدا ہو سکتی ہے اور ایسی آزاد فضاء میں تعلیم بھی ہوگی تو آزاد اور نظم و نسق بھی ہوگا تو آزاد اور اس سے تربیت پا کر نکلنے والے بھی ہوں گے تو آزاد ضمیر جو آزاد ہی ماحول پیدا کر دینے کی صلاحیتیں رکھتے ہوں گے۔ پس اس اُصول سے حضرت والا نے ذہنی آزادی کی بنیاد ڈال دی جو خارجی آزادی کا پیش خیمہ ہوتی ہے اور اس طرح گویا آزادی کی ایک اور قسط حاصل ہوگئی۔

پھر اس تالیفِ خواص کا دائرہ بھی محدود یا تنگ نہیں رکھا بلکہ رائے مشورہ کا دروازہ ہر وارد وصادر، ہر ذی عقل اور فہیم آدمی کے لئے کُھلا رکھا جو اس قسم کے تعلیمی اداروں اور ان کے مقاصد سے ہمدردی رکھتا ہو، گویا علاقۂ خواص میں رابطۂ عوام کو فکری حد تک بھی نہیں چھوڑا گیا تا کہ ادارہ چند مخصوص اہل الرائے کی آراء میں محدود ہو کر ملک کے عام ذی رائے اور زیرک طبقہ کی فکری اعانتوں سے محروم اور منقطع نہ ہو جائے، جو انجام کار

کاموں کے نقصان اور جماعتی نظم میں ضعف واختلال کا سبب ہوتا ہے، اور بالآخر نظم میں محدودیت واستبداد پیدا ہو کر جماعتی تعصب اور گروہ بندی کے جراثیم رونما ہو جاتے ہیں جو آزادی کے حق میں سنگِ گراں ثابت ہوتے ہیں۔ پس اس اصول سے راہِ آزادی کا ایک بھاری پتھر ہٹا دیا گیا جو اُصولِ آزادی کی ایک اہم قسط ہے۔

اتحادِ مشرب

(۴)...... مرکز میں مربیوں اور کارکنوں کا اتحادِ مشرب لازمی قرار دیا تا کہ اتحادِ خیال سے جماعتی نظم متحد اور مستحکم رہے ورنہ درصورت اختلافِ مشرب تقابل باہمی پھر اُس سے خود بینی وخود ستائی اور اس سے دوسروں کی توہین وآزار رسانی کے جراثیم اُبھر کر جماعتی نظم اور داخلی دل جمعی اور جماؤ کو تہہ و بالا کر دیتے ہیں، انتظامات میں پارٹی فیلنگ شروع ہو جاتی ہے جو انجام کار غلامی کی جڑوں کو اور زیادہ مستحکم کر دیتی ہے جو ایک آزادی پسند اور حریت طلب جماعت کے لئے سم قاتل ہے۔

اس لئے حضرت والا نے اس غلامی شکن اُصول سے آزادی کا ایک اور مانع مرتفع فرما دیا، یا جماعتی آزادی کے پروگرام کی ایک اور اہم قسط حاصل کر لی جس سے آزادی کی منزل قریب اور یقینی ہو جاتی ہے۔

ہمہ گیر انقلاب کی ذہنی استعداد

(۵)...... تجویزِ نصاب، مقدارِ خواندگی اور اندازِ تعلیم کو اس اُصول کی رُو سے نہ تو شخصی محض رکھا جس میں وسعت نہ ہو اور نہ عامۃ الناس کے عامیانہ آراء وقیاسات کے تابع کیا جو عقلی تقاضوں اور مقتضیاتِ وقت سے معرّیٰ ہو، بلکہ مشورۂ خاص اور انہی اہل علم اور اہل تجربہ کی آراء پر مبنی رکھا جو مثل علمائے روزگار خود بیں اور دوسروں کے درپئے آزار نہ ہوں تا کہ تعلیم آزاد بھی رہے اور اس میں عامۃ المسلمین کے حالات اور وقت کے تقاضوں کی رعایت بھی ملحوظِ نظر رہے۔

ظاہر ہے کہ ایسی آزاد مگر مطابقِ حالات و مقتضیاتِ تعلیم سے دل و دماغ بھی آزاد مگر پابندِ حدود ہی پیدا ہو سکتے تھے، اور ایسے ہی معتدل افراد سے ایک ایسے درمیانی قسم کے انقلاب کی توقع باندھی جا سکتی تھی جو ملک کی ساری قوموں کے لئے قابلِ قبول اور اپنے اپنے دائرہ میں نفع بخش ہو، جو نہ بے قید قسم کے اِنسانوں سے ممکن تھا نہ غلامی پسند اور محدود الخیال افراد سے متوقع تھا۔

پس اس پانچویں اُصول سے عمومی آزادی اور ہمہ گیر انقلاب کی ذہنی استعداد پیدا کر دی گئی جس سے آزادی کی منزل قریب سے قریب تر لے آئی گئی۔

یہ اس سے کچھ مختلف نہیں ہے کہ ہر انقلاب پسند ادارہ اپنے مطلوبہ رنگ کے انقلاب کے مطابق ہی کانسٹی ٹیوشن بنا کر افراد تیار کرتا ہے۔ تنگ دل طبقہ تنگ دِلانہ لٹریچر دماغوں میں ٹھونستا ہے اور متعصب فرقہ تعصب آمیز کورس سے دل و دماغ کو تنگ نظر بناتا ہے، انجام کار جو طبقہ بھی انقلاب میں غالب آ جاتا ہے، انقلاب اور تعمیرِ جدید میں اسی کی ذہنیت کار فرما ہو جاتی ہے۔ متعصب تھا تو انقلاب و تعمیر میں تعصب و تنگ دِلی کے مظاہرے ہونے لگتے ہیں اور فرقہ پرست تھا تو فرقہ پرستی کے، اس لئے حضرت والا نے نصاب کو کوری آزادی و بے باکی اور خالص بستگی و غلامی دونوں ذہنیتوں سے الگ رکھ کر درمیانی رکھا جو دل و دماغ میں ہر طبقہ کے لئے گنجائش اور وسعت پیدا کر سکے کہ اسی سے درمیانی قسم کا انقلاب پیدا ہو سکتا تھا۔

روحانیت واخلاق کے ذریعہ سے آزادی کی منزل

(۶)......عطیات اور چندوں کے سلسلہ میں اُمراء پر نظر اور ان کے وعدوں یا جاگیروں یا کارخانہ ہائے تجارت وغیرہ کے مستقل ذرائع آمدنی پر بھروسہ رکھنے سے اس چھٹے اُصول میں کافی طور پر ڈرایا گیا تا کہ ذہنی مرعوبیت اور اسیریٔ دل و دماغ کے جراثیم پرورش نہ پا سکیں اور ادارہ خود غرض سرمایہ داروں کی نفسانی اغراض کی آمیزش سے پاک رہے، جو ذہنی ہی نہیں خارجی آزادی کے حق میں بھی زبردست رکاوٹ ہیں۔

کیا آج کے دور میں سرمایہ داری اور سرمایہ داروں کے ختم کرنے کے دعوؤں سے فضاء عالم گونج نہیں رہی ہے؟ اور کیا ہر انقلابی پارٹی سرمایہ داروں کو راہ سے ہٹانے کی کوشش میں لگی ہوئی نہیں ہے جب کہ وہ دیکھتی ہے کہ مطلوبہ انقلاب میں یہی سرمایہ دار پارٹی اپنے سرمایہ اور عیش پسندانہ وسائل کی حفاظت کی خاطر انقلاب میں حارج ہوتی ہے۔ حضرت والا نے اسے اس وقت محسوس کیا جب مزدور اور سرمایہ دار کا کوئی رسمی سوال دنیا میں پیدا نہ ہوا تھا مگر پیدا ہونے والا تھا۔

حضرت والا اپنے نورِ فراست اور اپنے مذہب کے اُصول کی روشنی میں دیکھ رہے تھے کہ انقلاب لانا کبھی سرمایہ داروں کا کام نہیں ہوا بلکہ ہمیشہ جفاکش مزدور قسم ہی کے لوگ اس میدان میں آگے آئے ہیں اور اب بھی وہی آگے آئیں گے، اس لئے آپ نے اپنے غریب اور متوکل طبقہ کو جسے وہ اس ادارہ میں تیار کرنا چاہتے تھے، سرمایہ دار طبقہ سے بے نیاز بنا کر الگ کر دیا تا کہ اِدھر تو یہ غریب طبقہ اس بیماری سے محفوظ رہے اور ادھر وہ روگ زدہ طبقہ بھی کسی حد تک شفا پا جائے، کیونکہ ایک صورت تو اسے بدکا کر اور اس سے رقیبانہ تقابل ڈال کر اسے ختم کرانے کی تھی۔ اور ایک صورت اس سے مستغنی بن کر اسے مفلوج کر دینے کی تھی جس سے وہ خود ہی اپنے روگ کو پہچان کر اسے زائل کرنے کی فکر میں لگ جائے۔

پہلی صورت میں کامیابی موہوم اور فساد یقینی تھا اور دوسری صورت میں کامیابی یقینی اور امن و اصلاح کے ساتھ۔ نیز پہلی صورت میں شور شرابہ اور ڈھونگ زیادہ ہے اور عمل کم اور دوسری صورت میں اس کے برعکس کام اور کار برآری زیادہ ہے اور دعوؤں کا شور کم۔ نیز پہلی صورت میں سرمایہ داروں کو چونکانا اور مقابلہ کی دعوت دینا ہے اور دوسری صورت میں اسے ایک طرف چھوڑ کر خاموشی سے اس کی راہیں مسدود کر دینا ہے۔

حضرتِ والا نے اس اُصول میں دوسری صورت اختیار فرمائی جو امن وسلامتی کے ساتھ سرمایہ داری کا جنازہ سامنے لے آتی ہے، کیونکہ اس میں استغنائی رنگ سے

سرمایہ داری کے جذبات کی حقارت دِل میں اُتاری گئی ہے۔

ظاہر ہے کہ استغناء سے سرمایہ داری کو مٹانے والا خود سرمایہ دار بننے کی کبھی آرزو نہیں کر سکتا، لیکن سرمایہ کی محبت سے سرمایہ داری کو مٹانے کا خواہش مند درحقیقت سرمایہ کا خواہش مند ہے جو اپنے رقیب کو راستہ سے ہٹا کر اس کی جگہ لینا چاہتا ہے، جس سے سرمایہ دار تو مٹ سکتا ہے مگر سرمایہ داری نہیں مٹ سکتی۔ ظاہر ہے کہ جب ملک کی اکثریت (جو غیر سرمایہ دار غرباء ہی کی ہوتی ہے) سرمایہ داری سے بے نیاز ہوگئی تو قوم کی اکثریت سے سرمایہ دارانہ جذبات ختم ہوگئے اور غنی کے آگے محتاج خود ہی جھک جاتا ہے۔

اس لئے حضرت والا نے ادارہ کی آمدنی، تعمیر اور دوسرے کاموں میں ایک گونہ بے سروسامانی، توکل اور استغناء کا اُصول رکھ کر ادارہ کو غریبانہ اور متوکلانہ انداز میں چلانا چاہا ہے تا کہ کارکنوں میں تو سرمایہ اور سرمایہ کا غرور پیدا نہ ہونے پائے اور جن کو یہ روگ لگا ہوا ہے وہ اُدھر جھک جائیں جس سے ان کے غرور میں کمی آجائے اور اس طرح یہ دونوں طبقے ایک دوسرے کے قریب آجائیں اور ان میں رقابتوں کے جوش سے باہمی نزاعات نہ پیدا ہوں، جس سے اوّلاً ذہنی آزادی اور ضمیر کی حریت ختم ہو جائے اور پھر خارجی آزادی کے امکانات بعید سے بعید ہو جائیں گے۔

پس حضرت والا نے اس اُصول کے ذریعہ حصولِ آزادی کی ایک اور منزل قریب کر دی مگر مادیت کے راستہ سے نہیں بلکہ رُوحانیت واخلاق کے راستہ سے۔

سرکاری اِمداد سے احتراز کی حکمت

(۷)...... اِدارہ کے لئے گورنمنٹ کی امداد کو مضر بتلا کر اس سے بچتے رہنے کی ہدایت فرمائی اور اس طرح ادارہ کو سرکار کی مداخلت سے بچا کر تعلیمی آزادی کو برقرار رکھا گیا ہے جو حقیقی آزادی کی اصلی منزل ہے، کیونکہ اقتصادی غلامی ہی بالآخر سیاسی اور انتظامی غلامی پر منتج ہوتی ہے، اس لئے اس ساتویں اُصول سے اقتصادی آزادی حاصل کی گئی ہے۔

کیا اس کو ترکِ موالات نہیں کہتے؟ جس کو سیاسی پارٹیاں مختلف اندازوں سے

استعمال کرتی ہیں۔ 1920ء میں بہ سلسلہ تحریکِ خلافت اور پھر بہ سلسلہ تحریکِ آزادئ وطن کھدر پوشی کو رواج دے کر بدیسی کپڑے کا نکاس بند نہیں کیا گیا؟ جس سے مانچسٹر وغیرہ کے کارخانے کافی متاثر ہوئے۔

نیز دیسی صنعتوں کو رواج دے کر بدیسی سامانوں کا عملاً بائیکاٹ نہیں کیا گیا؟ اور کیا آج بھی ملکی اور قومی حکومتیں غیر ملکی سامانوں کی درآمد پر طرح طرح کی پابندیاں عائد کر کے ان کا نکاس نہیں روک رہی ہیں تا کہ خود اپنے ملک کی تجارت وصنعت ترقی پائے اور ملک ہر سامان میں غیر ملکوں کا اقتصادی محتاج وغلام رہنے کے بجائے خود کفیل ہو جائے، کہ اس کے بغیر ملک کی اپنی بنیادیں مستحکم نہیں ہوتیں۔

ٹھیک اسی طرح اس اُصول کی رُو سے اس اجنبی حکومت کی درآمد بند رکھی گئی جو ملک کی آزادی کی پامال کنندہ تھی تا کہ یہ قومی ادارہ اپنی ضروریات میں خود کفیل رہے اور قومی ہے تو قومی ہی سرمایہ سے چلے، اسے غیر قومی رنگ کے سرمایہ کا دستِ نگر بن کر اقتصادی غلامی کا شکار ہونا نہ پڑے، جس سے وہ ہمیشہ سرکاری مداخلتوں کا نشانہ بنا رہے۔

بہر حال جو مالی عدمِ تعاون، کھدر پوشی اور بدیسی کپڑے کے بائیکاٹ میں مضمر تھا، وہی اس سرکاری ایڈ سے احتراز اور قومی سرمایہ میں محدود رہنے میں مخفی تھا، صرف صورت اور مالی نوعیت بدلی ہوئی ہے۔ اس لئے حضرت والا کی دُور بیں آنکھ سو سال پہلے وہ سب کچھ دیکھ رہی تھی جو دوسروں کی آنکھوں نے بہت بعد میں دیکھا اور پھر بھی پورا نہیں دیکھا۔

سرمایہ داری پر ضربِ کاری

(۸)......اس آٹھویں اُصول میں کارکنانِ ادارہ کو غریب منش رہنے اور سرمایہ دار بننے سے روکا گیا ہے، جیسا کہ چھٹے اُصول میں سرمایہ داری کے خاتمہ کی تدبیر بتلائی گئی تھی، کیونکہ اس دفعہ کا حاصل یہ ہے کہ ادارہ کے سلسلہ میں غرباء کے تعاون اور موالات کو اصل رکھا جائے اور انہی کے انداز پر غریبانہ انداز میں کام چلایا جائے کہ ادارہ کے لئے یہی پائیداری اور پختگی کا سامان ہے۔

گویا اس دفعہ کا مفاد تعلیمی لائن سے غیر سرمایہ داروں کی ایک مستقل برادری کا قیام ہے مگر غیر رسمی طور پر بلا اندازِ تقابل ورقابت، جو ظاہر ہے کہ سرمایہ داروں کے مقابلہ میں اقلیت ہی میں رہے ہیں۔ اور یہی وجہ ان سے بعد اور تنفر کی ہوتی ہے کہ وہ اکثریت کی ضرورت کی حد تک بھی سرمایہ سے محروم کیئے رہتے ہیں۔ اس کا ثمرہ یہ نکل سکتا ہے کہ جب یہ اکثریت اپنے کمالِ قناعت وتوکل سے سرمایہ داروں سے مستغنی ہو جائے تو قدرتاً سرمایہ دار اس کے محتاج ہو جائیں گے اور وہ بہ شوق و رغبت اپنا سرمایہ ایسے انسانوں اور کاموں پر لاکر نثار کرنے کے آرزومند ہو جائیں گے جس سے سرمایہ داروں کا سرمایہ خود بخود باہر آجائے اور غیر سرمایہ داروں کے حقوق قدرتی طور پر وصول ہوتے رہیں۔ اس طرح یہ دفعہ سرمایہ داری کے سر پر ایک کاری ضرب ہے مگر موافقت اور مدارات کے پیرایہ میں، جس سے ان دو طبقوں میں منافرت پیدا نہیں ہوتی کہ وہ آزادی کی راہ کا روڑا بنے، اس لئے اس دفعہ سے بھی اقتصادی آزادی کا ایک اہم مورچہ فتح ہو جاتا ہے۔

تنظیم مدارس آزادی کی خشتِ اوّل

(۹)...... یہ حضرت کے آٹھ حکیمانہ اُصول کی تشریح تھی، لیکن غور کیا جائے تو ایک نواں اُصول ان کے عنوان سے نمایاں ہوتا ہے۔ اور وہ تنظیمِ مدارس کا اُصول ہے۔ کیونکہ عنوانِ بالا میں دارالعلوم اور دوسرے مدارس چندہ کو ان ہی اُصولِ ہشت گانہ کے نیچے جمع کر کے انہیں ایک دوسرے کا شریک ٹھہرایا گیا ہے جو رابطۂ مدارس کی ایک معقول اور مؤثر صورت ہے اور ظاہر ہے کہ مدارس کا رابطہ مدارس کے فضلاء کا قدرتی رابطہ ہے۔ اس لئے اس اُصول میں تنظیم کر دی گئی ہے، جو اِنقلاب اور آزادی کے لئے خشتِ اوّل کی حیثیت رکھتی ہے۔

پھر حضرت والا نے صرف نظری ہی طور پر یہ اُصول نہیں بتلایا بلکہ عملی طور پر ان

ہی اُصول ہشت گانہ کی روشنی میں بہت سے مدارس خود قائم فرمائے اور بہت سے مدارس اپنے متوسلین کے ذریعہ قائم کرائے۔

گویا 1857ء کے بعد آپ کی مستقل سیاست ہی یہ تھی کہ جگہ جگہ آزاد قومی مدارس قائم کیئے جائیں اور ان میں آزاد ضمیر نوجوان تیار کیئے جائیں۔ اگر لارڈ میکالے یہ دعویٰ لے کر اُٹھے کہ:

’’ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں مگر دِل و دماغ اور طرزِ فکر کے لحاظ سے انگلستانی ہوں۔‘‘

توان مدارس سے عملی طور پر یہ صدا بلند ہو کہ:

’’ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نونہال تیار کرنا ہے جو رنگ اور نسل کے لحاظ سے ہندوستانی ہوں مگر دل و دماغ اور طرزِ فکر کے لحاظ سے عربستانی اور ہندوستانی ہوں۔‘‘

چنانچہ ایسے ہی نوجوان تیار کرنے کے لئے اگر دیوبند میں دارالعلوم قائم فرمایا تو مرادآباد میں مدرسہ قاسم العلوم قائم کیا۔ سنبھل میں مدرسہ عربیہ الگ قائم کیا۔ امروہہ میں مدرسہ جامع مسجد قائم فرمایا۔ گلاؤٹھی میں مدرسہ قائم فرمایا۔ انبہٹہ اور تھانہ بھون میں دینی مدرسہ قائم فرمایا۔

غرض جہاں جہاں حضرتِ والا خود پہنچے وہاں خود اور جہاں ان کے خدام اور متوسلین پہنچے وہاں ان کے واسطے سے بتاکیدِ تمام آزاد مدرسے قائم کرائے جس سے اَطرافِ ملک میں بہ کثرت مدارس قائم ہوئے، پھر ان مدارس کے نقشِ قدم پر اور سینکڑوں مدارس کی بنیادیں رکھی گئیں، جس سے آپ صرف ’’بانیٔ دارالعلوم دیوبند‘‘ ہی ثابت نہیں ہوتے بلکہ اس نوعیتِ خاص کے لحاظ سے ’’بانیٔ مدارسِ ہند‘‘ ثابت ہوتے ہیں اور پھر آپ نے ان مدارس کو ان ہی اُصول ہشت گانہ سے وابستہ کر کے جس کی صراحت عنوانِ بالا میں ہے، ان مدارس کی روحانی تنظیم بھی فرمائی جس سے ان کے پروردہ افراد خود ہی منظم ہو گئے اور ایک تنظیمی مذاق لے کر اُبھرے۔

جمعیۃ العلماء کا پسِ منظر

چنانچہ آزادی کی تحریکات شروع ہوتے ہی یہ مدارس کی بے شمار جماعتیں رسمی طور پر منظّم ہوگئیں اور انہوں نے جمعیۃ العلماء کے نام سے جنگِ آزادی میں حصہ لے کر ملک کی جو شان دار سیاسی خدمات انجام دیں اور جو جو بے نظیر قربانیاں پیش کیں، تاریخ اس سے انکار نہیں کرسکتی۔

جمعیۃ العلماء کے افراد پر شخصی حیثیت سے نکتہ چینی ہر وقت ممکن ہے، لیکن اس کے اُصول و مقاصد اور اس کے تحت مجموعی حیثیت سے اس کی عظیم خدمات نکتہ چینی سے یقیناً بالاتر ہیں، اگر یہ علماء کی جماعت اس تنظیم مدارس کی لائن سے میدان میں نہ آتی تو عوام کا اس طرح جوق دَر جوق آوازۂ آزادی کا خیر مقدم کرنا عادۃً مشکل تھا۔

اس ملک کا مزاج ہی مذہبی ہے اور اس کے لئے مذہبی آواز ہی میں جذب و کشش ہے، وہ کوری سیاسی آواز پر گوش بر آواز نہیں ہوتا، اسی لئے علماء کے میدان میں آنے سے پہلے یہاں کے عوام سے میدان خالی تھا، اللہ و رسول کے نام کی صدا بلند ہوتے ہی عوام سے میدان پٹ پڑے اور یہ ظاہر ہے کہ مذہبی صدا مذہبی حلقوں ہی سے اُٹھی جو مدارس کی صورت میں اس وقت سے منظّم تھے جب کہ عوام اس قسم کی رسمی تنظیموں کے تصورات سے خالی تھے۔

ملت کا وقار بازیافت کرنے کے اُصول

یہ غیر رسمی مگر رسمی سے زیادہ پائیدار تنظیم حضرتِ والا ہی کے ان اُصولِ ہشت گانہ اور طرزِ عمل سے ہوئی جس میں سیاسی مقاصد کے ساتھ دینی اور مذہبی جذبات بنیاد بنے ہوئے تھے۔ اور جوں ہی اس مدارسی تنظیم کو رسمی انداز میں لایا گیا یعنی جمعیتی پلیٹ فارم جگہ جگہ کھولے گئے ووں ہی عوام سے سیاسی میدان بھر گئے اور جوش و خروش کے حیرت ناک منظر سامنے آئے جس کی شہادت تحریکِ خلافت اور پھر تحریکِ آزادیٔ

وطن دے سکتی ہے۔ بہر حال حضرت والا نے 1857ء کی شکست پر میدانِ شاملی میں مسلمانوں کی ہر جہتی آزادی مٹ جانے کے جو مظاہر اپنی آنکھوں سے دیکھے ان کا تیر بہ ہدف علاج آزادی کے انہی بنیادی اُصولوں اور ان کی عملی تشکیل سے ہو سکتا تھا جو بناءِ مدارس اور تعلیمی نظام کی لائن سے بروئے کار لائے گئے۔

سوانح مخطوطہ ﴿سوانح مخطوطہ کے مؤلف جناب حاجی فضل حق صاحب مرحوم ہیں جو دارالعلوم کے اوّلین طبقہ میں ممبر کی حیثیت سے مجلس شوریٰ کے رُکن رہے، پھر ایک زمانہ تک دارالعلوم کے مہتمم بھی رہے۔ ممدوح دیو بند کے باشندہ اور حضرت نانوتوی قدس سرہٗ کے معتقدین خاص میں سے تھے۔ آپ نے حضرتِ والا کی سوانح مرتب کی جو زمانہ کی دستبرد سے ضائع ہو گئی، اس کے کچھ بچے کھچے اور پھٹے ہوئے اوراق پرانے کاغذات میں دستیاب ہوئے جن سے کافی معلومات بہم پہنچیں اور ''سوانح قاسمی'' میں ان سے کافی مدد ملی۔ اس مضمون میں جہاں سوانح مخطوطہ کا لفظ آئے اس سے یہی سوانح قاسمی مراد ہوگی۔﴾ کی عبارت سے اندازہ ہوتا ہے کہ صرف آج ہی اس نظام کے نتائج کا مشاہدہ کرنے والے اس کے قائل اور اس سے متاثر نہیں ہوئے بلکہ اس ابتدائی دور کے لوگ بھی حتیٰ کہ مخالفین تک بھی اس وقت جب کہ یہ نظام ایک مخالف ماحول میں قائم کیا جا رہا تھا، اس کے اعتراف پر مجبور تھے کہ ملت کے گئے ہوئے وقار کی بازیافت کے لئے اِن اُصول سے بہتر تیر بہ ہدف نسخہ دوسرا نہیں ہو سکتا، جن کے سامنے دِلی کی ویرانی اور اس کی مرکزی جہت کے تباہ ہو جانے سے پورے ملک کے حال اور مآل کی تباہی عیاں تھی۔ صاحبِ سوانح مخطوطہ نظامِ مدرسہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اور جو فوائد معاش و معاد کے مسلمانوں کو اسے (ان اساسی اُصول کے نظام تعلیم سے) حاصل ہوئے اور ہوں گے وہ مثل آفتاب کے روشن ہیں، یہاں تک کہ مخالفین بھی مانتے ہیں کہ مسلمانوں کو اپنی اصلاح کے لئے اور غیر قوموں پر غالب ہونے کیلئے (جنہوں نے انہیں مغلوب کیا) اس سے بہتر اور مجرب نسخہ کوئی نہیں۔''

گویا اس دور میں بھی جب کہ حکومت حاکمانہ رنگ سے چلتی اور ملتی تھی محض حکیمانہ رنگ سے انقلاب لانے کے ڈھنگوں سے دنیا ناواقف تھی، ان اُصول کی معنویت اور نتیجہ خیزی کو تسلیم کیا جا چکا تھا اور مخالفین تک کی طرف سے اعتراف کیا جا رہا تھا۔

آج کی اجتماعی مساعی کے سلسلہ میں نصف صدی کے پیہم تجربات کے بعد ملک جن اُصول تک پہنچا ہے اور جن پر چل کر اس نے بدیسی غلامی سے نجات پائی وہ سرِ مو اِن اُصول سے متجاوز نہیں ہیں جو حضرت والا تقریباً ایک صدی پیشتر 1857ء کے بعد اجراءِ مدرسہ کے وقت اپنے قلم سے لکھ چکے تھے، اور عین اس وقت جب کہ ملک اور قوم کے بارسوخ افراد و طبقات اپنی زندگی حکومتِ متسلّطہ کے رحم و کرم پر ڈال دینے اور اس کی حمایت و وفاداری ہی کو سب سے بڑی ترقی اور معراجِ کمال سمجھے ہوئے تھے اور اس میں سرگرم عمل تھے۔

عوامی قوت کا پرداز

پھر حضرت والا نے ان اُصول پر اس وقت اس (دارالعلوم) کی بنیاد رکھی جب کہ ملک کے بارسوخ طبقات بہت سے معاشرتی اور معاشی اداروں کی بنیاد نہ صرف منشاءِ حکومت کی تکمیل، اس کی پوری پوری وفاداری اور اشتراکِ عمل کے اُصول ہی پر رکھ رہے تھے، بلکہ ان بنیادوں میں ان مجاہد و سربکف علماء و مفکرین کے ساتھ تحقیر و تمسخر کا برتاؤ اور عوام کو ان سے نفرت دلانے کا جذبہ بھی پیوست کیا جا رہا تھا۔

گویا ''اینٹی مُلّا ازم'' کا پرداز بھی ساتھ ہی ساتھ ڈالا جا رہا تھا، لیکن حضرت والا کے ان اساسی اُصول پر قائم شدہ نظام میں جہاں بدیسی اقتدار کی شکست و ریخت کے نتائج مخفی تھے وہیں ان میں اس تحقیر و تمسخر کے اکھاڑ پھینکنے کی قوت بھی مضمر تھی کیونکہ ان اصول کا حاصل رابطۂ حکومت نہ تھا بلکہ رابطۂ عوام کا استحکام تھا اور 1857ء کے بعد متسلّطہ اقتدار کے خلاف مشینی قوت کے بجائے عوامی قوت ہی مؤثر ثابت ہوسکتی تھی جسے حضرت والا نے پرکھ لیا تھا، جس کو زمانہ ہی میں مخالفین تک بھی مان چکے تھے۔ اور

جب کہ یہ عوامی قوت براہِ راست انہی علماء کے ہاتھ میں تھی اور ہے تو کوئی وجہ نہ تھی کہ عوامی قوت کی بیداری کے وقت ہر طبقہ ان لوگوں کی طرف نہ جھکتا جو اس عوامی قوت پر قابض اور اسے جائز طریق پر استعمال کرنے کے ڈھنگ سے واقف تھے۔

نتیجہ یہ ہوا، اور ہونا بھی چاہئے تھا کہ جن علماء کو نکما اور بیکار یا قوم پر ناحق بار باور کرایا جارہا تھا جوں ہی عوامی تحریکات شروع ہوئیں یا عوام کی قوت سے حکومتِ متسلّطہ کے اقتدار کے خلاف عصبیاتی جنگ کا آغاز ہوا، تو وہی ''اینٹی مُلّا ازم'' والے طبقات مُلّاؤں کی طرف جھکنے پر مجبور نظر آنے لگے، اور اسٹیجوں پر وہی تمسخر ونفرت اظہارِ عقیدت ونیاز میں تبدیل ہونے لگے۔

یہی علماء جو 1857ء کے بعد ان اُصول کے زیرِ سایہ مدارس کی خلوت گاہوں میں برائے چندے خاموش بیٹھ گئے تھے، وہ بالآخر اسٹیجوں کی جلوت گاہوں میں اس شان سے اچانک نمایاں ہوئے کہ چار وناچار ان کے کارآمد ہونے کو تسلیم کرلیا گیا اور پھر عوامی تحریکات اکثر وبیشتر انہی کی قوت کے ہاتھوں چلیں اور آگے بڑھیں۔

عدمِ تشدد کے راستہ سے انقلاب کا ذہنی خاکہ

ان اُصول کے زیرِ اثر تربیت پانے والے علماءِ بالآخر آزادیٔ ملک کا جھنڈا لے کر سب سے پہلے سامنے آئے اور جو کام میدانِ شاملی کی تلواروں سے پورا نہ ہو سکا تھا وہ امن کی زبان وقلم سے پورا ہو گیا۔

مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس اوّل دارالعلوم دیو بند نے جو مسجد چھتہ کے عناصر اربعہ میں سے ایک عنصر تھے، حاجی محمد عابد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے اس خلجان کے ذکر پر کہ: ''اب ہندوستان کی حکومت، انگریزوں جیسی مدبر اور قوی قوم کے ہاتھ میں آگئی ہے اور ان کے پنجے ایسے جم گئے ہیں کہ اب وطن کا استخلاص بظاہر ممکن نظر نہیں آتا۔'' ارشاد فرمایا: ''حاجی صاحب آپ کیا فرمارہے ہیں؟ ہندوستان صف کی طرح لوٹ جائے گا، لوگ سوئیں گے انگریزوں کی

حکومت میں اور صبح کو جاگیں گے دوسری حکومت میں۔‘‘

یعنی تشدد اور تلوار کے راستے سے نہیں جو حکومتوں کے لوٹنے کا متعارف اور واحد طریقہ سمجھا جاتا ہے بلکہ امن اور عدمِ تشدد کے راستہ سے یہ لوٹ پوٹ عمل میں آئے گی، جس سے واضح ہے کہ یہ بزرگ 1857ء کے بعد ہی سے عدمِ تشدد کی راہ سے انقلاب کا خاکہ ذہنوں میں لئے ہوئے تھے اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس خاکہ کو ان اُصولِ ہشت گانہ کی دفعات میں تعلیمی رنگ سے بھر دیا جس کو اس وقت کے ماحول میں اپنے سمجھے ہوئے تھے اور بقول صاحبِ سوانح مخطوطہ مخالف بھی معقول اور مؤثر تسلیم کر چکے تھے۔

یورپ کے مشاہدات میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول کی قدر و قیمت

اس مختصر مضمون کی حد تک میرا یہ موضوع نہیں ہے کہ ملک کی آزادی میں ان علمائے آخرت کا کتنا اور کیا حصہ تھا؟ اسے پوری بالغ نظری کے ساتھ مولانا محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ ناظم جمعیۃ علماءِ ہند نے اپنی مشہور تصنیف ’’علمائے ہند کا شاندار ماضی‘‘ میں تاریخی حوالوں سے کھول دیا ہے۔ نیز دوسرے اہل قلم بھی اس موضوع پر کافی تحریری سرمایہ فراہم کر چکے ہیں، تاہم اتنا کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ ملک کے استخلاص اور آزادی کا یہ نیا نقشہ انہی مجاہدین شاملی نے بنایا اور 1857ء کے بعد ان کے پیشرو حضرت اقدس مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھے جن میں یہ جوش امتیازی شان سے اُبھرا ہوا تھا اور انہوں نے اپنے اس جوش کو ہوش کی شکل دے کر آئینی رنگ سے ان اُصول ہشت گانہ کے اساسی نظام میں بھر دیا تھا جو اس اقامتی تربیت گاہ (دارالعلوم دیوبند) کے لئے آپ نے وضع فرمائے۔

دارالعلوم کے ان فضلاء کے ذریعہ جنہوں نے ان اُصول کے زیر سایہ تربیت پائی، یہ رنگ ملک میں پھیلنا شروع ہوا، یہاں تک کہ ملک کے ایک بڑے طبقہ کا جو عوام پر اثر رکھتا تھا ذہن ہی یہ بن گیا اور عوامی رابطہ کی وہ عمومیت یا جمہوریت جو ان

اصول میں پنہاں تھی، ان تربیت یافتوں کے راستہ سے سو برس پہلے کی ہنڈیا کا اُبال چھلکا تو چولہے کے گردو پیش چاروں ہی سمتوں کو تر کر کے رہا۔

مولانا عبید اللہ مرحوم سندھی فرمایا کرتے تھے جس کو احقر نے خود بلا واسطہ ان سے سنا کہ: ''میں نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے اُصول کی قدر و قیمت یورپ جا کر سمجھی، بالخصوص یورپ و ایشیاء کے متعدد انقلابات کی بنیادوں کو میں صرف انہی اُصول کی روشنی میں پا سکا ہوں اور میں کہہ سکتا ہوں کہ اگر میں ان اُصول کی شرح لکھنے بیٹھ جاؤں تو دو ضخیم جلدیں تیار کر دوں گا۔

رئیس الاحرار کا غایتِ تاثر

رئیس الاحرار مولانا محمد علی مرحوم 1924ء میں جب بسلسلہ تحریک خلافت دیو بند تشریف لائے اور احقر ہی کے مکان پر حضرت والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کے مہمان کی حیثیت سے فروکش ہوئے تو حضرت کے ان اُصول ہشت گانہ کو دیکھ کر جو دار العلوم کا سنگِ بنیاد ہیں رو پڑے اور غایتِ تاثر سے بے ساختہ فرمایا کہ:

''یہ اُصول تو الہامی معلوم ہوتے ہیں ان کا عقلِ محض سے کیا واسطہ؟''

چنانچہ ان اُصول کی دفعات میں نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم سے بھی باوجود ذوقِ اخفاء کے جگہ جگہ یہ الفاظ بھی نکل گئے ہیں کہ ''یوں معلوم ہوتا ہے'' اور ''یوں نظر آتا ہے'' اور ''ایسا ہو جائے گا'' وغیرہ جو ان اُصول کے الہامی ہونے کی گویا خود صاحبِ اُصول کی طرف سے بھی شہادت ہے۔

انقلاب 1947ء کے اوّلین ہیرو

بہر حال ان اُصول کی روشنی میں جو کچھ ہوا اس پر 1947ء شاہد ہے۔ اور اس انقلاب 1947ء کے اوّلین ہیرو قدرتاً وہی سمجھے جا سکتے ہیں جو 1857ء میں بھی اسی اسٹیج پر تھے، جس پر آزادی خواہ طبقے بعد میں آئے۔ اور 1857ء کے بعد بھی

اپنے اساسی اُصول وعمل کی راہ سے اسی اسٹیج پر رہے۔

بہر حال حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اگر 1857ء کی ناکامی کی تلافی کے لئے یہ دارالعلوم قائم کیا تھا جیسا کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ اس بارے میں معروف ہے اور رسالہ دارالعلوم میں شائع ہو چکا ہے۔

تو حقیقت یہ ہے کہ اس ادارہ اور اس کے اُصولِ تربیت نے یہ تلافی کر دکھائی اور زیادہ نہیں صرف نوے سال کی مدت میں جو ایک ملک کی نہیں بلکہ ایک فرد کی عمر ہوتی ہے۔ ایک عظیم ترین طاقت کو جو 1857ء میں ایک ملک کے جائز حق داروں کو پامال کر چکی تھی۔ 1947ء میں مسکینانہ ضعف اور مظلومانہ فروتنی سے نیچا دکھا دیا۔

ہندوستان صف کی طرف لوٹ گیا۔ 15 اگست 1947ء کی شب میں لوگ سوئے انگریزوں کی حکومت میں اور صبح کو جاگے قومی حکومت میں، اور اس طرح 1857ء کی ناکامی کی تلافی ہوگئی۔ گو متسلّطہ طاقت نے جاتے جاتے بھی آزادی کے نقشہ کو بگاڑ دینے کے کافی سامان فراہم کر دیئے جن کا بگاڑ کافی نمایاں ہوا اور ابھی تک ہے لیکن جن اُصول کی صداقت نے اصل نصب العین کو رونما کیا تھا اُنہیں اُصول کی صداقت اس بگاڑ کے دفعیہ کی بھی کفیل ہو سکتی ہے۔

بشرطیکہ ان اُصول پر اسی سابقہ رنگ سے عمل کیا جائے۔

پھر اُصول ہی نہیں مدرسہ کے عملی پروگرام کی تشکیل میں بھی حضرت والا نے وہی ''تلافی'' والا نصب العین پیش نظر رکھا۔ آپ نے ایک طرف فنِ سپہ گری کی مشق کا شعبہ طلبہ کے لئے بہ تقاضائے وقت ضروری سمجھا، جس سے طلبہ میں قوت قائم رہے اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کا جذبہ پائیدار ہوتا رہے۔ اس میں بعض لوگوں نے یہ اعتراض بھی کیا کہ یہ مدرسہ عربیہ کیا ہوا مدرسہ حربیہ ہوگیا، تو حضرت والا نے بقول صاحب سوانح مخطوطہ اس پر مبسوط تقریر فرمائی اور عصری اور شرعی تقاضوں کو جواب میں پیش کیا۔

عدالتِ شرعیہ کا قیام

دوسری طرف قومی محکمۂ قضاء قائم فرمایا تاکہ متعلقینِ مدرسہ اپنے متعلقین اور حلقۂ اثر میں عدل وقسط اور انصاف پسندی قائم رکھنے کے ساتھ ساتھ ان میں اپنے باہمی جھگڑوں کو خود نمٹانے اور شرعی اُصول کو ہر معاملہ میں حکم بنانے کا سلیقہ اور جذبہ اُبھرا رہے۔ چنانچہ سوانح مخطوطہ کے مصنف نے اس تحریری معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے جس میں اہل دیوبند سے آپ نے مختلف معاشرتی اُمور کے بارے میں عہد کرایا، ایک دفعہ یہ بھی ذکر کی ہے کہ: ''کوئی مقدمہ یا معاملہ جس میں فریقین مسلمان ہوں سرکاری کچہری میں نہ جاوے اور اس کے حاکم مولانا محمد قاسم صاحب تھے۔''

چنانچہ سینکڑوں مقدمات جو برسہا برس سے کچہریوں کی دفتری طوالتوں میں اُلجھے پڑے تھے، منٹوں میں فیصل ہونے لگے۔ یہ شرعی کچہری چھتہ کی مسجد میں قائم ہوئی، معاملات اور مقدمات کی تعداد جب زیادہ ہونے لگی تو فصلِ خصومات کا یہ کام مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر مدرس دارالعلوم کے سپرد فرمایا گیا اور انہیں کو مستقل قومی قاضی قرار دیا گیا۔ اور جب اس سلسلہ کا کام بڑھا تو اسی نسبت سے دیوبند کی سرکاری منصفی کی رونق گھٹنی شروع ہوگئی اور یہی مقصد بھی تھا کہ متسلّطہ قوت کا اثر ورسوخ ہر سمت سے کم اور کمزور ہوتا چلا جائے۔

دارالعلوم میں صنعت وحرفت کے شعبہ کا مقصد

اسی کے ساتھ حضرت والا نے دارالعلوم میں صنعت وحرفت کا شعبہ بھی قائم فرمایا جیسا کہ سوانح مخطوطہ میں اس کا تذکرہ موجود ہے تاکہ ادارہ کے فضلاء معاشی ضروریات میں خود کفیل بننا سیکھیں۔ بظاہر یہ مقابلہ تھا اس ردکا کہ اس وقت کی تعلیم کا انتہائی نقطۂ نظر ملازمت تھا اور وہ بھی سرکار کی، جس کا مآل اس کے سوا دوسرا نہیں ہوسکتا تھا کہ اسکولی اور کالجی تعلیم سے لوگ سرکاری ملازمت کرنا سیکھیں، اور اس ملازمت

سے اپنی غلامی کی جڑوں کو مضبوط بنائیں۔اس کا ردِ عمل صحیح معنی میں یہی ہو سکتا تھا کہ لوگ اس غلامی آموز تعلیم سے ہٹ کر اس تعلیم میں لگیں جو غناء و استغناء کا جوہر پیدا کرے اور جہاں تک معاش کا تعلق ہے سرکاری ملازمتوں سے الگ رہ کر صنعت و حرفت یا قومی ملازمت سے اپنے گذر بسر کا سامان کریں۔

دارالعلوم کے ذریعہ ''ہندو مسلم'' کا پرداز

ایک طرف دارالعلوم کے چندوں کا دائرہ اتنا وسیع رکھا گیا کہ ان میں غیر مسلم بھی شریک ہو سکیں چنانچہ دارالعلوم کی ابتدائی رُودادوں میں بہت سے ہندوؤں کے چندے بھی لکھے ہوئے ہیں۔حضرتِ والا کی تجویز پر یہ بھی تحریک کی گئی کہ ملک کے تمام مطابع اور پریس بلاتفریق مذہب وملت اپنی مطبوعات کا ایک ایک نسخہ کتب خانہ دارالعلوم کو عنایت کریں۔

چنانچہ سب سے پہلے اس صدا پر لبیک کہنے والی شخصیت ایک ہندو کی تھی اور وہ منشی نول کشور مالک مطبع نول کشور لکھنؤ تھے، جنہوں نے اپنے پریس کی تمام مطبوعات کا ایک ایک نسخہ دارالعلوم میں بھیجا، جس پر دارالعلوم کی جانب سے ان کے حق میں شکریہ و دعا کا ہدیہ پیش کرنے کے لئے دارالعلوم کی مجلس شوریٰ منعقد ہوئی، جس میں حضرت نانوتوی قدس سرہٗ بھی شریک تھے اور شکریہ کی ایک مستقل تجویز پاس کر کے ان کے پاس بھیجی گئی۔جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت والا اس ادارہ کو عوامی ہی نہیں بلکہ ایک ایسا ہمہ گیر ادارہ بنانا چاہتے تھے جس میں غیر اَقوام کی ہمدردیاں بھی شامل رہیں۔گویا ہندو مسلم اتفاق کا پرداز بھی ڈال دیا گیا۔

دارالعلوم میں بین الاقوامیت کا عنصر

بلکہ سوانح مخطوطہ کی تصریحات سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ حضرت والا اس دارالعلومی تحریک کو نہ صرف ملک گیر ہی بنانا چاہتے تھے جس میں اس ملک کی ہر قوم کی

ہمدردیاں اس ادارہ اور اس کی تحریک کے لئے حاصل ہوں بلکہ اسے عالم گیر بھی دیکھنا چاہتے تھے اور اس علمی حلقہ کا رشتہ بیرونی ممالک کے مسلمانوں اور ان کی حکومتوں سے جوڑنا چاہتے تھے۔ چنانچہ ترکی کی خلافت سے جو اس وقت پورے عالم اسلامی پر اثر رکھتی تھی انتہائی شدومد سے اپنے تعلقات کو دینی اور علمی حیثیت سے وابستہ فرمایا۔ سلطان عبدالحمید خاں والی ترکی کی مدح میں قصائد لکھے اور ہندوستانی مسلمانوں کو ان کی ہمدردی پر اُبھارا، حتیٰ کہ جب ترکی کی جنگ رُوس سے ہوئی تو حضرت والا نے ترکی کے لئے چندہ شروع کیا اور اپنے گھر کا سارا اثاثہ، اپنی اہلیہ محترمہ کا تمام جہیز کپڑا، زیور، برتن سب کچھ ترکوں کی حمایت کیلئے قربان کر دیا۔

تنظیم ملت کا نیا خاکہ

اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ اس دارالعلوم کی تحریک کا مرکب نصب العین صرف تعلیم ہی کی حد تک محدود نہ تھا بلکہ اس کے ضمن میں آزادیِ پسندی، غلامی شکنی، اسلامی اتحاد، وطنی اتحاد، قومی خود مختاری، حق خود اِرادیت، معاشی استغناء، وسائلِ قوت کی فراہمی، رابطۂ عوام، تالیفِ خواص وغیرہ کے ملے جلے جذبات کارفرما تھے۔

اور دارالعلوم کی تاسیس ایک خاص مکتب فکر کی تاسیس تھی جیسا کہ حضرتِ والا کے اُصولِ ہشت گانہ اور جاری کردہ نظام کار سے واضح ہے۔

حاصل یہ ہے کہ آپ اس مدرسہ کے کارکنوں اور پروردوں میں استغناء کی رُوح پھونکتے ہوئے اُنہیں حکومتِ وقت سے بے پرواہ اور قوم کے غریب افراد اور عوام سے زیادہ سے زیادہ مربوط فرمانے کی راہ ڈال رہے تھے۔ ورنہ تکثیر چندہ اور وہ بھی زیادہ تر غرباء سے، پھر افزائش طعامِ طلبہ کی سعی جو قوم کے غریب بچے ہی ہو سکتے تھے اور ادھر حکومت وقت کی امداد سے کلی استغناء بلکہ ممانعت اور اُمراء اور جاگیرداروں پر تکیہ کر کے ان کے فخورانہ عطیات سے اعراض کا مطلب آخر اس کے سوا اور کیا ہوسکتا

تھا کہ حکومت وقت کے علی الرغم رابطۂ عوام کو مستحکم اور مضبوط کیا جائے، تا کہ ملک کے عوام اس مدرسہ کو اپنی چیز سمجھیں اور اس کے مقاصد سے ہم آہنگ ہو کر اپنی عوامی طاقت سے انہیں آگے بڑھائیں۔ ورنہ محض درس وتدریس کی حد تک تنظیمِ ملت کے اس نئے خاکہ کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی؟

پھر اگر محض مذہبی تعلیم وتعلّم ہی نصب العین کی آخری حد تھی تو مدرسہ میں فنِ سپہ گری کے شعبہ کے قیام کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی تھی، جسے حضرت والا نے اہتمام کے ساتھ خود قائم فرمایا: نیز محض مذہبی تعلیم ہی پیش نظر ہوتی تو حضرتِ والا صنعت و حرفت کا شعبہ اس مدرسہ میں قائم نہ فرماتے جو خالص معاشی مسائل سے تعلق رکھتا ہے۔ پھر اگر یہ محض ایک مذہبی مکتب تھا تو حضرتِ والا شرعی محکمہ قضاء قائم فرما کر اعضاءِ مدرسہ کو اس کا جج مقرر نہ فرماتے جو خالص ایک سیاسی مسئلہ تھا۔

اسی طرح صرف مذہبی تعلیم ہی کا خاکہ مدرسے کے کاروبار کی آخری حد ہوتی تو مدرسہ کے چندہ دہندوں میں غیر مذہب کے لوگوں کے عطیات شامل کئے جانے کا کوئی تصور سامنے نہ آنا چاہئے تھا، نہ ہندو مسلمان سے بلا تخصیص مذہب وملت چندے قبول کئے جاتے اور نہ ہندو چندہ دہندگان کی دعاء وشکریہ سے ہمت افزائی کی جاتی۔ پھر اگر کاروبارِ مدرسہ کی انتہائی غرض وغایت محض کتابی درس وتدریس تھی تو حضرتِ والا اس مدرسہ کے سرپرست اور ہمہ اوست ہوتے ہوئے سلطانی چندہ کی بنیاد ڈال کر اور خلیفۃ المسلمین سلطان عبدالحمید خاں والیٔ ترکی کی مدح میں قصائد لکھ کر خلافتِ ترکی سے رشتۂ ارتباط قائم کرنے کی صورتیں پیدا نہ فرماتے۔

گویا آپ نہ صرف ملک کی اندرونی اقوام ہی سے رشتۂ یگانگت قائم فرمانے کے داعی تھے بلکہ بیرون ملک سے بھی رشتۂ اتحاد کا سلسلہ پھیلانا چاہتے تھے۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ مدرسہ محض کتبِ درسی کی تعلیم کا مدرسہ نہ تھا بلکہ حضرت اُسے ایک مِلی جلی تحریک کے مرکز کی حیثیت سے قائم فرما رہے تھے جس کے نظام کار

میں علم وعمل، معاش ومعاد، قوم ووطن اور دین ومذہب کی حمایت ونصرت کے ملے جلے جذبات ایک دم پیش نظر تھے، جو حضرت والا کے وسیع اور ہمہ گیر ذہن سے نکل کر اس مدرسہ کی بنیادوں میں پیوست ہوئے اور اسکے اثرات تعلیمی راہوں سے اس ادارہ کے تربیت یافتہ فضلاء ومتوسلین میں حسبِ استعداد وقابلیت نفوذ پذیر ہوتے رہے۔

قیامِ دارالعلوم کا بنیادی محرک

بہر حال دارالعلوم کے یہ اساسی اُصول اوراس کا نظام کاراس ہمہ گیر حکمتِ عملی اور وسیع نظام کی غمازی کرر ہا ہے جو حضرت نانوتوی رحمہ اللہ 1857ء کی شکست کے بعد شاملی کے میدان سے لے کر آئے اور اس کی ناکامی کی تلافی کے لئے بقول حضرت شیخ الہند رحمہ اللہ یہ مدرسہ قائم فرمایا۔ غور کیا جائے تو یہ اس امانت کی ادائیگی تھی جو حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی اور حضرت سید احمد شہید بریلوی سے حضرت شاہ عبدالرحیم رحمہ اللہ میں اور ان سے بواسطہ حضرت میاں جی نور محمد صاحب جھنجھانوی رحمہ اللہ حضرت حاجی امداد اللہ رحمہ اللہ تک منتقل ہوئی۔

اور حاجی صاحب کے لوگوں میں بالآخر پوری قوت کے ساتھ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے قلب ودماغ کا جوہر بن گئی جنہیں حاجی صاحب نے اپنی زبان اور اپنے مقاصد کا ترجمان فرمایا تھا، جیسا کہ اس کی تفصیلات سوانح قاسمی میں دیکھی جا سکتی ہیں۔ اس لئے حضرت حاجی امداد اللہ صاحب کے ہجرت کر جانے کے بعد ان کے ترجمانِ خاص ہی سے ان جذبات کے بقاء وترویج اور اظہار واعلان کی توقع ہو سکتی تھی اور وہی ایسے ہمہ گیر ادارہ کے اُصول ونظم کا تصور باندھ سکتے تھے۔

اُصولِ آزادی کی امین شخصیت

بہر حال ان اُصولِ ہشت گانہ کے مرکب نصب العین کی یہی وہ اُصولی اور عملی خصوصیات ہیں جن کی مادّی اور معنوی شکل کا نام دارالعلوم دیوبند ہے اور جس نے

بالآخر 1857ء کی پسپائی کی تلافی کر دکھائی۔ اور آزادیٔ ملک وملت کے لئے جو خاموش رہنمائی اس نے کی وہ اشتہاروں، پوسٹروں، رسالوں، اخباروں اور عمومی پروپیگنڈوں کے شورِ محشر میں نظر نہیں آتی۔

اس لئے ''یوم آزادی'' کے موقع پر جب کہ دنیا مختلف اندازوں سے اس کی یاد منا رہی ہے اور مختلف انداز کی یادگاریں قائم کرنے کے مشورے دیئے جارہے ہیں، ہم نے مناسب سمجھا کہ ان اُصول کے تذکرہ سے یاد منائیں جن پر چل کر دنیا آزادی کی منزل پر پہنچی، اور اس شخصیت کا ذکر خیر کریں جن کا وسیع اور ہمہ گیر ذہن ان دواعیٔ آزادی کا نہ صرف جذبات بلکہ اُصول کے درجہ میں بھی امین تھا۔ اور جو ایک سے دوسرے کی طرف منتقل ہوہو کر ملک کا ذہن آزادی پسند اور حریت طلب بناتے رہے تا آنکہ آزادی سامنے آ کھڑی ہوئی اور آج ہر ایک کو اس کی خوشی منانے کا موقع ملا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

محمد طیب غفرلہٗ

مدیر ''دارالعلوم دیوبند'' 15 اگست 1957ء

(از مجموعہ رسائل حکیم الاسلام جلد 3 صفحہ 629 تا 657)

دنیائے اِسلام کی عظیم ترین شخصیت

حُجّة الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہٗ

(تاریخ کے آئینہ میں)

(ازحضرت مولانا سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ)

ولادت ۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۲ء.....وفات ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۸۷۹ء)
مادۂ تاریخ وفات ''وفاتِ سرورِ عالم کا یہ نمونہ ہے''۔ ۱۲۹۷ھ

نام ونسب

نام نامی: محمد قاسم، تاریخی نام ''خورشید حسین''، والد بزرگوار کا نام: اسد علی، جد امجد کا اسم گرامی، شیخ غلام شاہ اور سلسلۂ نسب: ابن محمد بخش بن علاء الدین بن محمد فتح بن محمد مفتی بن عبدالسمیع بن مولوی محمد ہاشم ہے.........آگے سلسلۂ نسب سیدنا قاسم بن محمد بن ابی بکر الصدیق رضی اللہ عنہ سے ملتا ہے۔

ولادت ووفات

۱۲۴۸ھ بمطابق ۱۸۳۲ء میں بہ مقام ''نانوتہ'' آپ کی ولادت ہوئی اور ۴ جمادی الاولیٰ بروز پنجشنبہ ۱۲۹۷ھ بمطابق ۱۸۷۹ء بعد نمازِ ظہر، یہ آفتابِ رشد و ہدایت اور ماہتاب علم وعرفان غروب ہوگیا۔اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ راَجِعُوْنَ ۔

وطن

وطنِ مبارک قصبہ نانوتہ ہے، جوایک چھوٹا سا آباد قصبہ ہے۔ دیو بند سے مغرب میں بارہ (۱۲) کوس، سہارن پور سے جنوب میں پندرہ (۱۵) کوس، گنگوہ سے مشرق میں نو (۹) کوس اور دہلی سے شمال میں ساٹھ (۶۰) کوس پر واقع ہے۔

آپ کے جد اعلیٰ مولانا محمد ہاشم صاحب شاہ جہاں بادشاہ کے مقرب تھے، انہوں نے نانوتہ میں قیام پذیر ہو کر اس کو ایک اسلامی قصبہ کی حیثیت عطاء کی اور یہیں یہ دُودْ مانِ ہاشمی بڑھتا رہا اور یہیں عالمِ اسلام کی قسمت کا ستارہ چمکا یعنی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس عالمِ رنگ و بو میں قدم رنجہ فرمایا۔

بچپن

بچپن میں آپ نے خواب دیکھا کہ آپ اللہ پاک جل شانہٗ کی گود میں بیٹھے ہیں۔ آپ کے دادا صاحب نے تعبیر دی کہ اللہ پاک تم کو علم عطا فرمائے گا، اور بہت بڑے عالم ہو گے، اور نہایت شہرت ہوگی۔

لڑکپن میں آپ ذہین، طباع، بلند ہمت، تیز، وسیع حوصلہ، جفاکش، جری اور چست و چالاک تھے۔ مکتب میں اپنے سب ساتھیوں میں ہمیشہ اَوّل آتے۔ شعر گوئی کا شوق و ذوق تھا، اپنا کھیل اور بعض قصے نظم فرماتے اور لکھ لیتے۔

تعلیم

ابتدائی تعلیم نانوتہ کے مکتب میں پائی۔ پھر دیو بند میں مولوی مہتاب علی صاحب کے مکتب میں عربی شروع کی۔ مولوی صاحب نے فراستِ ایمانی اور ظرافتِ طبعی سے آپ کا لقب "علم کی بکری" رکھا تھا، جو آپ کے علمی شغف کا آئینہ دار ہے۔

پھر سہارن پور میں مولوی محمد نواز صاحب سے کچھ پڑھا۔ پھر ۱۲۵۹ھ کے آخر میں مولانا مملوک علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے، اور اُن سے

کافیہ شروع کیا اور چار پانچ سال میں تعلیم پوری کی۔ حدیث شریف حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب ﴿حضرت مولانا عبدالغنی بن ابی سعید بن صفی القدر بن عزیز القدر بن محمد عیسیٰ بن سیف الدین محمد معصوم بن احمد (مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ) عُمرِی۔ مجدّدی ۔ مصنف انجاح الحاجة فی حل سنن ابی ماجة ولادت دہلی میں ۱۲۳۵ھ میں اور وفات مدینہ منورہ میں ہوئی﴾ مجددی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ دہلی جانے کے بعد پڑھنے میں آپ ایسے چلے کہ کسی میں ساتھ چلنے کی ہمت نہ رہی ۔ معقولات کی مشکل ترین کتابیں ایسے پڑھتے تھے جیسے حافظ، منزل سناتا ہے۔

بیعت

قیامِ دہلی کے زمانہ میں جناب قبلۂ عالم حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحب تھانوی ثم مکی رحمہ اللہ سے بیعت کی اور سلوک شروع کیا۔

صفات

اللہ پاک نے آپ کو ایک ہیبت عنایت فرمائی تھی، جس کی وجہ سے ہر کسی کو آپ کے سامنے بولنے کا حوصلہ نہ تھا، اگر چہ آپ نہایت خوش مزاج، عمدہ اخلاق والے تھے۔ آپ کا مزاج تنہائی پسند تھا۔ اوّل عمر ہی سے اللہ پاک نے آپ کو یہ بات عطاء فرمائی تھی کہ اکثر خاموش رہتے، اس لئے ہر کسی کو کچھ کہنے کا حوصلہ بھی نہ ہوتا تھا۔۔۔ آپ نہایت سخی اور فیاض طبیعت تھے۔ مزاج میں مہمان نوازی اور سخاوت غالب تھی۔ اہلیہ محترمہ بھی نہایت سخی اور دست کشادہ تھیں اور آپ کی مہمان داری کو انہی کے سبب سے رونق تھی۔ آپ خود فرماتے کہ ''ہماری سخاوت احمد کی والدہ کی بدولت ہے!''

نام وَری سے نفرت

مدتوں آپ کا یہ حال رہا کہ لوگ ''مولوی'' کہہ کر پکارتے، تو آپ نہ بولتے، البتہ نام لے کر پکارتے تو خوش ہوتے۔ تعظیم سے نہایت گھبراتے۔ ہر کسی سے بے

تکلف رہتے۔ شاگردوں سے رفاقت کا تعلق رکھتے۔ اپنے لئے عالمانہ وضع پسند نہ کرتے اور اس پر بھی یہ فرماتے کہ: ''اس علم نے خراب کیا، ورنہ اپنی وضع کو ایسا خاک میں ملاتا، کہ کوئی بھی نہ جانتا!''

بشارتیں

طالب علمی کے زمانے میں آپ نے ایک خواب دیکھا تھا کہ آپ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے ہیں۔ اور ہزاروں نہریں آپ سے نکل کر بہہ رہی ہیں۔ آپ کے استاذ مولانا مملوک علی صاحب نے یہ تعبیر دی کہ: ''تم سے علمِ دین کا فیض بہ کثرت جاری ہوگا۔'' آپ کے والد ماجد نے آپ کی بے روزگاری اور نوکری سے پہلوتہی کی شکایت آپ کے مرشد حضرت حاجی امداداللہ صاحب رحمہ اللہ سے کی، حاجی صاحب اُس وقت تو ہنس کر چُپ ہو رہے، مگر پھر کہلا بھیجا کہ:

''یہ شخص ایسا ہونے والا ہے کہ وہ سو پچاس والے سب اس کی خادمی کریں گے۔ اور ایسی شہرت ہوگی کہ اُسی کا نام ہر طرف پکارا جائے گا۔ اور تم تنگی کی شکایت کرتے ہو؟ اللہ تعالیٰ بے نوکری ہی اتنا کچھ دے گا کہ اُن نوکروں سے یہ اچھا رہے گا!''

اور آپ کے والد ماجد نے اپنی زندگی ہی میں اس پیشین گوئی کی تصدیق اپنی آنکھوں سے دیکھ لی۔ حضرت حاجی صاحب قدس سرہٗ نے آپ کی شان میں یہ بھی فرمایا ہے کہ: ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے، اب مدتوں سے نہیں ہوتے!''

احوال

درسیات سے فارغ ہونے کے بعد، آپ نے مطبع احمدی دہلی میں تصحیح کتب کی ذمہ داری سنبھالی۔ اُس زمانہ میں حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ (محشی بخاری شریف) نے بخاری شریف کے آخر کے پانچ چھ پاروں کی حاشیہ نگاری کی خدمت آپ کو سپرد کی، جسے آپ نے بحسن وخوبی انجام دیا۔ اُس میں آپ نے یہ التزام کیا ہے کہ کوئی بات بے سندِ کتاب، محض اپنے فہم سے نہ لکھیں۔

پھر انگریز اور اس کی استعماریت کے خلاف علمِ جہاد بلند کیا، مگر حالات کی ناسازگاری سے ناکامی کا سامنا ہوا۔ جب انگریز کا مکمل تسلط ہوگیا تو اُس نے آپ کی گرفتاری کا وارنٹ جاری کیا۔ آپ چند دِن روپوش رہ کر حج کے لئے روانہ ہو گئے۔ جب حج سے واپسی ہوئی تو عام معافی کا اعلان ہو چکا تھا۔۔۔حج سے واپسی کے بعد آپ نے میرٹھ میں منشی ممتاز علی صاحب کے مطبع میں تصحیح کی خدمت انجام دینی شروع کی۔ اور ساتھ ہی درس کا مشغلہ بھی جاری رکھا۔ اُسی زمانہ میں دارالعلوم دیوبند کی بنیاد ڈالی گئی۔ کچھ عرصہ بعد آپ دیوبند تشریف لے آئے اور ہر طرح مدرسہ کی سرپرستی فرمائی۔۔۔آپ سب کتابیں بے تکلف پڑھاتے تھے، اور ایسے ایسے مضامین بیان فرماتے تھے، کہ نہ کسی نے سنے نہ دیکھے ہر فن میں عجیب وغریب تحقیقات بیان فرماتے تھے جس سے اختلافات کی تطبیق، اور ہر مسئلہ کی تحقیق ہو جاتی تھی، اور آج تک آپ کے فیضِ تعلیم کا اثر موجود ہے، گوکہ ذرّہ کو آفتاب سے کیا نسبت؟

پہلا حج آپ نے ۱۲۷۷ھ میں کیا۔ اور سفر میں، رمضان شریف میں، قرآنِ پاک حفظ کیا۔ اور نماز میں سنایا۔ دوسرا حج ۱۲۸۵ھ میں کیا اور تیسرا حج ۱۲۹۴ھ میں کیا۔ اور واپسی میں، جہاز ہی میں، مرض شروع ہوا، جو بالآخر جان لیوا ثابت ہوا۔

اولاد

دو صاحبزادے، ایک حضرت مولانا محمد احمد صاحب رحمہ اللہ (سابق مہتمم دارالعلوم دیوبند) دوسرے میاں محمد ہاشم صاحب اور تین صاحبزادیاں۔

تلامذہ

آپ کے تلامذہ بہت ہیں۔ نام وَر یہ حضرات ہیں: (۱) شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیوبندی قدس سرہٗ۔ آپ نے اکثر کتابیں دارالعلوم دیوبند میں پڑھیں۔ اور حدیث شریف حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سے پڑھی۔ دارالعلوم نے سب سے پہلی دستارِ فضیلت آپ ہی کے سر پر رکھی ہے۔

(۲) حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی قدس سرہٗ (محشی سنن ابی داؤد)۔ آپ مزاج میں حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے قدم بقدم تھے۔ نہایت اعلیٰ استعداد تھی۔ آپ نے بھی دار العلوم دیوبند میں تعلیم حاصل فرمائی ہے۔ (۳) حضرت مولانا احمد حسن صاحب امروہوی قدس سرہٗ۔ آپ سے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو بے حد محبت تھی اور آپ کو بھی حضرت سے کامل مناسبت تھی۔ آپ ذکی اور اعلیٰ استعداد رکھتے تھے۔ ان کے علاوہ بھی آپ کے بہت شاگرد ہیں۔ اور آپ کے مریدوں اور شاگردوں میں جو فدائیت، جاں نثاری اور خادمیت کا جذبہ تھا، وہ کہیں نظر نہیں آتا۔ حالانکہ آپ سب کے ساتھ دوستانہ اور برابری کا سا برتاؤ کرتے تھے۔ اور اپنی تعظیم وتکریم سے بہت گھبراتے تھے۔

﴿یہ تمام احوال ''سوانح عمری'' مصنفہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی اوّلین صدر المدرسین دار العلوم دیوبند، سے ماخوذ ہیں﴾

کارنامے

وہ کارنامے جن سے آپ کی شخصیت زندۂ جاوید بن گئی تین ہیں۔ (۱) مدارس کا قیام بالخصوص دار العلوم دیوبند کا اجراء (۲) ملک و مذہب پر حملوں کے خلاف جہادِ پیہم۔ (۳) علمی خدمات۔ ذیل میں ان کارناموں کی کچھ تفصیل پیش کی جاتی ہے۔

(۱) مدارس کا قیام

۱۸۵۷ء (۱۲۷۴ھ) میں جب تمام ہندوستان پر انگریز کا قبضہ ہو گیا اور سلطنت مغلیہ کا ٹمٹماتا چراغ گل ہو گیا، تو یہ ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کے لئے ایک سوالیہ نشان بن گیا۔ مسلمانوں نے انگریز کے پنجۂ استعماریت کا دباؤ، ہندوستان کے دوسرے باشندوں سے زیادہ محسوس کیا۔ کیونکہ فاتح اور مفتوح، قابض اور مقبوض، اور ہار جیت کا معاملہ مسلمانوں میں اور انگریزوں ہی میں ہوا تھا۔۔۔ شاہی دَور میں جو علمائے کرام خدمتِ دین میں مشغول تھے۔ وہ یا تو باقاعدہ حکومت کے ملازم تھے یا

وظیفہ یاب یا انعام یافتہ تھے اور چونکہ اپنا دَور تھا اس لئے فارغ البالی اور خوش حالی عام تھی۔ کچھ علمائے کرام اپنے طور پر بھی خدمتِ دین میں مشغول تھے۔ وہ اپنے اپنے وطن میں درس وتصنیف اور وعظ وارشاد کا کام انجام دیتے تھے۔۔۔ مگر انگریز کے تسلط کے بعد، اور اسلامی حکومت کے سقوط کے بعد نہ وہ سرپرستیاں باقی رہی تھیں، نہ وظائف اور انعام۔ فلاکت وافلاس نے الگ بدحال کردیا تھا۔ اس لئے چمنِ اسلام میں خزاں کے آثار صاف نظر آرہے تھے۔۔۔ کیونکہ علمائے اسلام کو اب فکرِ معاش ضروری ہوگی۔ اس لئے اب اسلام کا مستقبل کیا ہوگا؟ یہ ایک گہرا سوال تھا۔

مگر اللہ پاک جل شانہٗ کا پاک اور برحق ارشاد ہے کہ:

"وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا"

"جولوگ ہمارے (دین کے) لئے جہدِ پیہم کرتے ہیں، ہم ان کو اپنی راہیں سُجھاتے ہیں!"

چنانچہ اللہ پاک نے اس وقت کے تمام بزرگوں کو بیک وقت یہ بات الہام کی کہ اب حفاظتِ اسلام اور بقاءِ دین کی صرف یہ صورت ہے کہ "چندہ کے مدارس" قائم کئے جائیں۔ اس الہام کا مطلب یہ تھا کہ علمائے کرام جو اَب تک اپنی اپنی جگہوں پر خدمتِ دین کرتے ہیں، وہ اب اجتماعی شکل میں کام کریں۔

جس کا فائدہ ایک طرف تو یہ ہوگا کہ یہ مدارس اُن کے لئے بقدرِ کفاف معاش کا انتظام کریں گے، جس کی وجہ سے وہ یکسوئی کے ساتھ خدمتِ دین میں مشغول رہ سکیں گے، اور دوسری طرف یہ فائدہ ہوگا کہ اگر کوئی عالم اپنی کسی مجبوری سے یا معاشی تنگی سے، یا زیادتی کی ہوس میں دینی کام چھوڑ بیٹھے گا، تو اِس سے کوئی علمی چمن اُجڑنے نہیں پائے گا، بلکہ اس کی جگہ دوسرا شخص آجائے گا، اور چمن پُر بہار رہیں گے اگرچہ مالی بدلتے رہیں۔۔۔ اور چندہ سے مراد عمومی چندہ تھا، خصوصی چندہ نہیں تھا یعنی عام مسلمانوں کے ایک ایک پیسہ کے سہارے کام شروع کیا جائے۔ شاہی، نوابی، حکومتی یا کسی امیر کبیر کے چندہ پر تکیہ نہ کیا جائے، جس کا فائدہ یہ ہوگا کہ اگر کسی

وجہ سے بعض لوگوں کے چندے نہ ملے تو مدرسہ کو نقصان نہیں پہنچے گا، کیونکہ اس نقصان کی تلافی کچھ دوسرے حضرات کردیں گے۔ نیز یہ عوام، جن میں سے ہر ایک کا چندہ اپنی جگہ معمولی ہوگا، اپنا کوئی غلط اثر مدرسہ پر ڈالنے کی کوشش نہیں کریں گے اور خصوصی چندہ پر مدرسہ کی بنیاد رکھنے میں پہلا نقصان تو یہ ہوگا کہ اگر کسی وجہ سے وہ خصوصی امداد نہ مل سکی، تو مدرسہ کے لئے موت وحیات کا سوال پیدا ہوجائے گا، دوسرا نقصان یہ ہوگا کہ بے سروسامانی کی حالت میں جو رجوع الی اللہ کی دولت حاصل ہوتی ہے، وہ سرمایہ ہاتھ سے نکل جائے گا اور تیسری خرابی یہ ہوگی کہ اس خصوصی چندہ دینے والوں کی طرف سے دخل در معقولات کی نوبت بھی آتی رہے گی۔

غرض اس الہام کی روشنی میں بزرگوں نے ہندوستان میں مدارس کے قیام کا سلسلہ شروع کیا۔ البتہ اس وقت کچھ ایسے حضرات بھی تھے، جو یا تو اس الہام ہی کو نہیں سمجھے یا اس کی صحیح نوعیت نہیں سمجھے۔ اس لئے وہ بدستور علیحدہ علیحدہ خدمتِ دین کرتے رہے۔ مگر سہارے بغیر ستون کب تک کھڑا رہ سکتا ہے؟ آخر اس قسم کے سارے علمی چمن خزاں کا شکار ہوگئے۔ اور وہ تمام علماء رفتہ رفتہ فکرِ معاش کی نذر ہوگئے اور ان کے علمی اور اصلاحی کام بند ہوگئے۔ اور جن لوگوں نے اس الہام کی صحیح نوعیت نہیں سمجھی، انہوں نے مدارس تو قائم کئے مگر دربدر پیسہ پیسہ مانگنے کو پسند نہیں کیا، بلکہ شاہی، نوابی یا کسی امیر کبیر کے خصوصی چندہ پر اپنے مدارس کی بنیاد قائم کی۔ اس قسم کے تمام مدارس بھی ایک عرصہ کے بعد، یا تو دم توڑ بیٹھے یا حکومتی ادارے بن گئے۔

مگر اللہ پاک جل شانہٗ کا بڑا فضل وکرم ہوا کہ ہمارے بزرگوں نے نہ صرف یہ کہ اس الہام کی اہمیت محسوس کی، بلکہ اس کی صحیح نوعیت بھی سمجھی۔ اور یہ اَمر واقعہ ہے کہ ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے اس الہام کی اہمیت سب سے زیادہ محسوس کی اور اس کی صحیح نوعیت نہ صرف یہ کہ سمجھی، بلکہ اپنے قلم مبارک سے لکھ کر ہمیں دے بھی گئے جو آج بھی بعینہٖ محفوظ ہے۔ اس کا عنوان ہے: ''وہ اُصول جن پر یہ مدرسہ (دارالعلوم دیوبند)

اور نیز اور ''مدارسِ چندہ'' مبنی معلوم ہوتے ہیں۔''

اس عنوان سے صاف ظاہر ہے کہ یہ الہامی اُصول صرف دارالعلوم دیوبند کے لئے نہیں ہیں بلکہ تمام ''مدارسِ چندہ'' کے لئے ہیں، جن کے اجراء کا الہام ہوا تھا۔ پھر اُصول نمبر ۶، ۷، ۸ ملاحظہ فرمائیں۔

(۶) اس مدرسہ میں جب تک آمدنی کی کوئی سبیل یقینی نہیں، جب تک یہ مدرسہ۔ ان شاء اللہ...... بشرطِ توجہ الی اللہ، اسی طرح چلے گا۔ اور اگر کوئی آمدنی ایسی یقینی حاصل ہوگئی، جیسے جاگیر یا کارخانۂ تجارت یا کسی امیر محکم القول کا وعدہ، تو پھر یوں نظر آتا ہے کہ یہ خوف ورَجاء...... جو سرمایۂ رجوع الی اللہ ہے...... ہاتھ سے جاتا رہے گا اور امدادِ غیبی موقوف ہو جائے گی اور کارکنوں میں باہم نزاع پیدا ہو جائے گا...... القصہ آمدنی اور تعمیر وغیرہ میں ایک نوع کی بے سروسامانی ملحوظ رہے!

(۷) سرکار کی شرکت اور اُمراء کی شرکت بھی زیادہ مضر معلوم ہوتی ہے۔

(۸) تا مقدور ایسے لوگوں کا چندہ زیادہ موجبِ برکت معلوم ہوتا ہے، جن کو اپنے چندہ سے اُمیدِ نام وری نہ ہو...... بالجملہ حُسنِ نیتِ اہل چندہ زیادہ پائیداری کا سامان معلوم ہوتا ہے۔ یہ اُصول مکرر پڑھئے اور سوچئے کہ آپ نے اس الہام کی نوعیت کس قدر صحیح سمجھی ہے!...... غرض اس الہام کی وجہ سے تمام بزرگوں نے قیامِ مدارس کا سلسلہ شروع کیا اور آج ایک صدی کے بعد ہم یہ فیصلہ کرنے پر مجبور ہیں کہ اگر ہمارے بزرگوں نے یہ کام نہ کیا ہوتا تو آج ہندوستان میں اسلام اور مسلمانوں کا نام ونشان بھی باقی نہ ہوتا۔ وہ اپنا وجود ختم کر چکے ہوتے!

غرض حضرت نے بھی اپنے حلقۂ اثر میں قیامِ مدارس کی تحریک شروع فرمائی۔ اور اپنی مختصر سی زندگی میں پانچ مدرسے قائم فرمائے:

(۱) دارالعلوم دیوبند (۲) مدرسہ قاسمیہ شاہی مرادآباد (۳) مدرسہ منبع العلوم گلاوٹھی

(۴) مدرسہ جامع مسجد امروہہ (۵) مدرسہ مرادیہ مظفرنگر۔

یہ تمام مدارس آپ کے قائم فرمائے ہوئے ہیں یعنی ان کے بانی آپ ہیں۔
البتہ دارالعلوم دیو بند کی یہ خوش قسمتی ہے کہ اسے آپ کی سر پرستی اور خدمت بھی حاصل ہوئی کیونکہ دیو بند آپ کا سسرال تھا، یہاں کے تمام بزرگوں سے، خصوصاً حضرت حاجی سید عابد حسین صاحب (مہتمم اوّل دارالعلوم دیو بند) حضرت مولانا رفیع الدین صاحب (مہتمم ثانی دارالعلوم دیو بند) وغیرہ سے آپ کے گہرے تعلقات تھے۔ پھر ۱۸۵۷ء کے بعد دیو بند ہی گویا آپ کا وطنِ ثانی بھی بن گیا تھا، اور سب سے بڑی بات یہ کہ ازل سے یہ فیصلہ ہو چکا تھا اس لئے آپ نے دیو بند میں اقامت گزیں ہو کر ہر طرح دارالعلوم کی ساخت پرداخت اور سر پرستی فرمائی۔ یہ بات حضرت رحمہ اللہ کے قائم کئے ہوئے باقی چار مدرسوں کو میسر نہ آئی اس لئے دارالعلوم دیو بند نے ترقی کی جو منزلیں طے کیں، وہ ان کو نصیب نہ ہوئیں۔۔۔ آج آپ کا یہ مدرسہ ایک تناور درخت بن چکا ہے، جس کا پھل ساری کائنات کھا رہی ہے۔ عیاں راچہ بیاں !

(۲) جہادِ پیہم

اُنیسویں صدی عیسوی کا نصفِ آخر ہندوستانی مسلمانوں کی زبوں حالی کا زمانہ ہے۔ اسی زمانہ میں وہ انگریز کی استعماریت کا شکار ہوئے۔ سلطنتِ مغلیہ کا آخری چراغ گُل ہوا اور متعدد داخلی اور خارجی فتنوں نے سر اُبھارا۔۔۔ مگر حکمتِ ایزدی نے چند ایسے نفوس کھڑے کئے جنہوں نے ان حالات کا مقابلہ کیا، اور ملّت کے بقاء کا سامان کیا۔ حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اس گروہ کے سرخیل ہیں۔ آپ نے جہاں ایک طرف قیامِ مدارس کا سلسلہ شروع فرمایا، وہیں ہر قسم کے داخلی اور خارجی فتنوں کا بھی ڈٹ کر مقابلہ کیا۔ اور ملک وملّت پر آنے والی ہر آفت کے مقابلہ میں سینہ سپر ہو گئے۔
جب انگریز نے بزورِ شمشیر ہندوستان پر قبضہ کرنا چاہا، تو آپ نے شاملی کے میدانوں میں شمشیر ہی سے اس کا جواب دیا۔ پھر جب انگریز نے ہندوستان کے تمام مذاہب پر اور بالخصوص مذہبِ اسلام پر حملہ شروع کیا، اور وہ اپنے تربیت کردہ پادری بُلا لایا، تو

آپ نے اُن کا اس جوانمردی سے مقابلہ کیا کہ نہ صرف مسلمانوں نے شکرِ خداوندی ادا کیا، بلکہ ہندو بھائیوں نے بھی بے حد خوشی محسوس کی۔ چاندا پور (ضلع شاہ جہاں پور) کے ''میلہ خدا شناسی'' میں پھیلے ہوئے ہندو حضرات بھی آپ کی مدح وستائش میں رطب اللسان تھے۔ اور آپ کے علم وفضل، ذکاوت اور حافظہ کے معترف تھے۔ اور دوڑ دوڑ کر آپ کے پاس جمع ہوتے تھے کیونکہ اس میلہ میں آپ جس فتنہ کی سرکوبی فرما رہے تھے، وہ ہمہ گیر فتنہ تھا، جو تمام ہندوستانیوں کے سروں پر منڈلا رہا تھا۔

پھر انگریز نے پینترا بدلا، اور پشت سے مسلمانوں پر حملہ کرنا چاہا۔ اور اُس کے لئے انگریز نے ہندو بھائیوں میں سے ایک نئی جماعت منظم کی، اور اُسے اسلام کے خلاف استعمال کرنا شروع کیا، تو آپ نے اس نئے فتنہ کا بھی اُسی طرح جوانمردی سے مقابلہ کیا۔ پھر انگریز ایک نئی چال چلا اور اس نے مسلمانوں سے ایسی درس گاہیں قائم کرائیں، جو کہلائیں تو مسلمانوں کی مگر بولی بولیں انگریز کی۔ یہ ایک پُر پیچ چال تھا، بلکہ دام ہمرنگ زمین تھا۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس چال کو بھی بروقت سمجھ لیا اور مسلمانوں کو اُس جال میں پھنسنے سے بچایا۔ انگریز ایک چال اور بھی چلا یعنی مسلمانوں کی ایک چھوٹی جماعت کو بھڑکا کر بڑی جماعت کے خلاف صف آراء کر دیا۔ آپ نے اس محاذ پر بھی انگریز کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ غرض اس زبوں حالی کے دَور میں ملک وملت کے خلاف جس فتنہ نے بھی سر اُبھارا، آپ نے اسی کا مردانہ وار مقابلہ کیا اور علماء کی آنے والی نسلوں کو سبق دیا کہ ہر فتنہ کا مقابلہ کرنا اُن کا فرضِ منصبی ہے۔

(۳) علمی خدمات!

مغربی علوم وافکار کے ہندوستان میں داخلہ سے حضرت رحمہ اللہ نے محسوس فرما لیا تھا کہ اب ہندوستان کا فکری رجحان بدلے گا۔ لوگ روایت پر قناعت نہیں کریں گے بلکہ اَسرار وحِکَم کی جستجو شروع کریں گے۔ اس لئے آپ نے بھی ہر بات استدلال کے لبادہ میں پیش فرمانی شروع کی۔ چنانچہ آپ کی کتابیں روایات سے زیادہ

استدلالاتِ عقلی کا پہلو لئے ہوئے ہیں۔

اس ذہنی اور فکری انقلاب کا احساس سب سے پہلے مُسندِ ہند، حجۃ الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی قدس سرہٗ (ولادت ۱۱۱۴ھ بمطابق ۱۷۰۳ء وفات ۱۱۷۶ھ بمطابق ۱۷۶۲ء) کو ہوا تھا اور اسی وجہ سے آپ نے بھی اپنی مشہورِ زمانہ کتاب ''حجۃ اللہ البالغۃ'' تصنیف فرمائی تھی۔ جس میں پورے دین کو استدلالی رنگ میں پیش کیا ہے۔۔۔ حضرت شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بعد، حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس سلسلہ میں قیمتی اضافہ کیا ہے۔

لیکن حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کا کام حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے کام سے، تین حیثیتوں سے مختلف ہے:

(۱) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے علمِ کلام کو مستقل موضوعِ بحث نہیں بنایا، مگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے اس کو فنی حیثیت سے سامنے رکھ کر، اس کے تمام اُصول وضوابط کو مبرہن کیا ہے اور یہ آپ کی زندگی کا خاص کارنامہ ہے۔

(۲) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ نے فروعاتِ دین میں سے صرف کلیات کی حکمتیں، یا پھر حدیث پاک کی بعض منصوص جزئیات کی حکمتیں بیان فرمائی ہیں مگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ نے معمولی جزئیات کو، بلکہ بعض ایسی جزئیات کو، جنہیں فقہاء کرام رحمۃ اللہ علیہم خلافِ قیاس کہتے تھے، نہایت محکم استدلال کے ساتھ پیش کیا ہے۔ اور اُن کا عقلی ہونا واضح کیا ہے۔۔۔ مگر افسوس کہ اس سلسلہ میں زیادہ کام نہیں ہو سکا۔ لیکن جو کچھ ہوا وہ دلیل اور راہنما کا کام دے سکتا ہے۔ البتہ بعد کے بزرگوں نے کام کو آگے بڑھایا ہے حضرت تھانوی قدس سرہٗ کی المصالح العقلیہ للاحکام النقلیہ میں اور دوسرے بزرگوں کی تصنیفات میں اس سلسلہ میں اچھی پیش رفت پائی جاتی ہے۔

(۳) حضرت شاہ صاحب رحمہ اللہ کے استدلالات زیادہ تر نظری اور عقلی ہیں مگر حضرت نانوتوی رحمہ اللہ دقیق اور خالص عقلی مسائل کو بھی محسوس بنا کر رکھ دیتے

ہیں۔اور یہ آپ کی تصنیفات کی وہ خصوصیت ہے جو کہیں نظر نہیں آتی۔

اور یہ بات دونوں بزرگوں کے علوم و معارف میں مشترک ہے کہ وہ زیادہ تر وہبی ہوتے ہیں۔کتابی کم ہوتے ہیں۔اللہ پاک جل شانہٗ نے آپ دونوں بزرگوں کو علم لدنی سے حصۂ وافر عنایت فرمایا ہے۔غرض آپ نے اُمت کو تقریباً چھتیس (۳۶) ایسی کتابیں عنایت فرمائی ہیں، جو رہتی دنیا تک اُس کی راہ نمائی کرتی رہیں گی۔

آپ کی تصنیفات تین حصوں میں تقسیم کی جاسکتی ہیں: (۱) آسان (۲) دقیق اور (۳) اَدَق (مشکل تر) ذیل میں ان کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

آسان کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	کیفیت
۱	قبلہ نما (اُردو)	کعبۂ معظمہ معبود نہیں ہے بلکہ قبلہ نما ہے	اس کا صرف ربع اوّل آسان ہے۔
۲	ہدیۃ الشیعہ (اُردو)	شیعہ حضرات کے ساتھ مختلف فیہ مسائل پر محققانہ اور منصفانہ بحث	آپ کی تمام تصنیفات میں یہ سب سے زیادہ آسان ہے۔
۳	تحفۂ لحمیہ (اُردو)	گوشت خوری انسانی فطرت کے مطابق ہے	آپ کی اور آپ کے کسی رفیق کی مشترک تصنیف ہے
۴	اجوبۂ اربعین (2 حصے) اُردو	شیعہ حضرات کے چالیس سوالوں کے جوابات۔	اسکا پہلا حصہ آپکی اور مولوی عبداللہ انبیٹھوی کی مشترک تصنیف ہے۔ حصہ دوم تنہاء آپ کی ہے
۵	فیوضِ قاسمیہ (اُردو، فارسی) اور بعض فارسی میں ہیں	مختلف موضوعات پر پندرہ مکاتب کا مجموعہ ہے (بعض اُردو میں)	اس میں سے جمعہ فی القری کا مضمون ترجمہ کر کے "احکام الجمعہ" کے نام سے علیحدہ شائع کیا گیا ہے۔ اس لئے اس کا مستقل ذکر نہیں کیا گیا۔

۶	واقعہ میلہ خداشناسی (گفتگوئے مذہبی) اُردو	اصول دین کی حقانیت کا بیان	۱۲۹۳ھ میں شاہ جہاں پور میں جو پہلا مناظرہ ہوا تھا، اس کی یہ روئداد ہے۔ منشی محمد ہاشم صاحب مالک مطبع ہاشمی اور مولوی محمد حیات صاحب مالک مطبع ضیائی نے مرتب کر کے شائع کی ہے۔ اس میں حضرت رحمہ اللہ کی تقریر پیش کی گئی ہے۔
۷	مباحثہ شاہ جہان پور (اُردو)	اُصولِ دین کی حقانیت کا بیان اور عیسائیت کا ردّ	۱۲۹۵ھ میں شاہ جہاں پور میں دوسرا مناظرہ ہوا تھا اس کی یہ روئداد ہے حضرت مولانا فخر الحسن صاحب گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے مرتب کی ہے۔
۸	لطائفِ قاسمیہ (فارسی)	مختلف موضوعات پر نو(۹) مکاتیب کا مجموعہ	آخری مکتوب جمعہ فی القری کے بارے میں ہے جو فیوضِ قاسمیہ میں بھی ہے۔ اور الحق الصریح فی اثبات التراویح میں جو دو(۲) مکتوب (ایک آپ کا اور ایک حضرت گنگوہی کا) ہیں وہ بھی اس میں شامل ہیں اس لئے الحق الصریح کا مستقل تذکرہ نہیں کیا گیا۔
۹	تصفیۃ العقائد (اُردو)	اصولی اور کلامی مباحث	سر سید کے خط کا جواب ہے۔
۱۰	انتصار الاسلام (اُردو)	اسلامی تعلیمات پر دس(۱۰) مختلف اعتراضوں کے جوابات	مجلس معارف القرآن کا ایڈیشن سابقہ تمام ایڈیشنوں سے فائق ہے۔

۱۱	حجۃ الاسلام (اُردو)	اُصولی اور کلامی مباحث (ہر مسلمان کو اس کا ضرور مطالعہ کرنا چاہئے	// // //
۱۲	قصائد قاسمی (اُردو، فارسی، عربی)	قصیدہ بہاریہ، شجرہ طریقت اور دیگر مدحیہ قصائد	
۱۳	مکاتیب قاسمی (فارسی)	مسائل سلوک پر چند مکاتیب	
۱۴	الاجوبۃ الکاملہ فی الاسولۃ الخاملہ (اُردو)	کسی شیعہ کے پانچ لغو اعتراضوں کے جوابات	
۱۵	حاشیہ بخاری شریف (عربی)	حضرت مولانا احمد علی صاحب محدث سہارنپوری رحمہ اللہ کا، بخاری شریف کا حاشیہ جو عام طور پر ملتا ہے اس کے آخر کے پانچ چھ پاروں کا تحشیہ آپ نے فرمایا ہے۔	

یہ تمام کتابیں آسان ہیں مگر مضامین نہایت بلند ہیں۔ طرزِ بیان شگفتہ اور سہل ہی نہیں، بلکہ سہلِ ممتنع ہے۔ معمولی استعداد والے بھی ان کتابوں کو بہ خوبی سمجھ سکتے ہیں۔

دقیق کتابیں

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	کیفیت
۱	مصابیح التراویح (فارسی)	موضوع نام سے ظاہر ہے اور ضمناً عجیب وغریب مضامین زیرِ قلم آئے ہیں۔	اس کتاب کا حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب دیو بندی رحمۃ اللہ علیہ نے ترجمہ فرمایا ہے۔ جو انوار المصابیح کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کماحقہٗ حل نہیں ہوئی اس لئے ابھی مزید کام کی حاجت ہے۔

۲	تقریر دلپذیر (اُردو)	مباحث کلامیہ پر محققانہ کتاب	یہ کتاب نا تمام رہ گئی ہے۔ مگر جتنی لکھی گئی ہے وہ حرفِ آخر ہے۔
۳	براہین قاسمیہ (جواب ترکی بہ ترکی) (اُردو)	کلامی اور اُصولی مباحث	آپکی اور آپکے تلمیذ مولانا عبدالعلی صاحب کی مشترک تصنیف ہے۔
۴	تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہ (اُردو)	حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ زمینیں سات ہیں اور ہر ایک میں انبیاء مبعوث ہوئے ہیں۔ اس اثر کی محققانہ شرح ہے۔ ضمناً "ختمِ نبوت" کی عجیب تحقیق بیان ہوئی ہے۔	آپ کے زمانہ ہی میں یہ کتاب معرکۃ الآراء بن گئی تھی۔ متعدد حضرات نے اس پر اعتراضات کئے گئے تھے جن کے حضرت رحمہ اللہ نے جوابات دیئے ہیں
۵	جوابات محذورات عشر (مناظرۂ عجیبہ) اُردو	تحذیر الناس پر اعتراضوں کے جوابات	یہ مولانا عبدالعزیز صاحب کے دس (۱۰) اعتراضوں کے جوابات اور طرفین کی مراسلت پر مشتمل ہے۔ مولانا کے اعتراضات برائے جدل نہیں تھے، بلکہ برائے تحقیقِ حق تھے چنانچہ حضرت رحمہ اللہ کے جوابات سے مولانا قائل ہو گئے تھے۔

اس کے علاوہ مولوی عبدالقادر صاحب بدایونی رحمہ اللہ نے بھی اعتراض کئے تھے اور تحذیر الناس کے رد میں فصیح الدین بدایونی کے فرضی نام سے کتاب شائع کی تھی۔ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اس کا جواب تحریر فرمایا ہے جس کی اصل اور صاف شدہ نقل پھلاؤدہ میں مولانا عبدالمغنی صاحب کے کتب خانہ میں محفوظ ہے۔

اس کی ایک نقل استاذِ محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ

کے ذاتی کتب خانہ میں بھی ہے۔ایک اور صاحب جو غالباً رام پور کے تھے انہوں نے بھی تحذیر الناس پر اعتراضات کئے تھے۔حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے اُن کے جوابات بھی تحریر فرمائے ہیں۔جس کا قلمی نسخہ پھلاودہ میں ہے۔

ان صاحب کے اعتراضوں کا جواب حضرت رحمہ اللہ کے تلمیذ مولانا احمد حسن صاحب امر ہوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے جس کا قلمی نسخہ پھلاودہ میں ہے۔ اور اسی کتاب کی عبارتوں کو خلط ملط کر کے، غلط نتیجہ اخذ کر کے مولوی احمد رضا خاں صاحب بریلوی نے حضرت رحمہ اللہ کے خلاف طوفانِ بے تمیزی بپا کیا تھا، مگر۔

چراغے را کہ ایزد بر فروزد کسے کو تُف زند ریشش بسوزد

ترجمہ: ”جس چراغ کو اللہ پاک نے روشن کیا ہو، اگر کوئی بجھانے کے لئے پھونک مارے گا تو اپنی داڑھی جلائے گا۔“

نمبر شمار	نام کتاب	موضوع	کیفیت
٦	اَسرارِ قرآنی (فارسی)	قرآنی سوالات کے محققانہ جوابات	”تفسیر المعوذتین“ اسی کتاب میں شامل ہے۔
٧	انتباہ المؤمنین (فارسی)	ایک حدیث شریف کی شرح	مشکوٰۃ شریف باب مناقب العشرہ فصل ثالث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث حضور پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے خلفاء کے بارے میں ہے اس کی شرح ہے۔
٨	جمال قاسمی (اُردو)	سماع موتیٰ، وحدۃ الوجود اور حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بحث	یہ دو مکتوب کا مجموعہ ہے۔

۹	توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام (الدلیل المحکم علیٰ عدم قراءۃ المؤتم) اُردو	مقتدی پر قراء ت نہ ہونے کا بیان	یہ دونام ایک ہی کتاب کے ہیں۔ البتہ توثیق میں چند سطریں زیادہ ہیں۔
۱۰۔۱۹	مکاتیب قاسم العلوم (فارسی) نمبر اوّل، دوم، سوم، چہارم)		اس کے چار نمبر شائع ہوئے ہیں، جو گیارہ مکاتیب پر مشتمل ہیں، جن میں سے دَس مکتوب حضرت رحمہ اللہ کے ہیں (۱) قریہ فدک کی بحث (۲) حدیث عماء کی شرح (۳) ما اُصل بہ لغیر اللہ کی تحقیق (۴) عصمتِ انبیاء اور تحقیق کلی طبعی۔ (۵) مکاتب کے سلسلہ میں دو حدیثوں میں تعارض کا حل (۶) یہ مکتوب حضرت رحمہ اللہ کا نہیں ہے بلکہ سائل مولوی محمد حسین بٹالوی (اہلِ حدیث کا ہے (۷) انکارِ نبوت اور انکار معجزہ کا جواب (۸) ہندوستان میں سود کا حکم اور مرہونہ زمینوں کی آمدنی کا حکم (۹) شہادتِ حضرتِ حسین رضی اللہ عنہ کا اثبات (۱۰) مبحث امامت کی تحقیق اور طوسی کے استدلالات کا جواب اور دو حدیثوں کی شرح (۱۱) حدیث من لم یعرف امام زمانہ کی شرح

یہ سب مکاتیب فارسی میں ہیں۔ ان میں سے مکتوبِ اوّل و ہشتم کا ترجمہ استاذِ محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب مدظلہٗ نے فرمایا ہے جو ''القاسم'' کی بارہویں جلد میں شائع ہوا ہے اور حال میں پروفیسر انوار الحسن صاحب شیر کوٹی ثم پاکستانی نے تمام مکاتیب کے ترجمہ اور تسہیل کی خدمت انجام دی ہے جو ''انوار النجوم '' کے نام سے شائع ہوئی ہے۔ جس کے مطالعہ کا موقع ہمیں اب تک نہیں مل سکا ہے۔

۲۰	اَلْحَظُّ الْمقسوم من قاسم العلوم (عربی)	جزء الذی لا یتجزی کا اثبات اور سماع وغنا کی تحقیق	مولانا محمد رحیم اللہ صاحب بجنوری تلمیذ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے نام دو (۲) مکتوب جو نہایت فصیح عربی میں ہیں۔ آخر میں حضرت کی دو (۲) کرامتوں کا ذکر ہے۔

یہ حضرت رحمہ اللہ کی مشکل کتابیں ہیں۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم کا اِرشاد ان کتابوں کے بارے میں کتنا سچا ہے کہ:

"یہ حکمت ایک ایسے عظیم اور زرخیز ملک کی مانند ہے، جس میں زندگی کی تمام ضروریات نہایت ہی منظم طریق پر مہیا ہوں، اور خزائن ودفائن کی کمی نہ ہو، وسائلِ نقل وحرکت سب جمع شدہ ہوں، مگر ملک میں پہنچنے کا راستہ گم، نہایت پیچیدہ اور دُشوار گزار ہو، نہ راستہ کے نشانات ہوں، جن سے کوئی راہ قطع کرسکے، نہ علائم وآثار ہوں، جن سے ملک کی زرخیزی اور آبادی کا پتہ چلتا ہو، کہ نفع اُٹھانے والے اُس کی طرف متوجہ ہوں اور سوائے مخصوص باخبر لوگوں کے، عامۃ الناس میں نہ کوئی اُس ملک سے باخبر ہو، نہ اُس میں پہنچ سکنے کی راہ پاتا ہو۔ ٹھیک اسی طرح حکمت قاسمیہ کے علوم و معارف کے بھرپور خزانوں کا ایک ملک ہے، مگر اُس تک پہنچنے کے نشاناتِ راہ، عنواناتِ مضامین، ضروری تشریحات، فٹ نوٹس، علوم کی فہرستیں اور تراجم وغیرہ نہ ہونے کے سبب، عامۂ علماء بھی اُس سے مستفید نہیں ہوسکتے، تا بعوام چہ رسد؟

(مقدمہ انوار المصابیح ص ۱۵، ۱۶)

اَدَق (مشکل تر) کتابیں

(۱) قبلہ نما...... کعبۂ معظمہ معبود نہیں ہے بلکہ قبلہ نُما ہے۔ آخر کے تین ربع بے حد مشکل ہیں۔ حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب رحمہ اللہ نے اس کی قابلِ قدر خدمت کی ہے مگر اس سے کماحقہ کتاب حل نہیں ہوئی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب مد ظلہٗ نے بھی ایک خاص نہج سے اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہوگئی۔

(۲) مکاتیب قاسم العلوم کا وہ مکتوب جس میں حدیثِ عماء کی شرح ہے، نہایت دقیق ہے۔...... (۳) آبِ حیات (اُردو)...... اثباتِ حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے۔ آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے۔ اگرچہ اس میں سے ایک معتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا محمد

یعقوب صاحب نانوتوی رحمہ اللہ (اَوّلین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کی رائے یہ تھی کہ اُسے کوئی نہیں سمجھ سکتا، اس کو نکال دیا گیا ہے اور یہ ''اوراق متخرجہ آبِ حیات'' پھلاودہ میں ہیں۔ غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے **ولعل اللّٰہ سبحانہ وتعالیٰ یوفقنی لذلک، وما ذلک علیہ بعزیز :**

یہ کل چھتیس (۳۶) کتابیں ﴿مکاتیب قاسم العلوم کے ہر مکتوب کو مستقل تصنیف شمار کیا گیا ہے۔۱۲﴾ ہیں جن میں حکمتِ قاسمیہ موتیوں کی طرح بکھری ہوئی ہے۔

استاذِ محترم حضرت حکیم الاسلام مولانا محمد طیب صاحب دامت برکاتہم اس حکمت کا تعارف کراتے ہوئے رقم طراز ہیں:

''مقدمات کی ترتیب طبعی، کہ اہم سے اہم نتائج گویا خود بخود نکلنے کے لئے اُبھر رہے ہیں۔ تقریر استدلالی، نہایت مرتب، جو ذہن کو اپیل کرتی ہوئی، اُس کی گہرائیوں میں اُتر جاتی ہے۔ اور ساتھ ہی حضرت والا کا شاخ در شاخ بیان مسئلہ کے تمام شقوق و جوانب پر اتنا حاوی، اور اُس کے تمام گوشوں کا اس درجہ واشگاف کنندہ ہوتا ہے کہ اس سے صرف وہی ایک زیر بحث مسئلہ حل نہیں ہوتا بلکہ اُس کے سینکڑوں امثال جو اس کی زد میں آجائیں۔ خواہ وہ کسی دوسرے ہی باب کے ہوں۔ اس اُصولی طرزِ بیان سے حل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ بلکہ قلوب پر کتنے ہی علوم و معارف کے دروازے کھلتے جاتے ہیں جن سے نئے نئے مسائل کا راستہ بھی ہموار ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس صورت حال سے آدمی یہ ماننے پر مجبور ہوتا ہے کہ شریعت کے اُس جزیہ کی پشت پر عقلی کلیات کی کس قدر کمک موجود ہے اور کتنے کلیے اور عقلی اُصول اس ایک جزیہ میں اپنا عمل کررہے ہیں، جس سے وہ عقلی ہی نہیں، طبعی نظر آنے لگتا ہے۔ بقول حضرت عارف باللہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ (اَوّلین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند) کہ:

''حضرتِ والا کے دماغ کی ساخت ہی خِلقی طور پر حکیمانہ واقع ہوئی تھی۔ اس لئے بلا اختیار، اُن کے دَماغ میں، حکمت ہی کی باتیں آسکتی تھیں، جس سے اُن کے

یہاں جزوی مسائل کا کلام بھی کلیاتی رنگ اختیار کر کے ایک کلیہ بن جاتا تھا۔ اور اُس سے وہی ایک جزویہ نہیں، بلکہ اُس جیسے سینکڑوں جزوئے حل ہوجاتے تھے۔ اور اُوپر سے ان کا وہ کلی اُصول کھل جاتا تھا، جس سے اُس جزویہ کا نشوونما ہوا ہے۔"

بہرحال شرعی جزئیات کو ان کے عقلی کلیات کی طرف راجع کرنا، اور کلیات سے نادر جزئیات اور مقاصدِ دین کا استخراج کرلینا، یا متعدد جزئیات کے تتبع واستقراء سے ایک کلّی اُصول قائم کر کے ہزاروں جزئیات کا اُس سے فیصلہ کردینا، آپ کا خاص علم، اور علم کا خاص امتیازی مقام ہے۔" (حکمتِ قاسمیہ ص ۲۰، ۲۲)

اس سے بھی زیادہ عجیب یہ ہے کہ عموماً قیاس واستنباط کا تعلق "احکام" سے ہوتا ہے، نہ کہ اخبار اور واقعات سے عقلی طور پر یہ تو کہا جاسکتا ہے کہ "یہ حکم معقول ہے" لیکن عقلی استدلال سے یہ کہنا مشکل ہے کہ "یہ واقعہ معقول ہے اور اُسے عقلاً بھی یوں ہی ہونا چاہئے تھا"۔ لیکن حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کے یہاں شرعی واقعات بھی اُصولِ عقلیہ سے باہر نہیں ہیں۔ آپ کا خداداد علم اور فراست اخبار اور واقعات کی عقلی لمیّات میں بھی اُسی طرح کام کرتا ہے، جس طرح وہ احکام اور اَوامر ونواہی کی حقائق بیانی میں کارفرما ہے۔ چنانچہ آپ کے نزدیک بیت اللہ عقلاً بھی اُسی محل میں ہونا چاہئے تھا جس میں وہ واقع ہے، نیز اس کا اوّل بیت ہونا بھی عقلی ہے، حتیٰ کہ مسجدِ اقصیٰ کی تاسیس عقلاً بھی کعبہ کے چالیس سال بعد ہی ہونی چاہئے تھی اور اس سے بھی عجیب تر یہ کہ کعبہ اور اقصیٰ کا درمیانی فاصلہ، جو تقریباً ڈھائی سو تین سو میل ہے یہ بھی آپ کے اُصول پر عقلی ہے محض تاریخی یا جغرافیائی نہیں ہے۔ "قبلہ نما" میں اس کی تفاصیل دیکھی جاسکتی ہیں۔ (حکمتِ قاسمیہ ص ۲۲، ۲۳ ملخصاً)

حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

تعارف وخدمات

حیات مبارکہ.... سنین کے آئینے میں

از: حضرت مولانا قاری بشیر حسین صاحب (ایم اے اُردو، ایم اے اسلامیات) ایبٹ آباد

۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء

شوال/ مارچ: ولادت باسعادت: (بمقام نانوتہ): اسم گرامی: محمد قاسم:
(تاریخی نام: خورشید حسین) والد گرامی: شیخ اسد علی (متوفی: ۷ر ربیع الثانی
۱۲۹۱ھ/ ۲۱ر مارچ ۱۸۷۵ء)

۱۲۵۵ھ/۱۲۳۹ھ

تعلیم کی ابتدا مولانا مہتاب علی کے مکتب سے ہوئی۔

۱۲۵۷ھ/۱۲۴۱ھ:

نانا وجیہ الدین سہارنپور کے ہاں عربی صرف ونحو کی ابتدائی کتابیں پڑھیں۔

۱۲۵۹ھ/۱۸۴۳ء:

کے اواخر میں بسلسلہ تعلیم مولانا مملوک علی کے ہمراہ دہلی تشریف لے گئے۔

۱۲۶۴ھ/۱۸۴۸ء:

مولانا شاہ عبدالغنی مجددیؒ سے علم حدیث کا حصول اور فراغت

۱۲۶۱ھ/۱۸۴۵ء:

نکاح (مع بنت شیخ کرامت حسین)

۱۲۷۳ھ/۱۸۵۷ء:

جنگ آزادی میں شرکت اور حاجی امداداللہ مہاجر مکی کی امارت میں شاملی کے محاذ پر انگریز فوج سے مقابلہ۔

۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء:

پہلی بار حج بیت اللہ کی سعادت (مولانا یعقوب نانوتویؒ کی معیت میں)

۱۲۷۷ھ/۱۸۶۱ء:

تا ۱۸۶۸ء: مطبع مجتبائی میرٹھ میں تصحیح کتب کی خاطر ملازمت اختیار کرنا

۱۲۸۳ھ/۱۸۶۶ء:

۱۵رمحرم/۳۰مئی: دارالعلوم دیوبند کی تاسیس

۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء:

دوسری بار حج بیت اللہ کی سعادت

۱۲۸۹ھ/۱۸۷۲ء: دورۂ حدیث کی ابتداء

۱۲۹۱ھ/۱۸۷۴ء:

تھانہ بھون، گلاؤٹی، دان پور (ضلع بلند شہر)، میرٹھ اور مرادآباد میں مدارس کا قیام اور ''دارالعلوم'' سے ان کا الحاق

۱۲۹۲ء/۱۸۷۵ء:

i) ۲رذی الحجہ: تاریخ سنگ بنیاد ii) پہلا جلسہ دستار بندی

۱۲۹۳ھ/ ۱۸۷۵ء:

i) ۷،۸/ مئی: میلہ خدا شناسی میں شرکت اور عیسائی پادریوں کے سامنے اسلام کی حقانیت اور عیسائیت کے ابطال پر تقریر ii) دوسرا جلسہ دستار بندی

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۶ء:

۱۹،۲۰/ مارچ: چاند پور (ضلع شاہجہانپور) یوپی میں آریہ سماج کے بانی پنڈت دیانند سرسوتی کے ساتھ مناظرے کئے اور اسے شکست فاش دی۔

۱۲۹۴ھ/ ۱۸۷۷ء:

تیسری بار حج بیت اللہ کی سعادت (مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور دیگر اکابر اُمت کے قافلہ کے ساتھ)

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء:

ربیع الاول: حج سے واپسی اور جدہ پہنچ کر بخار میں مبتلا ہونا۔

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۸ء:

جولائی: پنڈت دیانند سرسوتی سے مناظرے اور اس کے اعتراضات کے جواب دینے کیلئے حضرت نانوتوی ۱۷ دن تک رڑکی میں رہے۔

۱۲۹۵ھ/ ۱۸۷۹ء:

شعبان: مناظرہ رڑکی میرٹھ: پنڈت دیانند سرسوتی نے اسلامی عقائد واحکام پر اعتراضات کئے جس پر مولانا نانوتوی نے اس کا تعاقب کیا لیکن وہ فرار ہوگیا۔ کچھ دنوں بعد دوبارہ میرٹھ آیا مناظرہ کی دعوت دی مگر وہ سامنے نہ آیا۔

۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء:

۴/ جمادی الاول/ ۱۵/ اپریل: بروز پنجشنبہ بعد ظہر: وفات حسرت آیات

اِفادات قاسم العلوم

۱۔آب حیات: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند: ۱۴۲۹ھ (مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم) (اس کتاب میں برزخ اور قبر شریف میں آپ ﷺ کی حیات مبارکہ پر تفصیلی بحث کی گئی ہے۔اس کتاب کی عبارت بڑی دقیق اور مشکل ہے۔عوام الناس کی سطح سے بالاتر ہے۔صرف علماء کرام ہی اس سے استفادہ کرسکتے ہیں)

۲۔آیت معیت (سورہ محمد:۲۹) کی محققانہ تفسیر: ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور
قسط نمبر۱: فروری ۱۹۸۹ء قسط نمبر۲: مارچ ۱۹۸۹ء قسط نمبر۳: اپریل ۱۹۸۹ء

۳۔اجوبہ اربعین (رد روافض): حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ:

تقدیم: حضرت شیخ الہند مولانا محمود حسن الدیوبندیؒ

مقدمہ: مولانا عبدالحمید سواتیؒ: (۲۶ صفحات)

(اس کتاب میں اہل رفض وتشیع کی طرف سے اہل سنت والجماعت پر کیے گئے چالیس اعتراضات کے عقلی ونقلی طور پر دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ حصہ اول میں میں اٹھائیس اعتراضات کے جوابات ہیں اور حصہ دوم میں بارہ اعتراضات کے جوابات ہیں)

۴۔اسلام کی حقانیت: تصنیف: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: دارالبصائر بہاولپور

۵۔افادات قاسمیہ: (حجۃ الاسلام حضرت مولانا قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کے بعض مضامین کی تسہیل وتشریح) مرتبہ: مولانا سعید احمد پالنپوری رحمہ اللہ (استاد دارالعلوم

اشرفیہ راندھیر ضلع سورت): ماہنامہ ''الفرقان لکھنؤ:

قسط نمبرا: ربیع الآخر ۱۳۹۳ھ: صفحہ ۱۹تا۳۰ ، قسط نمبر۲: جمادی الاول ۱۳۹۳ھ: صفحہ۱۲تا۲۱ ، قسط نمبر۳: جمادی الآخر ۱۳۹۳ھ: صفحہ۲۷تا۳۵

۶۔الحظ المقسوم من قاسم العلوم :(فی تحقیق المرکب والاجزاء و بیان حقیقۃ السماع والغناء) رتبہ: الشیخ مولانا محمد رحیم اللہ قدس سرہ:: تقدیم وتصحیح: الاستاذ المفتی اکبر رحمٰن الشانجلوی الحقانی حفظہ اللہ (استاذ الحدیث بدار العلوم عربیہ گجرات مردان:: ادارۃ النشر لمکتبہ امام محمد قاسم نانوتوی ریسرچ لائبریری مردان: صفحات ۲۶

۷۔انتباہ المؤمنین: (یہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی کا ایک فارسی رسالہ ہے جس میں ایک شیعہ کے اعتراض کا مسکت ودندان شکن جواب دیا گیا ہے۔

اس نے مشکوٰۃ شریف کی ایک حدیث کے حوالہ سے مولانا الٰہی بخش سے اس حدیث کا مصداق معلوم کرنا چاہا۔ جس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ بنانا چاہتے تھے۔ مگر صحابہ رضی اللہ عنہ سے یہ توقع نہیں تھی۔ انہوں نے یہ سوال مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی خدمت میں بھیج دیا ،جس کا جواب اس رسالہ میں ہے۔ یہ رسالہ فارسی میں تھا۔ مولانا محمد یوسف لدھیانوی نے اس کا ترجمہ اردو میں کیا اور اس کا نام ''ایک شیعہ مغالطہ کا حل'' رکھا۔

۸۔انتصار الاسلام: مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ: اس کتاب میں آریہ سماج کے اسلام پر اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔

عنوانات وحواشی مولانا سید محمد میاں الدیوبندی رحمہ اللہ

مقدمہ: مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

۹۔تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباسؓ: مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ:

i) ادارہ تحقیقات اہل سنت لاہور: بار سوم جنوری ۲۰۰۱ء: صفحات ۱۲۸

ii) مطبع صدیقی بریلی باہتمام مولوی محمد منیر: صفحات ۴۸

iii) حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند، سہارنپور: طبع اولیٰ ۱۴۳۸ھ/ ۲۰۱۷ء: صفحات ۹۵

iv) ادارہ العزیز نزد جامع مسجد صدیقیہ گلہ برف خانہ والا سیالکوٹ روڈ کھوکھر کی گوجرانوالہ

مقدمہ: علامہ ڈاکٹر خالد محمود (ڈائریکٹر اسلامک اکیڈمی مانچسٹر (یوکے)

حاشیہ: مولانا حافظ عزیز الرحمٰن ایم اے ایل ایل بی توضیح بعض عبارات:

حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ:

۱۰۔ تفسیر معوذتین (عربی): مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ: مترجم: وحید الزمان کیرانوی: : مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند: صفحات ۵۲

(یہ حضرت نانوتوی کا ''اسرار قرآنی'' کے نام سے چھوٹا سا رسالہ ہے جس میں موصوف کے متعدد خطوط جمع کئے گئے ہیں ان میں سے ایک خط ''استعاذہ'' اور'' معوذتین'' سے متعلق بڑی عجیب وغریب بحث فرمائی ہے، شروع میں قاری محمد طیبؒ کے قلم سے حضرت نانوتویؒ کے تعارف پر ایک دلچسپ مضمون بھی شامل ہے)

تبصرہ: **i)** ماہنامہ ''الرحیم'' حیدرآباد: جلد ۵، شمارہ ۱۰، صفحہ ۷۸۰ تا ۷۸۲ (بقلم: محمد سرور)

ii) ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ

۱۱۔ تقریر دلپذیر: مولانا محمد قاسم نانوتوی: ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان: صفحات ۴۰۵

(اسلام کے اصول کلیہ وجود باری تعالیٰ، توحید خداوندی، صفات باری تعالیٰ، رسالت و نبوت کی ضرورت اور عقیدۂ آخرت اور ضرورت قیامت، اور بعث بعد الموت کے عقل و نقل سے مدلل ثبوت میں نہایت جامع ومکمل کتاب، نیز مغربی فلاسفہ کے استدلالات کے مدلل ومسکت جوابات اور اسلامی عقائد ونظریات کے عقل وقیاس کی روشنی میں تجزیے اور مسئلہ تقدیر اور دوسرے بیسیوں مسائل کو نہایت ہی شاندار انداز میں عقلی ونقلی دلائل سے ثابت کیا گیا ہے۔)

تبصرہ: **i)** ماہنامہ ''لولاک'' ملتان: شعبان ۱۴۱۹ھ/ دسمبر ۱۹۹۸ء: صفحہ ۵۶

ii) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: ربیع الاول ۱۴۱۵ھ

۱۲۔تصفیۃ العقائد: حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ i) دارالاشاعت مقابل مولوی مسافرخانہ کراچی: پاکستان میں پہلی بار: جون ۱۹۷۶ء: صفحہ ۴۷

ii) شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند: اگست ۲۰۰۹ء/شعبان ۱۴۳۰ھ

(وہ مراسلت جو مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور جناب سرسید احمد خان کے مابین عقائد اسلام کے اہم مباحث پر ہوئی۔ جس کے آخر میں تقلید وعدم تقلید اور مخرج ضاد پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے)

۱۳۔تنویر النبر اس علیٰ من انکر تحزیر الناس: (مع ختم نبوت اور صاحب تحذیر الناس از مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم): تدوین وحواشی: مولانا محمد اسحٰق: مدرس مرکز اہل سنت والجماعت چک نمبر ۸۷ جنوبی لاہور روڈ سرگودھا: طبع اول ذی قعدہ ۱۴۳۶ھ/ اگست ۱۹۱۵ء:: طبع ثانی رجب ۱۴۳۷ھ/ مئی ۲۰۱۶ء: صفحات ۲۴۰

(مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کی کتاب ''تحذیر الناس'' پر بدایوں کے ایک عالم نے نقد کیا جس پر مولانا نانوتویؒ نے مذکورہ کتاب تحریر فرمائی۔ اسکے علاوہ ''تحذیر الناس'' پر اعتراضات کے جواب میں مولانا نے ''مناظرہ عجیبہ'' تحریر فرمائی): مولانا نور الحسن راشد صاحب نے اس قلمی نسخہ کی نشاندہی کی۔ ناشر نے ان مخطوطوں کے متعدد نسخے حاصل کیئے پھر کمال ہمت سے ان کی تبییض کروا کر شائع کروایا)

تبصرہ: i) ماہنامہ ''لولاک'' ملتان: رجب ۱۴۳۷ھ/ مئی ۲۰۱۶ء: صفحہ ۵۰

ii) ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: محرم ۱۴۳۸ھ/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

۱۴۔ جمال قاسمی: (مکتوبات مولانا قاسم نانوتویؒ) مرتبہ: مولوی جمال الدین علوی دہلوی: دارالبصائر ریلوے لنک روڈ بہاولپور: صفحات ۳۴

(اضافہ عنوانات: مولانا مدثر جمال تونسوی)

(یہ کتاب مرتب کے نام حضرت نانوتویؒ کے دو خطوط پر مشتمل ہے، جسے موصوف نے اپنی کتاب ''جمال العارفین'' کے ساتھ سب سے پہلے ۱۲۹۵ھ میں طبع

کروایا۔ پہلے خط میں مسئلہ وحدت الوجود اور وحدت الشہود کی صوفیانہ اور فلسفیانہ انداز میں تشریح وتوضیح ہے اور دوسرے خط میں مسئلہ سماع اموات اور حیات انبیاء علیہم السلام پر دلنشین انداز میں تفصیل سے کلام کیا گیا ہے)

تبصرہ: ماہنامہ ''تعلیم القرآن'' راولپنڈی: فروری ۱۹۸۵ء: صفحہ ۲۹ تا ۳۵

۱۵۔ حجۃ الاسلام ::: تالیف: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ::: مقدمہ وعنوانات شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن قدس سرہ: دارالاشاعت مقابل مولوی مسافر خانہ بندرروڈ کراچی ::: صفحات ۸۰ (یہ حضرت نانوتویؒ کی وہ معرکۃ الآراء تحریر ہے جو آپ نے غیر مسلم پیشواؤں کے ایک مشترک مجمع میں اسلامی عقائد کی تشریح وتوضیح اور ان کے اثبات کیلئے لکھی تھی۔ نیز اس کتاب میں سرسید احمد خان کے بعض عقائد کا بڑے دل نشین اور عام فہم دلائل پر رد بھی کیا گیا ہے)۔

تبصرہ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: ربیع الاول ۱۳۹۷ھ

☆ حجۃ الاسلام ::: تالیف: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: (تسہیل وتشریح: مولانا اشتیاق احمد۔ استاذ دارالعلوم دیوبند):

مجلس معارف القرآن دارالعلوم دیوبند: ضلع سہارنپور: ۱۹۶۷ء: صفحات ۱۷۶

(یہ تقریر حضرت نے ۲۴ گھنٹہ میں چاندپور کے میلہ خداشناسی کیلئے لکھی تھی جو ۱۸۷۶ء کو ضلع شاہجہانپور میں انگریزوں نے عیسائیت کی ترویج کیلئے منعقد کیا تھا۔ کتاب کے شروع میں حضرت شیخ الہندؒ کا مختصر سا مقدمہ ہے جس میں کتاب کی تصنیف کا واقعہ مذکور ہے۔ اس تقریر میں آپ نے تمام اسلامی عقائد کو مختصر مگر دل نشین اور مستحکم دلائل کے ساتھ اس خوبصورتی سے بیان فرمایا ہے کہ اس کا ایک ایک صفحہ عقل اور دل کو بیک وقت اپیل کرتا ہے۔ خدا کے وجود، توحید، اولاد سے بے نیازی، ابطال تثلیث، مسئلہ تقدیر، جبر وقدر، عبادت بدنی ومالی کے فلسفہ، اثبات رسالت وعصمت انبیاء، شفاعت، ابطال کفارہ، مدار نبوت، معجزات، اعجاز قرآن، تحقیق نسخ، معجزہ شق

القمر، حلت گوشت، حرمت مردار، طریقہ ذبح اسلامی ان میں سے ہر ایک مسئلے پر مدلل کلام موجود ہے۔ دلائل اتنے واضح کہ عقل مطمئن ہوتی چلی جائے۔)

تبصرہ: i) ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: جمادی الثانیہ ۱۳۸۷ھ

ii) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: شعبان ۱۳۸۷ھ

☆ حجۃ الاسلام (تصنیف: الامام محمد قاسم النانوتویؒ): تحقیق وتخریج: مولانا حکیم فخر الاسلام: مجمع الفکر الاسلامی الدولی، فکر اسلامی اکیڈمی (انٹرنیشنل) جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا (انڈیا): اشاعت اول: محرم ۱۴۴۱ھ/ستمبر ۲۰۱۹ء: صفحات ۲۴۴

مقدمہ: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ صفحہ ۴۶ تا ۴۹

دیباچہ: حضرت مولانا فخر الحسن گنگوہی: صفحہ ۵۰

☆ حجۃ الاسلام (تالیف مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تلخیص وتبصرہ): محمد سرور: ماہنامہ ''الرحیم'' حیدر آباد: جلد ۵، شمارہ ۹: صفحہ ۶۹۳ تا ۷۰۳

☆ حجۃ الاسلام: تالیف الشیخ محمد قاسم نانوتویؒ: التعریب: مولانا عبدالحمید سواتی: ادارۃ النشر والاشاعۃ بالمدرسۃ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ: ۱۴۰۸ھ/۱۹۸۷ء: صفحات ۷۷

۱۶۔ دارالعلوم دیوبند کے متعلق لکھے گئے چند اصول (عکسی): مولانا محمد قاسم نانوتوی: ماہنامہ ''حق چار یار'' لاہور: مارچ ۲۰۰۰ء: صفحہ ۳۰ تا ۳۱

۱۷۔ ردود علیٰ اعتراضات موجہہ الی الاسلام: (عربی) مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: تعریب: مولانا محمد ساجد قاسمی: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند: اشاعت اول شعبان ۱۴۳۲ھ/ جون ۲۰۱۱ء.................یہ کتاب حضرت رحمہ اللہ کی دو کتابوں ''انتصار الاسلام'' اور ''قبلہ نما'' کے ابتدائی حصہ کا ترجمہ ہے۔

تبصرہ: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: صفر ۱۴۳۳ھ/ جنوری ۲۰۱۲ء

۱۸۔ شہادت امام حسینؓ اور کردار یزید: حجۃ الاسلام مولانا قاسم نانوتویؒ: (مکتوب فارسی: اردو ترجمہ: مولانا انوار الحسن شیر کوٹی): تحریک خدام اہل سنت

والجماعت کرم آباد وحدت روڈ لاہور: صفحات ۹۸

دیباچہ: حضرت مولانا قاضی مظہر حسین صاحبؒ: صفحہ ۱۶ تا ۲۹ (تحریر کردہ: ۲۴؍ جمادی الثانی ۱۴۰۲ھ/ ۲۰؍اپریل ۱۹۸۲ء

۱۹۔ عمدۃ التفاسیر: [جلداول] (حضرت نانوتویؒ کے تفسیری افادات): کاوش: بندہ محمد سیف الرحمٰن قاسم (تلمیذ امام اہل سنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدرؒ): فاضل جامعہ ام القریٰ مکہ مکرمہ، مدرس دورہ تفسیر جامعہ بنوریہ کراچی

مقدمہ: مفتی عبدالقدوس ترمذی مدظلہ

۲۰۔ فرائد قاسمیہ (قاسم العلوم والمعارف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے غیر مطبوعہ مضامین کا ایک نادر مجموعہ): جمع کردہ: حضرت مولانا حافظ سید عبدالغنی پھلاودی: مقدمہ وتعارف: مولانا مفتی نسیم احمد فریدی امروہوی: ادارہ ادبیات دلی، گلی قاسم جان دہلی: ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء: صفحات ۲۴۳

تبصرہ: ماہنامہ ''برہان'' دہلی: اپریل ۱۹۸۲ء: صفحہ ۶۳ تا ۶۴

۲۱۔ قبلہ نما: مولانا محمد قاسم نانوتوی: (۱۲۹۵ھ میں آریہ سماج کے سردار پنڈت دیانند سرسوتی نے مسلمانوں پر اعتراض کیا کہ وہ ہندوؤں پر الترام لگاتے ہیں کہ وہ بتوں کی پوجا کرتے ہیں۔ حالانکہ وہ خود پتھروں سے بنے ہوئے مکان (یعنی کعبہ) کی پوجا کرتے ہیں۔ مولانا نانوتویؒ نے اس کے سات اجمالی اور ایک تفصیلی جواب تحریر فرمایا۔

۲۲۔ قصائد قاسمی (افاضات: حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ): مکتبہ قاسمیہ جامع مسجد نور الحنفیہ مسلم پارک راجگڑھ لاہور: صفحات ۳۹

۲۳۔ قاسم العلوم: (مکتوبات بزبان فارسی: حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مع اردو ترجمہ ''انوار النجوم''):: پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی: ناشر: ناشران قرآن لمیٹڈ، ۳۸۔ اردو بازار لاہور: ۱۳۹۴ھ/۱۹۷۴ء: صفحات ۵۶۰

(یہ حضرت نانوتویؒ کے ان گیارہ علمی مکاتیب کا مجموعہ ہے جو آپ نے مختلف علمی سوالات

کے جواب میں تحریر فرمائے تھے۔ جن کو اولاً مطبع مجتبائی دہلی کے پہلے مالک منشی ممتاز علی نے مرتب کر کے شائع کیا تھا۔)

تبصرہ: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: ذی قعدہ، ذی الحجہ ۱۳۹۵ھ

۲۴۔کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟ (شرح: توثیق الکلام والدلیل المحکم):

افادات: مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:: شارح مولانا سعید احمد پالنپوری:

i) مکتبہ وحیدیہ دیوبند (ضلع سہارنپور): ۱۳۹۷ھ/ ۱۹۷۷ء: صفحات ۱۳۲

(حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ تاریخ کے آئینہ میں: صفحہ ۹ تا ۲۸)

ii) مکتبہ حجاز دیوبند ضلع سہارنپور: طبع جدید: ۱۴۲۰ھ: صفحات ۱۵۷

(حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ تاریخ کے آئینہ میں: صفحہ ۱۳ تا ۳۲)

۲۵۔گوشت خوری جائز یا ناجائز؟ (اردو ترجمہ ''التحفۃ اللحمیہ''): تالیف: حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات مولانا محمد قاسم صدیقی نانوتویؒ: دار البصائر بہاولپور: صفحات ۲۴

(اس رسالہ میں ہندوؤں کے اس اعتراض کا جواب ہے کہ حیوانات کو ذبح کرنا اور ان کا گوشت کھانا ظلم ہے)............ مقدمہ: حکیم الاسلام قاری محمد طیب قاسمی رحمہ اللہ

۲۶۔لطائف قاسمی: اس رسالہ میں قبر شریف اور برزخ میں مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم اور مسئلہ تراویح اور اور اس رکعات کی تعداد پر بحث کی گئی ہے (حجۃ الاسلام مترجم عربی: از صوفی عبد الحمید سواتی: صفحہ ۱۵)

۲۷۔محاورات فی الدین (عربی) امام محمد قاسم نانوتویؒ: تعریب: مولانا محمد ساجد قاسمی: شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند: اشاعت اول شعبان ۱۴۳۲ھ/ جون ۲۰۱۱ء: صفحات ۲۲۰

اس کتاب میں آپؒ کے دو مناظروں کی روداد ہے:

(i) گفتگوئے مذہبی: مرتبہ مولانا محمد ہاشم و مولانا محمد حیات

(ii) مباحثہ شاہجہانپور: مرتبہ، مولانا فخر الحسن گنگوہی رحمہ اللہ

تبصرہ: ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند: جنوری ۲۰۱۲ھ/ صفر ۱۴۳۳ء: (بقلم: مولانا اشفاق احمد)

۲۸۔معارف نانوتویؒ (بروایت :مولانا اشرف علی تھانویؒ):مرتبہ :محمد اقبال قریشی: دارالاشاعت کراچی :اشاعت اول مارچ ۱۹۷۶ء :صفحات ۷۹

۲۹۔مکتوبات قاسمی: (قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکتوبات وافادات کا ایک نادر وغیر مطبوعہ مجموعہ): تعارف وپیش کش :نورالحسن راشد کاندھلوی :مجلّہ صحیفہ نور ،مولویان کاندہلہ ضلع مظفرنگر یوپی (ہند) :۱۴۲۱ھ/ ۲۰۰۰ء :صفحات ۷۸ (۴۴۰ تا ۵۱۶)

۳۰۔مکتوبات مولانا محمد قاسم نانوتویؒ :مشمولہ ''مکتوبات اکابر دیوبند'' :مولانا نسیم احمد فریدی: کتب خانہ مجیدیہ ملتان :صفحہ ۵۲ تا ۵۶

۳۱۔مکتوبات حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ بنام حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ: ترجمہ وحواشی :نورالحسن راشد کاندھلوی :: سہ ماہی ''احوال وآثار'' کاندھلہ : شوال ،ذیقعدہ ،ذی الحجہ ۱۴۱۵ھ/ اپریل ،مئی ،جون ۱۹۹۵ء :صفحہ ۳۷ تا ۸۷

۳۲۔مناظرہ عجیبہ : حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ : مکتبہ قاسم العلوم ،جے ون ۔۱۴۰ ،کورنگی کراچی ۳۱ :صفحات ۱۵۰ ....اس کتاب میں بعض علماء ومعاصرین کے خط کا جواب ہے جس میں تحذیر الناس میں مولانا کے مؤقف پر اعتراض کیا ہے ۔اس رسالہ میں مولانا نے مسئلہ ختم نبوت پر کھل کر اپنے موقف کا ظہار کیا ہے کہ میرا دین اور ایمان یہ ہے کہ '' آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی رسول یا نبی کا نہ امکان ہے ،نہ احتمال اور جو اس میں تامل کرے یا توقف ،پس وہ میرے نزدیک کافر ہے'' ۔

تبصرہ: ماہنامہ ''بینات'' کراچی :محرم ۱۴۰۰ھ

۳۳۔کیا صلوٰۃ وسلام اور محفل میلاد بدعت ہے؟ (اضافہ شدہ) :مقدمہ: حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ : تالیف :نعمان محمد امین : مکتبہ رشیدیہ بالمقابل مقدس مسجد اردو بازار کراچی

۳۴۔ھدیۃ الشیعہ : حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ :نعمانی کتب خانہ ،حق سٹریٹ اردو بازار لاہور : ۱۹۷۷ء/ ۱۳۹۷ھ :صفحات ۵۰۶

تذکرہ...... کتب ورسائل میں

۱۔اثر ابن عباسؓ پر اعتراضات کا جائزہ: مولانا ساجد خان نقشبندی :ماہنامہ ''ندائے دار العلوم'' وقف دیوبند: محرم ۱۴۳۹ھ: صفحہ ۴۰ تا ۵۲

۲۔ارشادات وکمالات (عقیدہ ختم نبوت اور حضرت نانوتویؒ): سید حسین احمد مدنیؒ: ماہنامہ ''حق چاریار'' لاہور: اگست ۲۰۰۹ء: صفحہ ۱۸ تا ۱۹

۳۔افکار مغرب ۔اصول نانوتویؒ کی روشنی میں (محاضرہ): ڈاکٹر فخر الاسلام: حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند

۴۔الامام الکبیر مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: ترتیب وتالیف: مولانا عبد القیوم حقانی: القاسم اکیڈمی، جامعہ ابوہریرہ خالق آباد، نوشہرہ: صفحات ۵۸۴

(اس کتاب میں حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا ایمان افروز تذکرہ، روح پرور افکار، انوکھے اور دلچسپ حالات، علمی آثار، امتیازات وکمالات، حیات وخدمات، حیرت انگیز واقعات، اخلاق وصفات اور سیرت وسوانح کا جامع مرقع۔ جدید اسلوب، نیا طرز تالیف، ابواب کا انعقاد، مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ، شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ، مولانا محمد یعقوبؒ، مولانا عاشق الٰہی رحمہ اللہ، حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ، حکیم الاسلام قاری محمد طیب رحمہ اللہ، بالخصوص مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ کی تحریرات کی روشنی میں ،جدید دور کے تقاضوں کے عین مطابق، ایک جامع مکمل، ایمان افروز داستان حیات)

تبصرہ

i) بقلم مولانا عبد المعبود: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: جنوری ۲۰۱۳ء: صفحہ ۵۴ تا ۵۷

ii) بقلم محمد موسیٰ بھٹو: بعنوان ''مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی شخصیت'': ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: فروری ۲۰۱۳ء: صفحہ ۴۷، ۵۹

iii) بقلم :مولانا عبد الجبار سلفی :بعنوان ''الامام الکبیر۔ایک چراغ اور جلا:

ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: اگست ۲۰۱۳ء: صفحہ ۵۱، ۵۳

iv) بقلم پروفیسر قاضی محمد ضیاء الحق بعنوان ''دیوبند کے ہیروں کا عقد زر۔ حقانی قلم کا جدید شاہکار'': ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: مئی ۲۰۱۳ء: صفحہ ۵۵، ۵۷

v) ماہنامہ ''لولاک'' ملتان: ذی الحجہ ۱۴۳۳ھ: صفحہ ۵۷

۴۔ الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا عبدالقیوم حقانی: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: مئی، جون ۱۹۹۷ء: صفحہ ۸۷ تا ۹۷

۵۔ الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا عبدالقیوم حقانی: مرتبہ حسیب اللہ: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ

قسط نمبر ۱: مارچ ۲۰۰۸ء: صفحہ ۴۲ تا ۴۶... قسط نمبر ۲: مئی ۲۰۰۸ء: صفحہ ۲۵ تا ۲۹

قسط نمبر ۳: جون ۲۰۰۸ء: صفحہ ۴۱ تا ۴۴... قسط نمبر ۴: جولائی ۲۰۰۸ء: صفحہ ۳۲ تا ۳۵

قسط نمبر ۵: اگست ۲۰۰۸ء: صفحہ ۲۰ تا ۲۶

۶۔ الامام الکبیر محمد قاسم نانوتویؒ: اویس نانوتوی: اکادیمیہ الامام نانوتہ سہارنپور: ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء

۷۔ الامام النانوتویؒ (مکتوب) مولانا مرغوب الرحمٰن: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: ستمبر ۱۹۹۹ء: صفحہ ۶

۸۔ الامام محمد قاسم النانوتویؒ ۔ وتحریکات: محمد شمشاد رحمانی قاسمی: حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند: ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء: صفحات ۴۷

(پہلا محاضرہ علمیہ بسلسلہ ''عالم اسلام کے مشہور مفکرین'' بابت ۱۴۳۵ھ/ ۲۰۱۴ء: موضوع الامام محمد قاسم نانوتویؒ)...... یہ مقالہ چھ ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب: سوانحی خاکہ.... دوسرا باب: تحریک جہاد تیسرا باب: تحریک مدارس

چوتھا باب: تحریک عقد بیوگاں.... پانچواں باب: لڑکیوں کی وراثت کی تحریک

چھٹا باب: ردشیعیت کی تحریک

۹۔الامام محمد قاسم النانوتویؒ۔علمی خدمات :محمد شمشاد رحمانی قاسمی: حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیو بند:: صفحات ۲۷

(دوسرا محاضرہ علمیہ بسلسلہ ''عالم اسلام کے مشہور مفکرین'' بابت ۱۴۴۱ھ/ ۲۰۲۰ء: موضوع الامام محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ)....یہ مقالہ چار ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ۔بحیثیت محدث

دوسرا باب حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم النانوتویؒ۔بحیثیت فقیہ

تیسرا باب: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ۔بحیثیت مدرس

چوتھا باب: حجۃ الاسلام الامام محمد قاسم نانوتویؒ۔بحیثیت مصنف

۱۰۔الامام محمد قاسم نانوتویؒ۔حیات،افکار و خدمات: تنظیم ابنائے قدیم دارالعلوم دیو بند نئی دہلی: پہلا ایڈیشن ۲۰۰۵ء: صفحات ۵۸۳

افتتاحیہ: مولانا محمد افضال الحق جوہر قاسمی....مقدمہ: مولانا عمید الزمان کیرانوی

خطبات: مولانا سید نظام الدین، مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی، مولانا حکیم محمد عبداللہ، جناب عبدالرحمٰن ناصر، مولانا قاضی زین الساجدین قاسمی، مولانا محمد مزمل الحق

پیغامات: مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا عبداللہ سورتی، مولانا عتیق الرحمٰن سنبھلی، مولانا یعقوب اسماعیل منشی القاسمی

پہلا باب: شخصیت اور حیات — دوسرا باب: آراء و افکار

تیسرا باب: علمی خدمات و آثار — چوتھا باب: اساتذہ کرام ورفقاء

اختتامیہ

۱۱۔الامام محمد قاسم نانوتوی: مرتبہ: مولانا فخر الحسن گنگوہی : حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیو بند: ۱۴۳۸ھ/۲۰۱۷ء

۱۲۔الامام محمد قاسم نانوتویؒ کی فکر اور بدلتے حالات میں مدارس کی ترجیحات: فخر الاسلام الٰہ آبادی مظاہری: مطب اشرفی محلہ خانقاہ دیو بند:

اشاعت اول: ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/ دسمبر ۲۰۱۷ء: صفحات ۳۴۴

تقریظ: مولانا حذیفہ صاحب وستانوی

۱۳۔ الامام محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کما رأیتہ: العالم الکبیر الشیخ محمد یعقوب نانوتوی رحمہ اللہ:: تعریب وتعلیق: استاذ محمد عارف جمیل القاسمی المبارکپوری: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند: ۱۴۳۲ھ/ ۲۰۱۱ء (تقدیم: فضیلۃ الشیخ مرغوب الرحمٰن رئیس جامعہ الاسلامیہ دارالعلوم دیوبند)

۱۴۔ اللہ والے: حفیظ گوہر: گوہر پبلی کیشنز راجپوت مارکیٹ اردو بازار لاہور تذکرہ مولانا قاسم نانوتویؒ: صفحہ ۲۲۲ تا ۲۲۷

۱۵۔ امام محمد قاسم نانوتویؒ کے اہم اساتذہ: مولانا نور عالم خلیل امینی: مشمولہ: ''مقالات امینی'': مکتبہ الایمان کراچی: رمضان ۱۴۳۷ھ/ جون ۲۰۱۶ء: صفحہ ۱۴ تا ۳۵

بحوالہ: ''فکر انقلاب'' دہلی (حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی نمبر)

۱۶۔ امت کے روشن چراغ (جلد دوم): ڈاکٹر حکیم محمد ادریس حبان رحیمی چرتھاولی:: مرتب: قاری محمد افضل ممتاز رحیمی: ناظم دفتر دارالعلوم محمدیہ بنگلور

تذکرہ: بعنوان ''حضرت نانوتویؒ اور سرسید احمد خان'': صفحہ ۱۰۷ تا ۱۱۵

۱۷۔ انتصار الاسلام۔ حضرت نانوتویؒ کے جذبۂ مدافعت کی ترجمان: مولانا محمد اظہار الحق قاسمی:: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند: محرم ۱۴۳۷ھ

۱۸۔ انوار قاسمی (جلد اول): مولانا انوار الحسن شیر کوٹی:

i) ادارہ سعیدیہ مجددیہ ۱۸/ ۳۷، چیمبرلین روڈ لاہور: صفحات ۵۸۸

ii) مکتبہ دارالعلوم کراچی

مقدمہ: حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ

تبصرہ

i) ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: مارچ ۱۹۷۰ء: صفحہ ۵۶ (بقلم: مولانا سمیع الحق)

ii) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: ذوالقعدہ ۱۳۸۹ھ

۱۹۔اوصاف حمیدہ حجۃ الاسلام امام مولانا محمد قاسم النانوتویؒ۔ایک آئینہ: اکابر واسلاف کی عبارات کی روشنی میں ::مولانا مبین احمد قاسمی :ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند:

قسط نمبر۱: جنوری ۲۰۱۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر۲: فروری ۲۰۱۷ء/ جمادی الاول ۱۴۳۸ھ

۲۰۔بانی دارالعلوم دیوبندؒ: مولانا سرفراز خان صفدر: مکتبہ صفدریہ نزد مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ: طبع ششم مارچ ۲۰۰۷ء: صفحات ۲۱۹۶۔بانیٔ دارالعلوم کا تاسیسی فکر۔ احیاءِ ملت، تجدید علم اور استقلال وطن :مولانا محمد سالم قاسمی رحمہ اللہ: ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور: ۲۹/اپریل ۱۹۷۷ء: صفحہ ۱۵تا۱۷، ۲۰

۲۲۔بانی دارالعلوم دیوبند مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: ملک ڈاکٹر شاہ نواز اعوان:

i) ماہنامہ ''الخیر'' ملتان: ذوالقعدہ ۱۴۳۳ھ/ اکتوبر ۲۰۱۲ء: صفحہ ۲۹ تا ۳۲

ii) ماہنامہ ''سلوک و احسان'' کراچی :شعبان ،رمضان ۱۴۱۷ھ/ جنوری، فروری ۱۹۹۷ء: صفحہ ۲۳ تا ۲۶

۲۳۔بانیٔ دیوبند۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ :مولانا قاری محمد طیبؒ :: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: مئی ۱۹۸۵ء: صفحہ ۴۱ تا ۴۴

۲۴۔برصغیر میں دینی نظام تعلیم کے مجدد۔متکلم اسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور خلافت عثمانیہ: مولانا محمد ارشد مدنی

i) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: صفر ۱۴۳۲ھ/ فروری ۲۰۱۱ء

ii) ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: ذیقعدہ، ذی الحجہ ۱۴۳۱ھ/ نومبر ۲۰۱۰ء

۲۵۔تحذیر الناس۔ایک تحقیقی مطالعہ: سید شجاعت علی شاہ گیلانی: ادارہ تحقیقات اہل سنت، بلال پارک، بیگم پورہ لاہور: صفحات ۶۰

یہ رسالہ ۴ ابواب پر مشتمل ہے: .... باب اول: تحذیر الناس کیا ہے؟

باب دوم: تحذیر الناس کی عبارات کی توضیح اور اہل علم کی آراء

باب سوم: تحذیر الناس کی عبارات کی حقیقت اور توجیہ

باب چہارم: تحذیر الناس کی تعریف وتوصیف پر مشتمل جناب پیر کرم شاہ صاحب کا مکتوب

تبصرہ: ماہنامہ ''بینات'' کراچی: رمضان ۱۴۳۰ھ/ستمبر ۲۰۰۹ء

۲۶۔تحریک جہاد اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا محمد شمشاد رحمانی: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند: نومبر ۲۰۱۴ء/محرم ۱۴۳۶ھ: صفحہ ۲۷ تا ۳۶

۲۷۔تذکرۂ اسلاف (جلد ۷): ڈاکٹر حافظ قاری فیوض الرحمٰن: مسجد الفرقان ملیر کینٹ بازار کراچی: صفحہ ۱۲ تا ۲۳

۲۸۔تذکرہ حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ: محمد عبد الحلیم چشتی: ماہنامہ ''الرحیم'' حیدر آباد: جلد ۴، شمارہ ۶: صفحہ ۴۳۹ تا ۴۵۶

۲۹۔تذکرہ سلیمان (علامہ سید سلیمان ندویؒ): مولانا ڈاکٹر غلام محمد: ادارہ نشر المعارف ۸۳۔ایس بلاک نمبر ۲، پی ای سی ایچ سوسائٹی کراچی نمبر ۲۹: طبع ثانی ۱۹۸۴ء: صفحات ۷۳۰

تذکرہ حضرت نانوتویؒ: صفحہ ۱۸۱، ۵۹۵

۳۰۔جہود امام نانوتویؒ (عربی) مسابقہ الدورۃ الثانیہ: (۱۴۳۶ھ): مجمع حجۃ الاسلام الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم وقف دیوبند: صفحات ۳۴۳

اس کتاب میں تین مقالات شامل ہیں:

1۔الامام محمد قاسم نانوتوی رحمه الله واستهامة فی علم الحدیث وزیادة الحرکة التعلیمیه فی الهند: محمد شاہد بن عنایت اللہ المظاہری السہارنفوری.....۹ تا ۸۸

2۔الامام محمد قاسم نانوتوی و تاسیسه لجامعة دارالعلوم دیوبند.........ارشد پرویز...............۸۹ تا ۲۰۲

3۔الامام محمد قاسم نانوتوی رحمه الله وجهوده فی تحریر الهند ....ثاقب قمر.........۳۰۲ تا ۳۴۲

۳۱۔چالیس بڑے مسلمان :(جلد اول):سید حافظ محمد اکبر شاہ بخاری :ادارۃ القرآن گارڈن ایسٹ لسبیلہ کراچی :نومبر ۲۰۰۱ء:صفحہ ۷۳ تا ۱۱۳

تذکرہ حضرت نانوتوی رحمہ اللہ بعنوان

i) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:محمد اکبر شاہ بخاریؒ:صفحہ ۷۳ تا ۸۹

ii) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۔تاریخ اسلام کی ایک زندہ شخصیت:حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحبؒ:صفحہ ۹۰ تا ۹۳

iii) بانی دارالعلوم دیوبند:مولانا سرفراز خان صفدر:صفحہ ۹۴ تا ۱۱۳

32.Life and Thoughts of Hujjat al Islam Imam Muhammad Qasim Al-Nanawtawi

By:Atif Suhail Siddiqui(Ph.D):Deoband Instituteof IslamicThought,Deoband.UP(India) Pages 170.

۳۳۔حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی تحریک ردشیعیت:مولانا محمد شمشاد رحمانی:ماہنامہ ’’ندائے دارالعلوم‘‘ وقف دیوبند:محرم ۱۴۲۳ھ

۳۴۔حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۔علماء و مشائخ کی نظر میں :جناب نعمان محمد امین:ماہنامہ ’’ندائے دارالعلوم‘‘ وقف دیوبند:صفر ۱۴۲۳ھ

۳۵۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:مشمولہ ’’تذکرہ حضرت آہ مظفر پوری، :مرتبہ :مولانا مفتی اختر امام عادل:مفتی ظفیر الدین اکیڈمی جامعہ ربانی منورواشریف سمستی پور بہار(انڈیا):صفحہ ۲۸۶ تا ۲۸۹

۳۶۔حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ :مشمولہ ’’دس اکابر دیوبند کا

تذکرہ'': ابوہشام عبدالباری: فاروقی کتب خانہ سردار پلازا اکوڑہ خٹک: صفحہ ۲۴ تا ۰ ۷

۳۷۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ: ''ملت اسلام کی محسن شخصیات'' حضرت مولانا حکیم محمد اسلام انصاری صاحب: دارالاشاعت ایم اے جناح روڈ اردو بازار کراچی: ۲۰۰۱ء: صفحہ ۱۴۳ تا ۱۶۰

۳۸۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور ان کا نظریہ تعلیم: مفتی امانت علی قاسمی: ماہنامہ ''ندائے دارلعلوم'' وقف دیوبند

قسط نمبر ۱: اکتوبر ۲۰۱۸ء/محرم ۱۴۴۰ھ

قسط نمبر ۲: نومبر، دسمبر ۲۰۱۸ء/صفر، ربیع الاول ۱۴۴۰ھ

۳۹۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ تاریخ اسلام کی ایک زندہ جاوید شخصیت: مولانا قاری محمد طیبؒ: مشمولہ ''خطبات حکیم الاسلام'' (جلد ۱۰): بیت السلام پبلشرز کراچی: صفحہ ۱۷۸ تا ۱۸۱

۴۰۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی۔ حیات، افکار، خدمات (مجموعہ مقالات) الشیخ اسعد الاسرائیل: جمعیۃ ابناء القدیم دارالعلوم دیوبند: نیودہلی: ۲۰۰۵ء

(اس کتاب میں حضرت نانوتویؒ پر مختلف علمائے کرام کے انتہائی اہم مقالات جمع کیے گئے ہیں)

۴۱۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا فقہی مزاج: مولانا عتیق احمد بستوی: ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی: جمادی الثانی ۱۴۳۰ھ: صفحہ ۴۵ تا ۴۹

۴۲۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم وافکار کی تشریح وترجمانی۔ تقریر دلپذیر کی روشنی میں۔ تشریح، تسہیل وتحقیق: مولانا غلام نبی قاسمی کشمیری:

ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم وقف'' دیوبند سہارنپور، یوپی (انڈیا):

قسط نمبر ۱: نومبر ۲۰۱۴ء/محرم ۱۴۳۶ھ: صفحہ ۵۴ تا ۶۰

قسط نمبر ۲: دسمبر ۲۰۱۴ھ/صفر ۱۴۳۶ھ: صفحہ ۵۱ تا ۵۵

قسط نمبر ۳۶: اکتوبر ۲۰۱۸ء/محرم ۱۴۴۰ھ

قسط نمبر ۴۰: مارچ ۲۰۱۹ء/ جمادی الاخریٰ ۱۴۴۰ھ

۴۳۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔علماء و مشائخ کی نظر میں:

نعمان محمد امین:

i) ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ: نومبر ۲۰۱۵ء/محرم ۱۴۳۷ھ: صفحہ ۳۵ تا ۴۶

ii) ماہنامہ ''معارف'' اعظم گڑھ: قسط نمبر ۱: ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ستمبر ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۲: ذوالحجہ ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

iii) ماہنامہ ''بینات'' کراچی: قسط نمبر ۱: ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ستمبر ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۲: ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر ۲۰۱۶ء

۴۴۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا محمد عبد اللہ کراچی:

ماہنامہ ''بینات'' کراچی: ربیع الثانی ۱۴۱۴ھ/ اکتوبر ۱۹۹۳ء: صفحہ ۵۳ تا ۶۳

۴۵۔ حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: محمد اسلم شیخوپوری: i) ہفت روزہ ''ترجمان اسلام'' لاہور ۲۴ر دسمبر ۱۹۷۶ء: صفحہ ۷ تا ۹

ii) ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: شعبان ۱۴۰۰ھ/ جولائی ۱۹۸۰ء: صفحہ ۴۱ تا ۵۰، ۵۴

۴۶۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مفتی سید احمد اللہ بختیاری قاسمی

ماہنامہ ''پیام رحمانیہ'' حیدر آباد:

قسط نمبر ۱: جنوری ۲۰۱۷ء قسط نمبر ۲: فروری ۲۰۱۷ء قسط نمبر ۳: مارچ ۲۰۱۷ء

۴۷۔ حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: کے بیش قیمت افادات

: مرتب: مولانا عبید انور شاہ قیصر: ماہنامہ ''بینات'' کراچی: دسمبر ۲۰۱۵ء/صفر ۱۴۳۷ھ

۴۸۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ ''دار العلوم دیوبند کی جامع و مختصر تاریخ'': مولانا محمد اللہ قاسمی: شیخ الہند اکیڈمی دار العلوم دیوبند: اشاعت دوم:

ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/ دسمبر ۲۰۱۶ء: صفحہ ۴۳۱ تا ۴۴۲

۴۹۔حضرت شمس الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ ''مثالی شخصیات کی مثالی زندگی'': مولانا اختر حسین بہاولپوری: مکتبہ عمر فاروق ۴/۴۹۱ ۴/۴ شاہ فیصل کالونی کراچی: ربیع الثانی ۱۴۳۱ھ/ اپریل ۲۰۱۰ء: صفحہ ۱۸۷تا ۲۰۴

۵۰۔حضرت (قاسم) نانوتویؒ اور زمانۂ تعلیم: قاسم سلیم بہادر ملکانوی: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: نومبر ۲۰۰۴ء: صفحہ ۳۲ تا ۳۶

۵۱۔حضرت مولانا محمد قاسم صاحب صدیقی نانوتویؒ کے آخری لمحات: مشمولہ ''مقتدائے اسلام اور صوفیائے کرام کے آخری لمحات'': مولانا محمد روح اللہ نقشبندی غفوری: دارالاشاعت اردو بازار کراچی: اکتوبر ۲۰۰۶ء: صفحہ ۱۰۶ تا ۱۴۷

۵۲۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔دینی وملی وروحانی خدمات کی جھلک : مولانا نسیم احمد فریدی: ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی: ربیع الاول ۱۴۲۳ھ: صفحہ ۴۴ تا ۴۹

۵۳۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ: ''تذکرہ مشائخ دیوبند'': مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ: ادارہ مدنی دارالتالیف بجنور یوپی: باردوم: جولائی ۱۹۶۷ء: صفحہ ۹۴ تا ۱۱۶

۵۴۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی : : مشمولہ : ''علماء دیوبند کے واقعات کرامات'': حافظ مومن خان عثمانی: المیزان اردو بازار لاہور: ۲۰۱۰ء: صفحہ ۶۹ تا ۱۰۳

۵۵۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ ''دس اکابر دیوبند کا تذکرہ'' ابو ہشام عبدالباری: فاروقی کتب خانہ اکوڑہ خٹک: صفحہ ۲۴ تا ۷۰

۵۶۔حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ اور محفل میلاد: محمد نعمان امین: ماہنامہ ''بینات'' کراچی: ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/ دسمبر ۲۰۱۷ء: صفحہ ۱۶ تا ۱۸

(حضرت نانوتویؒ کی یہ تحریر ۱۹ربیع الثانی ۱۲۹۷ھ/۲ مارچ ۱۸۸۰ء کی ہے۔سہ ماہی ''احوال وآثار'' کاندھلہ بابت جنوری تا مارچ ۲۰۰۸ء صفحہ ۱۳ تا ۱۴ میں طبع ہوئی ہے)

۵۷۔حضرت مولانا نانوتویؒ کی شاعری: مولانا نسیم احمد فریدی: ماہنامہ ''انوار مدینہ'' لاہور: نومبر، دسمبر ۱۹۷۰ء: صفحہ ۴۷ تا ۵۲ دسمبر ۲۰۱۷ء: صفحہ ۱۶ تا ۱۸

۵۸۔حضرت نانوتوی رحمہ اللہ اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم: حافظ محمد اقبال رنگونی مانچسٹر: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند:

قسط نمبر ۱: دسمبر ۱۹۸۶ء: صفحہ ۳۲ تا ۳۱....قسط نمبر ۲: فروری ۱۹۸۷ء: صفحہ ۲۲ تا ۳۰

قسط نمبر ۳: مارچ ۱۹۸۷ء: صفحہ ۳۳ تا ۴۳....قسط نمبر ۴: اپریل ۱۹۸۷ء: صفحہ ۳۷ تا ۴۴

۵۹۔حضرت نانوتویؒ اور خدمات ختم نبوت: مولانا محمد سیف الرحمٰن قاسم: جامعہ الطیبات للبنات الصالحات گلی نمبر ۴ محلّہ کنور گڑھ کالج روڈ گوجرانوالہ: طبع اول ذی الحجہ ۱۴۲۹ھ/ دسمبر ۲۰۰۸ء: صفحات ۳۸۶

۶۰۔حضرت نانوتویؒ۔بحیثیت استاد: مولانا محمد شمشاد رحمانی قاسمی: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند

قسط نمبر ۱: صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ/ دسمبر ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۲: ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ/ جنوری ۲۰۱۷ء

۶۱۔حضرت نانوتوی رحمہ اللہ۔علماء ومشائخ کی نظر میں: نعمان محمد امین: ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ: نومبر ۲۰۱۵ء/ محرم ۱۴۳۷ھ: صفحہ ۳۵ تا ۴۶

۶۲۔حضرت نانوتویؒ۔مشاہیر کی نظر میں: ہفت روزہ ''خدام الدین'' لاہور: ۲۱ر جنوری ۱۹۸۳ء............۶۳۔حضرت نانوتویؒ کی دینی حمیت اور موجودہ دور میں اس کی ضرورت واہمیت: مولانا محمد ابوبکر قاسمی: ماہنامہ ''الفرقان'' لکھنؤ: مارچ ۲۰۱۵ء/ جمادی الاول ۱۴۳۶ھ: صفحہ ۴۰ تا ۵۴

۶۴۔حضرت نانوتویؒ کے واقعات: مشمولہ ''آپ بیتی (جلد دوم)'': شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ: مکتبہ عمر فاروق شاہ فیصل کالونی کراچی: اشاعت دوم: صفحہ (i) ۲۴ تا ۲۸ (ii) ۱۱۲ تا ۱۱۴ (iii) ۱۴۴ تا ۱۴۵ (iv) ۱۶۶ تا ۱۶۹ (v) ۲۰۰ تا ۲۰۴ (vi) ۲۲۹ تا ۲۳۲ (vii) ۲۴۷ تا ۲۵۰

۶۵۔حفاظت دین میں فکر قاسمی (مولانا قاسم نانوتویؒ) کی اہمیت وضرورت:

محمد یونس میو: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: جولائی ۲۰۰۳ء: صفحہ ۲۰ تا ۳۲

۶۶۔حکمت قاسمیہ: قاری محمد طیب قاسمی:

i) مکی دارالکتب 5۔یوسف مارکیٹ غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور: صفحات ۳۷

ii) مکتبہ معارف القرآن دیوبند

(حکیم الاسلام حضرت مولانا قاری محمد طیبؒ کے قلم سے حضرت نانوتویؒ کے علوم ومعارف کا ایک وقیع تعارف)

تعارف وتبصرہ

بقلم ڈاکٹر سعید الرحمٰن: مجلّہ ''الصدق'' لاہور: جنوری تا مارچ ۲۰۰۰ء: صفحہ ۶۰ تا ۶۳

۶۷۔حیات طیب (سوانح حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ):: تالیف لطیف: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ: ناشر: مفتی الٰہی بخش اکیڈمی مولویان کاندہلہ ضلع شاملی (مظفر گڑھ) یوپی۔انڈیا:: طبع اول ۱۲۹۷ھ (تصحیح مطابق طبع اول ۱۲۹۷ھ: نیز عنوانات وحواشی: مولانا نور الحسن راشد کاندھلوی): ربیع الثانی ۱۴۳۵ھ: صفحات ۱۲۷

(پاکستان میں اس کتاب کی اشاعت اس نام سے ہوئی:: ''سوانح عمری مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ: مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ: مکتبہ رشیدیہ لمیٹڈ، ۳۲۔اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور: باراول اکتوبر ۱۹۷۵ء: صفحات ۲۲

۶۸۔حیات نانوتویؒ کے روشن عناوین: مولانا اشتیاق احمد قاسمی: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: شعبان، رمضان ۱۴۳۸ھ/مئی، جون ۲۰۱۷ء: صفحہ ۶۸ تا ۷۵

۶۹۔ختم نبوت اور مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا سرفراز خان صفدر: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: فروری ۱۹۷۴ء: صفحہ ۵۵ تا ۵۸

۷۰۔دیوبند، علی گڑھ اور ہماری نئی نسل (مولانا قاسم نانوتوی اور سر سید احمد خان): فضل مقیم خان: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: فروری ۱۹۷۰ء: صفحہ ۲۲ تا ۲۳

۷۱۔دفاع اسلام میں حضرت نانوتویؒ کا عقلی استدلال: مولانا محمد تبریز عالم حلیمی

قاسمی: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند:

قسط نمبر ۱: مارچ ۲۰۱۸ء / رجب ۱۴۳۹ھ: صفحہ ۲۷ تا ۳۴

قسط نمبر ۲: اپریل ۲۰۱۸ء / شعبان ۱۴۳۹ھ: صفحہ ۱۹ تا ۲۴

۷۲۔ ڈھول کی آواز: حضرت مولانا کامل الدین رتو کالوی (متوسل و خادم حکیم الامت شاہ اشرف علی تھانویؒ): گلشن کاملیہ مرکز اہلسنّت والجماعت رتو کالا سرگودھا: اشاعت اول ۱۹۶۸ء، اشاعت ثانی ۲۰۱۹ء: صفحات ۱۷۰

(اس کتاب میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی کتاب ''تحذیر الناس'' پر ایک غلط الزام کا تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے۔ نصف صدی سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے، اس کی کوئی واقعی تردید نہیں ہوسکی۔ مولانا قمر الدین سیالوی صاحب کی کسی نئی تحریر سے ان کی تحذیر الناس کی اس پہلی توثیق کا انکار نہیں کیا جاسکتا)

۷۳۔ سند المحدثین حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ: مولانا مفتی محمد ظفیر الدین صاحبؒ: (مشمولہ: مشاہیر علماء دیوبند منشورہ: اسلامی کتب خانہ علامہ بنوری ٹاؤن کراچی: رجب ۱۴۲۱ھ / اکتوبر ۲۰۰۰ء: صفحہ ۹ تا ۱۰

۷۴۔ سوانح عمری حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: حضرت مولانا محمد یعقوب نانوتویؒ: مکتبہ رشیدیہ، ۳۲۔اے شاہ عالم مارکیٹ لاہور: صفحات ۲۲

تبصرہ: ماہنامہ ''بینات'' کراچی: شعبان ۱۳۹۸ھ

۷۵۔ سوانح قاسمی (۳ جلد): (یعنی سیرت شمس الاسلام الامام الکبیر حضرت مولانا محمد قاسم النانوتوی قدس سرہ): رئیس القلم حضرت مولانا مناظر احسن گیلانی رحمہ اللہ: مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور: صفحات جلد اول: ۶۱۷، جلد دوم: ۵۳۰، جلد سوم ۱۹۸

مقدمہ: حضرت الحاج مولانا قاری محمد طیب رحمہ اللہ: صفحہ ۱ تا ۲۲ (تحریر کردہ: ۱۰؍ جمادی الاولیٰ ۱۳۷۳ھ)

تبصرہ

ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: نومبر ۱۹۸۰ء: صفحہ ۶۶ تا ۶۷ (بقلم: اختر راہی)

۷۶۔ سوانح مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: عبد الصمد صارم: ایم ثناء اللہ خان، ۲۹۔ ریلوے روڈ لاہور: بار دوم ۱۹۶۱ء: صفحات ۴۰

۷۷۔ سیرت بانی دار العلوم (دیوبند) کی حیات وخدمات پر ایک نظر: تحریر: مولانا مناظر احسن گیلانی: ترتیب: محمد عامر قمر: ادارہ مجلس یادگار گیلانی کراچی: صفحات ۱۴۳ پیش لفظ: ڈاکٹر ابو سلمان شاہجہان پوری

تبصرہ: ششماہی ''نقطہ نظر'' اسلام آباد: شمارہ ۹ (اکتوبر ۲۰۰۰ تا مارچ ۲۰۰۱ء): صفحہ ۸۰ تا ۸۳

(یہ کتاب علامہ گیلانیؒ کا وہ مقالہ ہے جو ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند میں ۱۳۶۰ھ/ ۱۳۶۱ھ میں ۶ قسطوں میں شائع ہوا ہے۔اس کے ساتھ بطور تقدیم حضرت مولانا قاری محمد طیب قاسمیؒ کا ایک سوانحی تعارفی مقالہ بھی شامل کیا گیا ہے جس کی اس کی افادیت اور بڑھ گئی ہے۔)

۷۸۔ صداقت اسلام: مولانا احتشام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ:

(حضرت اقدس نانوتوی رحمہ اللہ نے مباحثہ شاہجہان پور کے موقع پر اسلام سے متعلق ایک مختصر اور جامع تقریر فرمائی تھی۔ جو بعد میں ''روئیداد مباحثہ شاہجہان پور'' کے نام سے شائع ہوئی تھی۔ مولانا نے اس تقریر کے مفہوم اور مقصد کو سہل انداز میں مرتب کر دیا ہے): (حوالہ: علماء مظاہر علوم: ج ۲، ص ۱۱۳)

۷۹۔ عشق نبوی اور امام قاسم نانوتوی: مولانا ندیم احمد انصاری: ماہنامہ ''ندائے دار العلوم'' وقف دیوبند: جمادی الاول ۱۴۳۸ھ/ فروری ۲۰۱۷ء

۸۰۔ علم کلام جدید (تعارف، مبادیات، اصولی مباحث، اصول نانوتویؒ کی روشنی میں): مولانا حکیم فخر الاسلام: ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند: اکتوبر ۲۰۱۹ء: صفحہ ۱۳ تا ۱۹

۸۱۔ فلسفہ قاسمی۔ منہج اور اصول::: مولانا محمد ساجد قاسمی ہردوئی: ماہنامہ ''دار العلوم'' دیوبند

قسط نمبر ا: صفر ۱۴۳۹ھ/ اکتوبر ۲۰۱۷ء: صفحہ ۲۵ تا ۳۲

قسط نمبر ۲: ربیع الاول ۱۴۳۹ھ/نومبر ۲۰۱۷ء

۸۲۔قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ: مشمولہ: سید الطائفہ حضرت حاجی امداداللہ مہاجر مکی: اوران کے نامور خلفاء: مولانا سعید الرحمٰن اعظمی ندوی: (مختصر تعارف خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون: از مولانا سید نجم الحسن تھانوی: شعبہ نشر واشاعت مرکز معارف حکیم الامت (بیت اشرف) تھانہ بھون، مظفرنگر یوپی: صفحہ ۱۲ تا ۱۸

۸۳۔قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ: مشمولہ ”استاذ الکل مولانا مملوک علی نونوتوی ؒ“: نورالحسن راشد کاندہلوی: حضرت مفتی الٰہی بخش اکیڈمی کاندہلہ ضلع مظفر نگر: باراول: مارچ ۲۰۰۹ء: ربیع الاول ۱۴۳۰ھ: صفحہ ۴۵۱ تا ۴۸۰

۸۴۔قاسم العلوم حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ۔احوال و آثاروباقیات و متعلقات: مولانا نورالحسن راشد کاندہلوی:

i) مکتبہ نور محلّہ مولویاں کاندہلہ مظفر نگر یوپی (انڈیا): طبع اول: رمضان ۱۴۲۱ھ/ستمبر ۲۰۰۰ء:: صفحات ۷۷۵.... ii) مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور (یہ تحقیقاتی مجموعہ حضرت اقدس نانوتوی ؒ کے احوال آثار اور انکے علمی و دینی مآثر اور اسکے متعلقات پر مشتمل ہے۔اس میں آپ کے مکتوبات اور علوم وافادات کو بھرپور طور پر جمع کیا گیا ہے۔ہندوستان کے نامور علماء اہل قلم اور ممتاز رسائل ومجلّات نے اس پر اپنے وقیع تبصرے کئے ہیں) تبصرہ: ماہنامہ ”دارالعلوم“ دیوبند: جولائی ۲۰۰۱ء: صفحہ ۵۳ تا ۵۵

۸۵۔قاسم العلوم والخیرات (سوانح مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ): حضرت سید نفیس الحسینی صاحب ؒ: سید احمد شہید اکیڈمی لاہور: ۲۰۰۳ء: صفحات ۹۷

۸۶۔متکلم اسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ: مولانا خالد سیف اللہ رحمانی:: مشمولہ ”وہ جو بیچتے تھے دوائے دل“: دارالنعیم اردو بازار لاہور: مئی ۲۰۱۵ء: صفحہ ۲۱ تا ۵۱

۸۷۔مجاہد آزادی بانی دارالعلوم دیوبند حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ: فاروق

اردگلی: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند: ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ/ستمبر ۲۰۱۴ء: صفحہ ۳۲ تا ۴۱

۸۸۔ مسابقۃ الامام محمد قاسم النانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ (عربی) الدورۃ الاولیٰ: (۱۴۔۱۴۔۲۰۱۳ء/ ۳۶۔۱۴۳۵ھ) مجمع حجۃ الاسلام الجامعۃ الاسلامیہ دارالعلوم وقف دیوبند: صفحات ۲۱۶

یہ کتاب تین مقالات پر مشتمل ہے:

i) الامام محمد قاسم نانوتوی ومصنفاتہ۔ دراسۃ وتقویم..... رفیع محمود

ii) امام محمد قاسم نانوتوی ومصنفاتہ۔ دراسۃ وتقویم....... محمد حماد الکریمی الندوی

iii) الامام محمد قاسم نانوتوی والردعلیٰ الطوائف الضالۃ فی الہند... محمد عاصم کمال الاعظمی

۸۹۔ مسائل کلامیہ کے باب میں مصنفات امام نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ۔ استفادہ کا منہاج: ڈاکٹر مولانا فخر الاسلام مظاہری علیگ (ایم ڈی میڈیسن)، پروفیسر احمد غریب (یونانی میڈیکل کالج کل کوا)

i) ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند:

قسط نمبر ۱: جولائی، اگست ۲۰۱۳ء/ رمضان، شوال ۱۴۳۴ھ

قسط نمبر ۲: اگست، ستمبر ۲۰۱۴ء/ شوال، ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ

ii) ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند

قسط نمبر ۱: ربیع الاول ۱۴۳۶ھ/ جنوری ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۲ ربیع الثانی ۱۴۳۶ھ/ فروری ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۳: جمادی الاول ۱۴۳۶ھ/ مارچ ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۴: جمادی الثانی ۱۴۳۶ھ/ اپریل ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۵: رجب ۱۴۳۶ھ/ مئی ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۶: شعبان ۱۴۳۶ھ/ جون ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۷: رمضان ۱۴۳۶ھ/ جولائی ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۸: شوال ۱۴۳۶ھ/ اگست ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۹: ذوالقعدہ ۱۴۳۶ھ/ ستمبر ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۱۰: ذی الحجہ ۱۴۳۶ھ/ اکتوبر ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۱۱: محرم ۱۴۳۷ھ/ نومبر ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۱۲: صفر ۱۴۳۷ھ/ دسمبر ۲۰۱۵ء

قسط نمبر ۱۳: ربیع الاول ۱۴۳۷ھ/ جنوری ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۱۴: ربیع الثانی ۱۴۳۷ھ/ فروری ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۱۵: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۷ھ/ مارچ ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۱۶: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۷ھ/ اپریل ۲۰۱۶ھء

قسط نمبر ۱۷: رجب، شعبان ۱۴۳۷ھ/ مئی، جون ۲۰۱۶ء

قسط نمبر ۱۸: جولائی، اگست ۲۰۱۶ء/ رمضان، شوال ۱۴۳۷ھ

قسط نمبر ۱۹: ستمبر ۲۰۱۶ء/ ذیقعدہ ۱۴۳۷ھ

قسط نمبر ۲۰: اکتوبر ۱۴۳۷ھ/ ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ

قسط نمبر ۲۱: نومبر ۱۴۳۷ھ/ محرم ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۲: نومبر، دسمبر ۲۰۱۶ء/ صفر، ربیع الاول ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۳: جنوری ۲۰۱۷ء/ ربیع الثانی ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۴: فروری ۲۰۱۷ء/ جمادی الاولیٰ ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۵: مارچ ۲۰۱۷ء/ جمادی الاخریٰ ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۶: اپریل ۲۰۱۷ء/ رجب ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۷: جولائی، اگست ۲۰۱۷ء/ شوال، ذیقعدہ ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۸: ستمبر ۲۰۱۷ء/ ذی الحجہ ۱۴۳۸ھ

قسط نمبر ۲۹: اکتوبر ۲۰۱۷ء/ محرم ۱۴۳۹ھ

قسط نمبر ۳۰: نومبر ۲۰۱۷ء/صفر ۱۴۳۹ھ

قسط نمبر ۳۱: (آخری قسط) فروری ۲۰۱۸ء/ جمادی الاول ۱۴۳۹ھ

قسط نمبر ۲۲: نومبر، دسمبر ۲۰۱۶

ii) ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند: ذیقعدہ ۱۴۳۵ھ/ستمبر ۲۰۱۴ء :صفحہ ۲۳ تا ۳۱ توی کی استدلالی فکر: مولانا عبدالحفیظ رحمانی: قسط نمبر ۱: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: اگست ۲۰۰۲ء: صفحہ ۲۱ تا ۲ علوم'' دیوبند: ستمبر تا دسمبر ۲۰۰۲ء: صفحہ ۱۲۵ تا ۱۳۱

قاسم نانوتویؒ اور تفسیر قرآن۔ایک تحقیقی جائزہ:: مقالہ نگار: سعید احمد: نگران تحقیق: ڈاکٹر حافظ عبداللہ: شیخ زید اسلامی سنٹر، یونیورسٹی آف پنجاب، قائد اعظم کیمپس لاہور: ۲۰۰۱ء

معارف قاسمیہ: مولانا جمیل الرحمٰن پرتاب گڑھی: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: مئی ۱۹۸۶ء: صفحہ ۲۶ تا ۳۱

۹۰۔ مسئلہ وحدت الوجود اور ترجمان الحقائق حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم نانوتوی قدس سرہ: علامہ قاضی فضل اللہ ایڈوکیٹ شمالہ امریکہ: پیشکش: منظور الحق قاسمی: صفحات ۱۷

۹۱۔ معارف قاسمیہ: مولانا اختر امام عادل: ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند:

قسط نمبر ۱: ستمبر ۱۹۸۸ء: صفحہ ۲۴ تا ۲۸　قسط نمبر ۲: اکتوبر ۱۹۸۸ء: صفحہ ۱۵ تا ۲۳

قسط نمبر ۳: نومبر ۱۹۸۸ء: صفحہ ۳۴ تا ۴۳

۹۲۔ معرکہ شاملی اور حضرت نانوتویؒ: مولانا سیف الرحمٰن ندوی: ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند

قسط نمبر ۱: جمادی الاولیٰ ۱۴۳۹ھ/فروری ۲۰۱۸ء　قسط نمبر ۲: جمادی الاخریٰ ۱۴۳۹ھ/ مارچ ۲۰۱۸ء

92.Molana Muhammad Qasim Nanautvi's Contribution to Islamic Thought with Special Reference to Al-Kalam:(Thesis for Ph.D in Islamic Studies:by Mohammad Azam

Qasmi(Department of Islamic Studies Aligarh Muslim University of Aligarh (India):1988:pages270

۹۳۔منہاج علم وفکر۔فکر نانوتویؒ اور جدید چیلنجز:مولانا فخر الاسلام مظاہری الہ آبادی (پروفیسر جامعہ طبیہ دیوبند): حجۃ الاسلام اکیڈمی دارالعلوم وقف دیوبند::طبع اولیٰ ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء:صفحات ۳۴۱

یہ ان مضامین کا مجموعہ ہے جو ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف دیوبند میں بالاقساط شائع ہوتے رہے ہیں۔یہ درج ذیل ابواب پر مشتمل ہے:

پہلا باب:فکر دیوبند		دوسرا باب: تصانیف امام قاسم نانوتویؒ

تیسرا باب: تدوین علم کلام جدید پر ایک بحث

چوتھا باب: مدون اول۔الام محمد قاسم نانوتوی

پانچواں باب: تقابلی مطالعہ		چھٹا باب:عصر حاضر کے افکار اوران کا پس منظر

ساتواں باب:الامام محمد قاسم نانوتویؒ کے مبازر۔بعض جدید فلاسفر،سائنس اور علوم جدیدہ کے ماہرین

آٹھواں باب: سائنس دانوں اور جدید فلاسفہ کا طریق تحقیق

نواں باب:حضرت الامام نانوتویؒ کا منہج استدلال		دسواں باب: جدید چیلنج

۹۴۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:مشمولہ ''تاریخ دارالعلوم دیوبند (جلد اول)'':سید محبوب رضوی:ادارہ اہتمام دارالعلوم دیوبند:طبع اول ۱۹۹۲ء:۱۰۲تا۱۰۸

۹۵۔مولانا قاسم نانوتوی :مشمولہ ''شخصیات کا انسائیکلو پیڈیا'':مقصود ایاز،محمد ناصر:شعاع ادب چوک انارکلی مسلم مسجد لاہور۸ بار اول ۱۹۸۷ء:صفحہ ۵۵۰

۹۶۔مولانا (محمد قاسم) نانوتویؒ اور علم الکلام (اداریہ):عتیق الرحمٰن عثمانی :ماہنامہ ''برہان'' دہلی:نومبر ۱۹۴۳ء:صفحہ ۲ تا ۴

۹۷۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ:مشمولہ ''تذکرۂ اکابر'':مولانا نظام الدین قاسمی

:جامعہ اسلامیہ اشاعت العلوم اکل کوا ضلع نندوربار، مہاراشٹر (انڈیا): دوسرا ایڈیشن ستمبر ۲۰۱۲ء:: صفحہ ۷۸ تا ۸۰

۹۸۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی ؒ: مولانا عتیق احمد بستوی: ماہنامہ ''الفاروق'' کراچی: صفر ۱۴۲۶ھ .... ۹۹۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مولانا قاری محمد طیبؒ :ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: نومبر ۱۹۶۶ء: صفحہ ۲۰

۱۰۰۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: محمد ایوب قادری :ماہنامہ ''الرحیم'' حیدرآباد: جلد ۳، شمارہ ۷: صفحہ ۴۰۵ تا ۴۱۶................۱۰۱۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: عبدالوحید صدیقی: ماہنامہ ''الرحیم'' حیدرآباد: جلد ۱، شمارہ ۹، صفحہ ۴۴ تا ۵۷ (مشمولہ: مقالات وحید: خالد ندیم پبلی کیشنز: ۱۹۷۱ء: صفحہ ۵۷ تا ۷۵)

۱۰۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی: انظر شاہ مسعودی: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: اپریل ۲۰۰۱ء: صفحہ ۱۴ تا ۱۵................۱۰۳۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: سلیم بہادر ملکانوی: ماہنامہ ''القاسم'' نوشہرہ: اگست ۲۰۰۴ء: صفحہ ۳۱ تا ۳۴

۱۰۴۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (ملفوظات اشرفیہ کی روشنی میں): احمد سعید ایم اے: ماہنامہ ''البلاغ'' کراچی: شعبان ۱۳۸۷ھ/ نومبر ۱۹۶۷ء: صفحہ ۲۷ تا ۳۰

۱۰۵۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ آثار و افکار: مقالہ نگار :وکیل احمد: نگران تحقیق: ڈاکٹر حافظ منیر احمد خان: شعبہ تقابل ادیان واسلامک کلچر یونیورسٹی آف سندھ جام شورو، حیدرآباد: صفحات ۳۳۰: سن تکمیل ۲۰۱۲ء

۱۰۶۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اوران کا نظریہ تعلیم: مفتی امانت علی قاسمی:

i) ماہنامہ ''دارالعلوم'' دیوبند: ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ/ اگست 2018

ii) ماہنامہ ''ندائے دارالعلوم'' وقف، دیوبند

قسط نمبر ۱: محرم ۱۴۴۰ھ/ اکتوبر ۲۰۱۸ء

قسط نمبر ۲: صفر، ربیع الاول ۱۴۴۰ھ/ نومبر، دسمبر ۲۰۱۸ء

۱۰۷۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ اور حکمت قاسمیہ :ترتیب :مولانا مدثر جمال تونسوی: دارالبصائر بہاولپور

۱۰۸۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ایک زندہ جاوید شخصیت:مولانا قاری محمد طیبؒ :ماہنامہ ''الحق''اکوڑہ خٹک:اپریل ۱۹۷۵ء:صفحہ ۴۲ تا ۴۶

۱۰۹۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔ایک عہد ساز شخصیت:مولانا فریدالدین مسعود :ماہنامہ ''دارالعلوم''دیوبند: جولائی،اگست ۲۰۰۰ء:صفحہ ۸۱ تا ۸۴

۱۱۰۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ۔حدیثی و فقہی خدمات:مولانا خالد سیف اللہ رحمانی: :مشمولہ''وہ جو بیچتے تھے دوائے دل'':دارالنعیم اردو بازار لاہور: مئی ۲۰۱۵ء:صفحہ ۵۲ تا ۶۱

111.Molana Mohammad Qasim Nanautvi's Contribution to Islamic Thought with Special Reference to Al-Kalam:(Thesis submitted for The Degree of Doctor of Philosophy in Islamic Studies) :by Mohammad Azam Qasmi Lecturer:Department of Islamic Studies Aligarh Muslim University:Aligarh (India) Pages:270

۱۱۲۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا مرتبہ:ملک منیر احمد :ماہنامہ'' الفاروق'' کراچی:ذیقعدہ ۱۴۲۷ھ:صفحہ ۱۶

۱۱۳۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی دینی و علمی خدمات کا تحقیقی مطالعہ(مقالہ برائے پی ایچ ڈی)از:مولانا محمد اسعد تھانوی:نگران:پروفیسر ڈاکٹر عبدالرشید شعبہ القرآن والسنۃ کلیہ معارف اسلامیہ جامعہ کراچی:صفحات ۳۱۱: ۳۰ستمبر ۲۰۰۵ء

۱۱۴۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی نثر نگاری۔تحقیقی جائزہ:محمد فرمان علی(ایم فل سکالر:شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان)،محمد ادریس لودھی

(پروفیسر شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان): مجلّہ ''علوم اسلامیہ'': اسلامیہ یونیورسٹی بہاولپور: شمارہ نمبر ۲۴: صفحہ ۱۰۶ تا ۱۲۳

۱۱۵۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے تعلیمی تصورات: ڈاکٹر ایم نسیم اعظمی: عدیلہ پبلی کیشنز: ڈومن پورہ (کساری) مئوناتھ بھنجن (یوپی): ۲۰۰۸ء: صفحات ۱۸۴

تاثرات: جناب مولانا زین العابدین الاعظمی صاحب، جناب مولانا عبداللہ معروفی صاحب، جناب مولانا نعمت اللہ صاحب،

۱۱۶۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم ومعارف (بروایت حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی)::مرتبہ: محمد اقبال قریشی: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک

قسط نمبر ۱: جمادی الثانی ۱۳۹۰ھ/ اگست ۱۹۷۰ء: صفحہ ۲۷ تا ۳۸

قسط نمبر ۲: ذی الحجہ ۱۳۹۰ھ/ فروری ۱۹۷۱ء: صفحہ ۵۱ تا ۵۷

۱۱۷۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ ۔مشائخ کی نظر میں: نعمان محمد امین: ماہنامہ ''بینات'' کراچی

قسط نمبر ۱: ذوالقعدہ ۱۴۳۷ھ/ ستمبر ۲۰۱۶ء: صفحہ ۴۷ تا ۵۱

قسط نمبر ۲: ذی الحجہ ۱۴۳۷ھ/ اکتوبر ۲۰۱۶ء: صفحہ ۴۵ تا ۵۰

۱۱۸۔مولانا (محمد قاسم) نانوتویؒ اور علم کلام (اداریہ): مولانا عتیق الرحمٰن :: ماہنامہ ''البرہان'' دہلی: نومبر ۱۹۴۳ء: صفحہ ۲ تا ۴

۱۱۹۔مولانا محمد قاسم نانوتوی۔حیات اور کارنامے: مولانا اسیر ادروی: شیخ الہند اکیڈمی دارالعلوم دیوبند: ۲۰۱۲ء/ ۱۴۳۳ء

۱۲۰۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کی عارفانہ شان: (مکتوب: قاری محمد طیب بنام عبد الاحد): ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: مئی ۱۹۶۷ء: صفحہ ۱۱ تا ۱۴

۱۲۱۔مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے علوم و معارف: (ملفوظات بروایت حضرت تھانویؒ): ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک

قسط نمبر ۱: اگست ۱۹۷۰ء: صفحہ ۲۷ تا ۳۸ قسط نمبر ۲: ستمبر ۱۹۷۰ء: صفحہ ۲۶ تا ۳۳

قسط نمبر ۳: اکتوبر ۱۹۷۰ء: صفحہ ۴۲ تا ۴۵ قسط نمبر ۴: دسمبر ۱۹۷۰ء: صفحہ ۳۱ تا ۳۴

قسط نمبر ۵: فروری ۱۹۷۱ء: صفحہ ۵۱ تا ۵۷

۱۲۲۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: مشمولہ ''بیس بڑے مسلمان'': عبدالرشید ارشد: مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔ لوئر مال لاہور: گیارہواں ایڈیشن: رجب ۱۴۲۷ھ/ جولائی ۲۰۰۶ء: بعنوان:

i) سوادِ تحریر: صفحہ ۱۱۲ تا ۱۱۳

ii) حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ: عبدالرشید ارشد صفحہ ۱۱۴ تا ۱۲۳

iii) تاریخ قیام دارالعلوم دیوبند: عبدالرشید ارشد: صفحہ ۱۲۳ تا ۱۳۵

iv) عشق محمدی ﷺ پر چند واقعات: صفحات ۱۳۵

v) تاریخ ہائے وفات: صفحہ ۱۴۲ تا ۱۴۳

۱۲۳۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (نظم): اسرار الرحمٰن: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: دسمبر ۱۹۷۵ء: صفحہ ۴۳ تا ۴۴

۱۲۴۔ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کا نظریہ تعلیم: شمس تبریز خان:: ماہنامہ ''الحق'' اکوڑہ خٹک: اپریل ۱۹۸۹ء: صفحہ ۵۵ تا ۵۹

۱۲۵۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ اور سر سید احمد خان: منہاجیات کا تقابلی جائزہ: مقالہ نگار: خلیل احمد: نگران تحقیق: ڈاکٹر ساجد علی: شعبہ فلسفہ، پنجاب یونیورسٹی لاہور: سن تکمیل ۲۰۰۰ء

۱۲۶۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ: مشمولہ تاریخ ادبیات مسلمانان پاکستان و ہند (جلد دوم: عربی ادب) مدیران: سید فیاض محمود، پروفیسر عبد القیوم): پنجاب یونیورسٹی لاہور: طبع اول ۱۹۷۲ء: صفحہ ۴۱۶

۱۲۷۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ پر مرزائیوں کا بہتان: مولانا محمد ادریس کاندھلوی ؒ: لاہور: ۱۳۷۱ھ (۱۹۵۳ء میں قادیانیوں نے بعض اکابر علماء اور حضرت اقدس

نانوتویؒ وغیرہ پر یہ اتہام لگایا کہ وہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی ظلی اور بروزی نبوت کے قائل ہیں مولانا نے اس الزام کا تفصیلی جواب اس کتاب میں دیا ہے)

۱۲۸۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ سرسید کی نظر میں: سید محبوب رضوی: ماہنامہ "برہان" دہلی: اگست ۱۹۴۶ء: صفحہ ۵۶ تا ۵۹

۱۲۹۔ مولانا نوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کا عقیدہ ختم نبوت: احمد قادری: مکتبہ رضوان محلّہ عثمان آباد چکوال ضلع جہلم: صفحات ۴۸

۱۳۰۔ مولانا نانوتوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی فکری بصیرت اور دور حاضر میں اس کی معنویت: الاستاد ندیم الواجدی: دار الکتاب دیوبند۔

۱۳۱۔ مولانا نانوتویؒ کے کارنامے (انٹرویو: مولانا قاری محمد طیب از مولانا سمیع الحق): ماہنامہ "الحق" اکوڑہ خٹک:

قسط نمبر ۱: جنوری ۱۹۶۹ء: صفحہ ۶ تا ۱۷ قسط نمبر ۲: فروری ۱۹۶۹ء: صفحہ ۷ تا ۱۷

۱۳۲۔ نگارشات اکابر۔ بتذکرہ جواہر معارف: ترتیب: محمد نعمان ارشدی: حجۃ الاسلام اکیڈمی دار العلوم وقف دیوبند: طبع اولیٰ ۱۴۳۹ھ/۲۰۱۸ء: صفحات ۷۸۴

۱۳۵۔ ہندو پنڈتوں کے ساتھ مولانا محمد قاسم نانوتویؒ کے مکالمات، منہج کا علمی و تحقیقی جائزہ: مقالہ نگار: محمد فرمان علی: نگران کار: ڈاکٹر محمد ادریس لودھی: شعبہ علوم اسلامیہ بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی ملتان: سیشن ۲۰۱۲ء تا ۲۰۱۴ء

(قاری بشیر حسین صاحب مدظلہ کا تحقیقی و تفصیلی مضمون مکمل ہوا)

تاریخی حقائق

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی زندگی کے بعض گوشے

از: مولانا مفتی ظفیر الدین صاحب رحمہ اللہ (مرتب فتاویٰ دارالعلوم دیوبند)

اتباع شریعت

حضرت مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مثالی زندگی ہے:...ایک دین دار مسلمان کے لئے سبق ہی سبق ہے لکھا ہے کہ حضرت والا پڑھ کر جب گھر آئے:....

''املاک کا جائزہ لیا اور تمام املاک کو مشتبہ اور بعض کو مغصوبہ پایا اور والد کو بہت سمجھایا کہ یہ کمائی ناجائز اور مشتبہ ہے.... قیامت کے مواخذہ کا تقاضا ہے کہ حقیقی حقداروں تک ان کے حصے پہنچائے جائیں....(سوانح قاسمی ج۱ صفحہ ۴۹۶)....''

کیا اب بھی مسلمانوں میں یہ جذبہ باقی رہا؟ جائیداد کا جائزہ لینا....پھر جس کے حقوق پہنچتے ہوں....ان کو دینا اس زمانے میں اس کا کس کو اہتمام ہوتا ہے؟ اتنی کھود کرید کون کرتا ہے؟ ہاں اگر اپنا حصہ کہیں نکلتا ہوگا تب تو ضرور دوڑ دھوپ کریں گے....مگر جہاں دینے کا سوال ہے....غالباً دل میں خیال پیدا ہونے کے باوجود عملی طور پر کچھ کرنے سے کترائیں گے....اور الٹی سیدھی کچھ تاویلیں کر لیں گے....حضرت نانوتوی نے صرف سمجھایا ہی نہیں....یعنی ایک دو دفعہ کہہ کر چھوڑ ہی نہیں دیا بلکہ لکھا ہے:....''ان زمینوں کے غلے میں احتیاط شروع فرمائی.... مفصل فرائض نکلوائے....اور اوپر کی بعیدی پشتوں کے حقوق اور حصے دلوائے....(سوانح قاسمی ج۱ صفحہ ۴۹۶)....''

آج نوافل کی کثرت آسان ہے....صوم داری سہل ہے اوراد و وظائف بھی کچھ مشکل نہیں....مگر جہاں تک معاملات کی اس زندگی کا تعلق ہے....ہر شخص کے بس کی بات نہیں....یہی وجہ ہے کہ سب کچھ ہونے کے باوجود سوز و گداز....خدا ترسی اور فرض شناسی کا عام طور پر فقدان ہے....جس غذا سے خون تیار ہوتا ہے....جسم کی پرورش ہوتی ہے....اور گوشت و پوست بنتا ہے....دراصل سب سے پہلے اسی کے پاک کرنے کی فکر ہونی چاہئے....تا کہ جسم میں صالح خون پیدا ہو....

حلال غذاء سے جو جسم پرورش پائے گا....قدرتاً اس میں ناجائز امور کی رغبت نہیں پیدا ہو سکتی ہے....بلکہ اخلاق حسنہ....عادات فاضلہ....اور کمالات فائقہ پیدا ہوں گے عبادات الٰہی کا جذبہ ابھرے گا....اور انسان مومن کامل بن سکے گا....کاش ارباب فضل و کمال اس رمز کو سمجھتے....اور اس طرف عملی قدم اٹھاتے....

حضرت نانوتوی کی جب شادی ہوئی....آپ کی اہلیہ محترمہ اور رفیقہ حیات کا بیان ہے:....''مجھ سے شادی کے اگلے ہی دن حضرت نے فرما دیا تھا کہ ''میں نے نکاح صرف اپنی والدہ کی راحت کے لئے کیا ہے....(ایضاً صفحہ نمبر ۵۰۲)....''

اور یہ صرف قول ہی کی حد تک نہیں رہا....بلکہ جب تک والدہ زندہ رہیں....دونوں میاں بیوی نے والدین کی ایسی خدمت کی جس کی مثال ملنی مشکل ہے....آہ اب یہ جذبہ کہاں رہا؟ اب تو دین دار مسلمان کا بھی حال یہ ہے کہ خود میاں بیوی آرام کریں گے اور بوڑھے ماں....باپ کو بھول جائیں گے....الا ماشاء اللہ....اب تو ہمارے نوجوان طلبہ علوم دین بھی ماں کی خدمت میں وہ سرگرمی نہیں دکھاتے....جوان کو دکھانا چاہئے....ممکن ہے خادمہ رکھ دیں مگر خود وہ یا ان کی بیوی یہ خدمت انجام دے....تقریباً ناممکن ہے....

اہلیہ کی تربیت

حضرت نانوتوی نے اپنی رفیقہ حیات کو ایسی تعلیم دی تھی کہ وہ سراپا اطاعت بن گئی تھیں....ایک رئیس گھرانے کی لڑکی تھیں....چند ہی سال حضرت کے ساتھ رہنے کا یہ اثر

ہوا کہ اپنے شوہر کی جاں نثار خادمہ بن گئیں.... حضرت نانوتوی کا ایک زمانہ میں یہ دستور تھا کہ سوتے وقت گائے کا دودھ استعمال کرتے.... عشاء کے بعد جونہی حضرت تشریف لاتے.... آپکی اہلیہ محترمہ دودھ کا پیالہ لے کر پہنچ جاتی تھیں خفگی کا اظہار مقصود ہوتا.... تو اس کی صورت یہ ہوتی کہ گھر میں آتے ہی نفل شروع کر دیتے.... دودھ کا انتظار نہ کرتے.... رفیقہ حیات آتیں.... اور پیالہ لے کر کھڑی ہو جاتیں.... اسی سلسلہ میں آپ کی اہلیہ محترمہ کا بیان ہے کہ کبھی کبھی ایسا ہوتا کہ حضرت نے نوافل میں پوری شب گزار دی.... اور میں بھی پوری شب پیالہ لئے کھڑی کی کھڑی رہ گئی.... (سوانح قاسمی)

اللہ اکبر یہ فرمانبرداری اور تعلیم نبویؐ پر ایسا عمل.... اب کون بیوی ہے جو شوہر کی اتنی خدمت کر سکے گی.... اب تو شوہر کے خفا ہونے سے پہلے بیویاں ہی خفا ہو جاتی ہیں اور ماشاء اللہ شوہر صاحب بھی ایسے ہوتے ہیں کہ وہ بیوی کی تربیت کریں گے.... خود شاگرد رشید بن جاتے ہیں اور بیوی کو بنانے کی بجائے خود کو بگاڑ لینا فخر سمجھتے ہیں....

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تربیت ہی کا نتیجہ تھا کہ آپ کی اہلیہ محترمہ میں خدا کی عبادت کا ذوق اس درجہ کا پیدا ہو گیا تھا کہ آج اس کا تصور بھی مشکل ہے.... آپ کی اہلیہ کے متعلق لکھا ہے:.... ''اذان کی **حی علی الصلوٰۃ** پر کام چھوڑ کر اس طرح اٹھ جاتی تھیں.... کہ گویا اس کام سے کبھی کوئی واسطہ ہی نہ تھا.... بالکل ہر چیز سے بیگانہ بن جاتیں.... (سوانح قاسمی ج ا صفحہ ۵۱۸)''....

اب ایسے شوہر کہاں رہے.... اور ایسی رفیقہ حیات کہاں نظر آتی ہیں کہ جن میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کا یہ ذوق باقی ہو.... یہ عملی تفسیر تھی آیت پاک ''**قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا**'' کی.... شوہر چاہے جتنے بھی اچھے ہوں.... مگر عموماً بیویاں عبادت کے ذوق سے عاری ہوتی ہیں.... آجکل شوہر اپنا فریضہ بھی نہیں سمجھتے کہ ان کے دلوں میں ذوق عبادت پیدا کریں.... کاش موجودہ دور کے مسلمان اس واقعہ کو پڑھ کر سبق حاصل کرتے تاکہ ان کی اولاد میں دین کی طرف سے آزادی دیکھنے میں نہ آتی....

حضرت نانوتوی ہی کی تعلیم کا یہ اثر تھا کہ آپ کی رفیقہ حیات فرائض.... واجبات اور نوافل کے دوامی التزام کے ساتھ ساتھ یہ بھی کرتیں کہ:....

''بعد نماز صبح سر پر اور منہ پر اپنا دوپٹہ ڈال کر ہلکی ضرب سے ذکر کیا کرتی تھیں.... آندھی ہو.... مینہ ہو سردی ہو.... گرمی ہو.... اس میں بال برابر فرق نہیں آتا تھا....(سوانح قاسمی)

آہ اب ہماری عورتوں میں یہ ذوق کہاں رہا؟ فرائض ہی ادا کرلیں تو غنیمت ہے.... شوہر کو بھی ان کی کوئی فکر نہیں.... اپنی حد تک کافی سمجھتے ہیں.... بیوی دین دار ہو.... نہ ہو.... کوئی پرواہ نہیں.... نماز پڑھے نہ پڑھے.... کوئی خبر نہیں.... اور ذوق عبادت اس میں ہو نہ ہو.... وہ جانے.... پھر اگر اچھی اولاد کی کوئی توقع کرے تو اس کی یہ توقع کیسی ہوگی.... آپ خود سمجھ سکتے ہیں....

حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کی اہلیہ محترمہ کو حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سننے کا بڑا شوق تھا.... حضرت مولانا محمد طیب صاحب مدظلہ آپ کے بڑے پوتے تھے.... انہوں نے جب حدیث شریف شروع کی تو ان سے حدیث پڑھوا کر سنتی تھیں اور اس کا اثر یہ ہوتا تھا کہ مولانا مدظلہ کا بیان ہے:.... ''سبق پڑھ کر گھر آتا.... اور سبق کی تقریر دادی صاحبہ کو سنایا کرتا تھا.... جب تک میں تقریر کرتا رہتا ان کی آنکھوں سے آنسو مسلسل جاری رہتے....'' (سوانح قاسمی ج ا صفحہ نمبر ۵۱۹)

اب یہ سوز و گداز کہاں باقی رہا.... اب سب کے دل سخت ہو گئے.... عورتوں میں بھی دینی ذوق مردہ ہوتا جا رہا ہے.... مگر اس کی کس کو فکر.... اب تو ذرا فیشن ایبل بیوی ہونی چاہئے.... اور بس.... ہمارے نوجوان فضلا اب ایسی تربیت کہاں کرتے ہیں.... اب تو یہ بھی دنیا کے قصے سنایا کرتے ہیں.... جس کے باعث ذوق عبادت بڑھنے کے بجائے کم ہوتے ہیں.... الا ماشاءاللہ....

شرم وحیا

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کو اللہ تعالیٰ نے بڑا باحیا بنایا تھا.... تہجد کے زندگی بھر

پابندرہے....جب شادی ہوئی تو بھی اس میں فرق نہ آنے پایا....

مگر حیا کا یہ عالم تھا کہ ''حضرت کو نہانے کی شب میں جب ضرورت ہوتی تو مسجد میں پانی گرم ہوتا....مگر حیا کی وجہ سے ہمت نہیں کرتے کہ کسی کو خبر نہ ہوجائے.... شرم کے سبب تالاب میں جا کر نہاتے....(ایضاً ''صفحہ ۵۲۴)''

الحیاء شعبة من الایمان کی عملی تفسیر آپ نے دیکھ لی....اب تو مسلمان بلکہ نوجوانوں کا طبقہ اپنی مجلسوں میں ایسی ایسی پردہ کی باتیں کرتے بھی نہیں شرماتا.... جن کا افشاں پسندیدہ نہیں ہے....بلکہ اس سے روکا گیا ہے....جو غریب مولوی ایسا ہے اس کو بیوقوف....بدھو....اور نہ معلوم کیا سمجھنے لگتے ہیں دنیا کہاں سے کہاں پہنچی؟ کاش لوگ سوچتے....اور کوئی بات سمجھ میں آتی تو عمل کرتے....

اہتمام میں احتیاط

دارالعلوم سے آپ کا تعلق ہوا....تو احتیاط کا یہ عالم تھا....کہ سوانح مخطوطہ کے مصنف لکھتے ہیں اور اپنی آنکھ دیکھی چیز لکھتے ہیں:....''یہ سب کو معلوم ہے کہ مدرسہ اسلامی دیوبند آپ کا ہی ساختہ پرداختہ ہے اور کیا کچھ....اس کا کارخانہ کہ چھوٹی سی سرکار....مگر ہرگز کبھی اس کی کسی چیز سے نفع نہیں اٹھایا....''(سوانح قاسمی صفحہ ۵۳۶)

کیا اب بھی یہ احتیاط ہمارے دینی مدارس کے ارباب فضل وکمال میں باقی ہے؟ اب تو ہر جگہ مدرسہ والے اس کو اپنی جائیداد تصور کرنے لگے ہیں....اگر نفع نہ ہو تو پھر ان کو کوئی مزہ ہی نہیں آتا....بیسیوں بہانے سے استفادہ کرتے ہیں....یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ سب ایسے ہی ہیں....بلکہ کہنا یہ ہے کہ ہمارے اس زمانہ میں اب اس طرح احتیاط کا رواج باقی نہیں رہا....حضرت نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ کا یہ عالم تھا کہ:....''اوائل میں اہل شوریٰ نے درخواست کی....کہ آپ بھی مدرسہ کی مدرسی قبول کرلیں....اوراس کے عوض کسی قدر تنخواہ....مگر قبول نہ فرمایا اور کبھی کسی طور پر یا ڈھنگ سے ایک حبہ تک کے مدرسہ سے روادار نہ ہوئے....حالانکہ رات دن مدرسہ کی خوش

اسلوبی میں مصروف رہتے اور تعلیم میں مشغول....ایضا...."

اللہ اکبر یہ تھا احتیاط اور حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم "**اتقوا مواضع التھم**" پر عمل....اب تو دنیا بدلتی جارہی ہے....کوئی مدرسہ قائم کرتا ہے اور منشاء یہ ہوتا ہے کہ خود مدرس اول بن جائیں ناظم ہو جائیں....اور اس طرح اپنا ایک مرکز بنالیں....اسلاف کی یہ سنت کہاں باقی نظر آتی ہیں؟ اخلاص کے ساتھ بغیر لالچ کام کرنے والوں کا قحط ہے....اب تو بات یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ لوگ صرف زبانی مشورہ کا بھی کرایہ وصول کرنے لگے ہیں....اور پھر بھی احسان کا بار معاف نہیں کرتے....علمائے کرام کے لئے حضرت نانوتویؒ کی اس عملی زندگی میں بڑا سبق ہے....صدیق اکبر سے نسلی تعلق کا حق ادا کر گئے....اس سے بڑھ کر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی احتیاط کا یہ حال ہے:...."اگر کبھی بہ ضرورت مدرسہ کے دوات وقلم سے کوئی اپنا خط لکھ لیتے....تو فوراً ایک آنہ مدرسہ کے خزانہ میں داخل کر دیتے....(سوانح قاسمی)

اور یہی نہیں اسی کے ساتھ یہ بھی فرماتے:...."بیت المال کی دولت ہے....ہم کو اس پر تصرف جائز نہیں....ایضاً صفحہ ۵۳۶...."

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نقش قدم پر چلنا اسی کو کہتے ہیں....قوم کا روپیہ بیت المال کا حکم رکھتا ہے....اس کا کوئی حصہ اپنے لئے جائز نہیں سمجھتے تھے....کیا اب بھی یہ احتیاط باقی ہے؟ اب تو اس طرح کے عمل کی تاویل کی جائے گی....کوئی غلو سے تعبیر کرے گا....کوئی کچھ اور کہے گا....مگر سبق لینا اب تو یہ عنقا ہے....اسی خدا ترسی کا یہ نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس دارالعلوم کو مرکزیت کا شرف بخشا....اور دن دونی رات چوگنی ترقی دی....

اس سلسلہ میں سوانح مخطوطہ کے مصنف نے ایک واقعہ نقل کیا ہے....وہ بھی ہر شخص کے پڑھنے کے لائق ہے لکھا ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج میں حرارت بہت تھی....اور موسم گرما میں سرد مکان بہت مرغوب تھا....مدرسہ میں ایک سرد خانہ تیار ہوا....اور گرمی کی بہت شدت مولوی رفیع الدین صاحب (دارالعلوم کے مہتمم

اول) نے عرض کیا کہ سرد خانہ تیار ہے....وہاں دوپہر کو آرام کیا کیجئے....فرمایا....ہم کون؟ جو اس میں آرام کریں....وہ حق ہے طالب علموں کا....(سوانح قاسمی)

ہندوستان و پاکستان کے ارباب مدرسہ آنکھیں کھول کر اس واقعہ کو پڑھیں....اور سوچیں....کیا حضرت کا یہ طرز عمل نا قابل عمل ہے؟ اب اس طرح کی احتیاط کون برتنے کو تیار ہے؟ جو مدرسہ کے تہہ خانہ سے بھی فائدہ اٹھانے کے لئے تیار نہ ہو....اب غریب طالب علموں کی راحت کا کون خیال کرتا ہے....اگر کرتا بھی ہے تو دوسرے تیسرے درجہ میں....مگر کیسے سمجھا جائے کہ حضرت نانوتوی اپنے بعد والے ارباب مدارس کے لئے یہ نمونے چھوڑ گئے ہیں....اللہ تعالیٰ بال بال مغفرت فرمائیں حضرت نانوتویؒ بڑا کارنامہ انجام دے گئے....کاش لوگ سبق حاصل کرتے....حضرت نے صرف یہ فرمایا ہی نہیں بلکہ یہی عمل بھی تھا....لکھا ہے:...."اور کبھی آپ نے سرد خانہ (تہہ خانہ) میں جا کر استراحت نہ کی....اور گرمی کی تکلیفیں سہا کیں....(سوانح قاسمی)

استغناء و خودداری

خودداری اور بے غرضی کا یہ عالم تھا کہ کوئی آپ کے لئے مکان پیش کرتا تو آپ انکار کر دیتے....کوئی کچھ اور حاضر کرنا چاہتا مگر آپ منظور نہ فرماتے....حضرت کی زندگی کا نقشہ یہ تھا جیسا کہ دیکھنے والوں نے لکھا ہے:....

"بلا مبالغہ عرض کرتا ہوں کہ چاہتے تو سونے کی دیواریں بنا لیتے...."

مگر حال کیا رہا؟ آگے لکھا ہے:...."مدرسہ دیوبند کے مکان کو لاکھوں اینٹوں سے تعمیر کرا دیا....مگر اپنے گھر میں ایک چھوٹا روڑا بھی نہ لگوایا....(سوانح قاسمی)

اسے کہتے ہیں ایثار اور قربانی....اپنے عقیدت مندوں سے....مدرسہ کو چمکا دیا....اس کی ساری ضرورتیں پوری کروائیں....مگر خود اپنے لئے ایک حبہ بھی قبول نہ کیا....پہلے مدرسہ پھر کچھ اور....خدارا بتایا جائے کہ ہندو پاک میں اب یہ نیک جذبہ اس انداز کا باقی ہے؟ اب معاملہ بالکل برعکس ہوتا جا رہا ہے....اخلاص وللہیت ختم

ہوتی جا رہی ہے....اور حد یہ ہے کہ اس پر نہ کوئی سوچنے کے لئے تیار....اور نہ اسے سننے کے لئے....آج بھی ارباب مدرسہ میں یہ جذبہ پیدا ہو جائے....تو ہندو پاک کا کوئی مدرسہ نزع میں مبتلا نہ ہو....اور پھر اس کی برکت سے ملک وملت کو چار چاند لگ جائیں....حضرت نانوتوی رحمہ اللہ سراپا عمل ہی عمل تھے....آپ کے یہاں گفتار سے زیادہ کردار نظر آتا ہے....جس کی ہر زمانے میں مسلمانوں کو ضرورت رہی ہے اور اب بھی ہے....اپنی پہلی بچی کی شادی کا جب وقت آیا....تو کس سادگی سے شادی کی.... آپ سن کر حیرت زدہ رہ جائیں گے:....

دینی حمیت

ایک دفعہ آپ کی خالہ صاحبہ تشریف لائیں....اور فرمانے لگیں کہ میرے لڑکے عبداللہ کو کوئی لڑکی نہیں دیتا....اور اس کی وجہ یہ ہے کہ آپ نے میرا نکاح ثانی کر دیا تھا....اور نکاح ثانی کی اولاد سے لوگ شادی کرنا عیب سمجھتے ہیں....

حضرت نانوتوی نے یہ سن کر فرمایا:....''اس کو میں اپنی بیٹی دوں گا....''

اس کے بعد حضرت گنگوہی کو گنگوہ سے بلا لیا.... جمعہ کے دن موذن سے فرمایا....لوگوں کو کہہ دو....آج وعظ ہوگا....یہ ہدایت موذن کو دی....خود جمعہ سے پہلے حویلی تشریف لے گئے....جس لڑکی کی شادی آج کرنا چاہتے تھے اتفاق سے آج اس کو بخار ہو گیا تھا....مولانا کے یہ پہلی اولاد تھی....بخار ہی کی حالت میں صاحبزادی کے پاس پہنچے اور ان سے نکاح کی اجازت چاہی....پھر جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لائے....حسب اعلان لوگ رک گئے....پہلے خود نکاح پڑھایا....پھر وعظ فرمایا....وعظ سے فارغ ہو کر گھر پہنچے....اور صاحبزادی کو جو کپڑا پہلے سے پہنے ہوئے تھیں ان ہی کپڑوں میں:....''ڈولی میں بٹھا کر رخصت کر دیا....'' (سوانح قاسمی)

اب یہ سادگی کسی رہنما....پیر اور لیڈر میں باقی ہے؟ اب تو رہنما....پیر اور لیڈر صاحب کے یہاں اور زیادہ اہتمام .... دھوم دھام ہوا کرتی ہے....شاندار کارڈ

چھپوائے جاتے ہیں.... جنہیں سینکڑوں لوگوں کی خدمت میں اہتمام سے بھیجا جاتا ہے.... مہمانوں کے لئے قرض لے کر یا اور امداد حاصل کر کے انتظام کیا جاتا ہے.... جو لوگ کسی وجہ سے نہ پہنچ سکیں ان سے باضابطہ شکوہ کیا جاتا ہے.... اور نہ معلوم کیا کیا ہوتا ہے.... جب رہنماؤں.... پیروں اور لیڈروں ہی کا یہ رنگ ہے تو اوروں کا کیا کہنا.... یہ بے چارے عوام تو ان ہی کے مقلد ہوتے ہیں.... اگر اس پیمانے کا سامان نہیں ہوتا ہے تو گھٹ گھٹ کر جان دیتے ہیں.... اللہ تعالیٰ کو کوستے ہیں.... کاش بڑے لوگ اپنی عملی زندگی میں انقلاب برپا کرتے....

تربیت اولاد

بچوں کی تربیت کا بھی بڑا لحاظ تھا.... لکھا ہے ایک دفعہ آپ کے فرزند ارجمند حافظ محمد احمد صاحب کی کپڑوں کی گٹھڑی بھڑک دار نکلی.... لکھا ہے.... آپ نے دیکھ کر فرمایا:.... "اوہو اس بھڑک دار گٹھری میں آپ کا لباس رکھا جاتا ہے.... یوں کپڑے تہہ ہوتے ہیں...." یہ کہتے جا رہے تھے اور کپڑوں کو اٹھا اٹھا کر صحن میں پھینکتے جا رہے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی فرما رہے تھے:.... "باوا ہے نا.... کہیں کا نواب.... جو صاحبزادے کو یوں جوڑے تہہ بہ تہہ رکھنے کی سوجھی ہے.... سوانح قاسمی ج ا صفحہ ۵۵۹...."

کیا اب بھی یہ شان بڑے لوگوں میں باقی ہے؟ کسی کے یہاں اولاد کی تربیت اس طرح کی جاتی ہے.... اب تو عموماً صاحبزادے.... نواب زادے ہوتے ہیں.... ان کے نہ اعمال واخلاق اچھے ہوتے ہیں.... نہ عقائد ومعاملات درست ہوتے ہیں اور نہ علم وعمل کا جذبہ ہی ان میں کارفرما ہوتا ہے.... مگر بایں ہمہ زیادہ اونچی سوسائٹی کے لوگ اپنی اولاد کی تربیت نہیں کرتے.... بلکہ ان کے ٹھاٹ کے لئے سامان فراہم کر دینے کی سعی کرتے ہیں.... تاکہ عوام کی نگاہ میں شہزادے معلوم ہوں.... اور وہ ان کے آگے جھکیں....

حد یہ ہے کہ شریعت کے خلاف تراش وخراش پر بھی نہیں ٹوکتے.... ٹخنے سے نیچے پاجامے پہنے جائیں.... سر پر انگریزی بال رکھے جائیں.... بازاروں میں

مارے مارے پھریں.... سینما کی سیر کریں اور جو خرافات چاہیں کریں.... مگر وہ رہیں گے صاحبزادے اور پیرزادے....

جود وسخا اور میزبانی

حضرت نانوتوی میں جہاں اللہ تعالیٰ نے بہت سی خوبیاں جمع کر دی تھیں وہاں قدرت نے آپ کو سخی بھی بنایا تھا.... آپ کی سخاوت کی مولف سوانح مخطوطہ نے بڑی تعریف کی ہے.... اور لکھا ہے:.... ''مہمان آپ کے یہاں دور و نزدیک سے امیر و غریب سب ہی قسم کے اکثر رہتے تھے.... جوق در جوق لوگ ہر طرف سے آتے.... مگر اس کثرت پر بھی کبھی تنگ دل نہ ہوتے اور کمال کشادہ پیشانی سے ان مہمانوں کی مدارات کرتے....'' (ایضاً سوانح قاسمی)

اب تو یہ عجائبات میں شمار کیا جائے گا.... مثل مشہور ہے.... ''نان ملا کس نہ دید'' یہ بات مبالغہ آمیز سہی.... مگر یہ واقعہ ہے کہ کچھ بخیل رہبروں نے اس زمانہ میں اس مثل کی تصدیق کر دی ہے کچھ اپنا بھی یہی تجربہ ہے.... کہ لیڈر اور کچہری کے ملازم یہ سب لینا جانتے ہیں.... دینے کا نام تک ان کے ذہنوں میں نہیں کھٹکتا.... اگر یقین نہ آئے مسافر بن کر ان سب کو آزمالیجئے.... دراصل یہ طبقہ دوسروں سے خیرات.... رشوت اور ناجائز آمدنی وصول کرتے کرتے سیاہ دل ہو چکا ہے ان کے دروازے سے نہ فقیر کو بھیک ملتی ہے.... نہ بھوکے کو کھانا ملتا ہے اور نہ کسی محتاج کو سہارا.... ہر جگہ مہمان پہنچ کر کھا سکتے ہیں مگر ان طبقوں میں الٹے لٹ کر ہی واپس ہوتے ہیں.... کاش ہم لوگ اس سلسلہ میں حضرت نانوتویؒ کے اس واقعہ سے سبق لیتے اور عوام کا یہ شکوہ سننے کا موقع نہ دیتے کہ مولوی کسی کو نہیں پوچھتا اس کا یہ مطلب بھی نہیں کہ ساری مخلوق ایسی ہی ہے ان میں چند گنے چنے ایسے بھی مل جائیں گے.... جن کا دستر خوان کسی وقت مہمان سے خالی نظر نہیں آتا.... حضرت نانوتویؒ کو مہمانوں سے ایسی عقیدت تھی کہ لکھا ہے:....

''جس دن مہمان زیادہ ہوتے.... اس دن بہت خوشی ہوتی.... اور جس دن کوئی مہمان نہ ہوتا.... اس دن انتظار فرماتے.... (ایضاً سوانح قاسمی)

اب یہ ذوق مہمانی مسلمانوں میں کہاں باقی رہا.... الا ماشاء اللہ اب کھانے کی خواہش عام ہے.... خواہ کسی طبقے سے تعلق ہے.... مگر کھلانے کا جذبہ سرے سے مفقود.... خدا کا شکر ہے حضرت نانوتویؒ کی یہ سنت حضرت شیخ الاسلام مدظلہ کی ذات بابرکت سے زندہ ہے.... اللہ تعالیٰ آپ کی عمر میں برکت عطا فرمائیں بڑی بات سننے میں یہ آتی ہے کہ مہمانوں کے ہجوم میں یہاں بھی امیر غریب کی کوئی تفریق نہیں ہوتی....

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے متعلق لکھا ہے کہ ایک دفعہ ان کی خدمت میں ایک رنگیلے شاہ صاحب گھوڑے پر تشریف لائے.... ساتھ ایک بھنگی بھی سائیسی میں آیا.... حضرت نانوتوی نے شاہ صاحب کے کھانے کا نظم کر کے خلاف معمول ان کے ساتھ دوسروں کو بٹھا دیا.... اور ''ان شاہ صاحب کے سائیس کو خود کھلوایا: سوانح قاسمی ج ا صفحہ ۵۶۹'' ....

اب یہ جذبہ مہمان نوازی کہاں باقی رہا؟ مالداروں پیروں دستار بندوں مولویوں اور لیڈروں کو سبھی قدر سے کھلاتے ہیں مگر غریب سائیس اور خادم کی کون خبر لیتا ہے.... بعد میں کچھ مل جائے غنیمت ہے.... مگر یہ بھی اس طرح کہ دونوں کے اہتمام طعام میں زمین و آسمان کا فرق ہوگا....

ایک دفعہ حد یہ کر دی ہے کہ مہمانوں کی سواری کے گھوڑے کے لئے اناج نہ ملا.... تو گھر کے کابلی چنے جو ضرورت کے لئے رکھے ہوئے تھے.... دلوا کر دیدئے....

حضرت نانوتوی دنیا کو بڑی حقارت سے ٹھکرا دیا کرتے تھے بڑے بڑے نوابوں نے ملنے کی تمنا کی.... مگر کسی سے نہ ملے اور جب بھی ملے دین کے لئے ملے اور بے غرض ملے.... ایک دفعہ ایک رئیس التجار روپے لے کر آئے کہ قبول کر لیا جائے.... مولانا نے انکار کر دیا.... ان رئیس صاحب نے روپے آپ کی جوتیوں میں ڈال دیئے.... اور سمجھا کہ اس طرح اٹھوالیں گے مگر حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ:....

''جوتیوں کو جھاڑ کر کھڑے ہو گئے اور ہنس کر فرمانے لگے....فرق کو دیکھو کہ دنیا ہمارے قدموں پر گرتی ہے اور دنیا دار اس کے قدموں پر گرتے ہیں....'' (سوانح قاسمی)

بجز گنے چنے حضرات کے اب یہ بے نیازی کہاں رہی جب سے ہم میں بھی دنیا طلبی آئی....ہم ذلیل ہو گئے اور دنیا نے ہمارا ساتھ چھوڑ دیا....

کاش! مسلمان اسلاف کے ان واقعات کو راہنما بنائیں....

سفر کا معاملہ

سفر سے حضرت بہت گھبراتے تھے....اصرار کے باوجود بھی شاذ و نادر ہی کہیں سفر کرتے....اور کبھی سفر کرنا بھی ہوتا تو کسی کا ہدیہ قبول نہیں فرماتے تھے....ایک دفعہ سفر میں کسی نے کچھ پیش کرنا چاہا....تو انکار کرتے ہوئے فرمایا:....

''میرا معمول ہے سفر میں ہدیہ نہیں لیتا ہوں اور مصلحت یہ ہے کہ کبھی آدمی کے پاس ہوتا کبھی نہیں ہوتا ہے....سفر میں اپنے دوستوں سے ملاقات ضرور ہونی ہے....کسی نے پہلے سفر میں کچھ دیا تھا....اور اس سفر میں اس کے ہاتھ میں کچھ نہیں ہے تو وہ ملنے سے کترائے گا اور اگر ملے گا بھی تو جھینپ کر اور شرمندگی کے ساتھ....'' (سوانح قاسمی)

اب اس کا احساس کس پیر کو رہا؟ اب تو لوگ اسی آمدنی ہی کے لئے سال میں مختلف علاقوں کا دورہ کرتے ہیں اور اگر کوئی غریب نذرانہ کسی مجبوری کی وجہ سے نہ دے سکا....تو اس کی شامت ہے....پھر اب اس سے بڑھ کر یہ کہ مہذب پیرایہ میں مریدوں اور عقیدت مندوں سے مانگ کر چیز وصول کی جاتی ہے....اور ایک دو روپے نہیں....اب تو سینکڑوں کی بات کی جاتی ہے....ایک روپیہ دینے والے مرید کو خود پیر صاحب منہ تک لگانا عیب سمجھتے ہیں اس کا یہ مطلب بھی نہیں ہے سارے کے سارے لوگوں کا یہی حال ہے بلکہ انہیں میں کچھ وہ لوگ بھی ہیں جن کو ان دینے لینے کے مسئلوں سے کوئی سروکار نہیں ہے اور جو صحیح معنوں میں مسلمانوں کی پیشوائی کرتے ہیں....

(مضمون تاریخی حقائق مکمل ہوا)

حُجّۃ الاسلام

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ

از حضرت مولانا سید انظر شاہ صاحب رحمہ اللہ

صبح ازل سے شام حشر تک نہ جانے افق کائنات پر علم و کمال.... دانش و بینش.... عبقریت و نابغیت کے کتنے آفتاب وقمر طلوع ہوئے اور ہوں گے.... زمین بیشماران ہستیوں کو اپنے بطن میں امانت کے طور پر لئے ہوئے ہے جن کے مقدس وجود خود اس زمین پر کائنات کا اجالا.... دنیا کی روشی.... چمنستان.... کی بادِ نسیم اور گلشن کے برگہائے گل تھے.... نانوتہ کیا ہے نہ کوئی تاریخی بستی نہ کوئی نام آور شہر نہ سیاحت گاہ عالم نہ دامن کش قلوب مگر خدائے تعالیٰ کی غیر محدود رحمتوں کو کون ہے کہ جو کسی خاص قوم.... کسی علاقہ.... کسی بستی.... کسی خاندان تک محدود کرے جب لطیف و قدیر ہستی ہندوستان میں امت مرحومہ کی زبوں حالی ونکبت.... تنزل اور پستی کی تحریر کلک تقدیر سے لکھ چکی تو اسی مقتدر وتوانا کی مشیت نے مریض امت کے لئے ایک ایسے طبیب کا بھی وجود مقدر کیا جس کی تدبیر.... جس کا علم.... جس کا فضل اور جس کا کمال اس امت کے لئے نسخہ شفا ہو.... عمارت کو گرانے کا فیصلہ ہوا تو خلاق عالم نے ایک ایسا معمار بھی تجویز کیا جو تیرہویں صدی کے اوائل اور بارہویں صدی کے اختتام پر مسلم قوم کی نشأۃ ثانیہ کا علمبردار ہو.... اگر ''دہلی'' اجڑے تو معمورۂ ''دیوبند'' اس کے انفاس قدسیہ

سے ایک تازہ رونق پائے....اگر دنیوی سلطنت لٹے تو علم و دانش کی ایک نئی حکمرانی وجود میں آئے....اے خدائے لم یزل ولا یزال تیرے بے نہایت افضال کا شکریہ کہ تو نے بربادی میں آبادی....تخریب میں تعمیر....موت میں حیات اجڑنے میں بسنے کے انتظامات کئے....

حضرت نانوتوی رحمہ اللہ ازہر الہند دارالعلوم دیوبند کے بانی نہیں بلکہ فکر کے امام ہیں وہ صرف ایک عالم نہیں بلکہ جنود ربانیہ کے سپہ سالار ہیں وہ ایک فرد نہیں بلکہ وقت کی امت ہیں انہوں نے دارالعلوم قائم کر کے پچھلوں کو وہ متاعِ بے بہا عنایت فرمائی جس کے بارِ احسان سے اخلاف کبھی سبکدوش نہیں ہو سکتے وہ کیا تھے؟ داعی الی اللہ....مبلغ اسلام....متکلم دین....حکیم الاسلام....محدث و مفسر....فقیہ و مناظر....عالم باعمل....درویش صفا کوش....فقیر خرقہ پوش....اسرارِ شریعت کے ایسے بحر ناپیدا کنار جس نے عقائد اسلام میں پیدا کردہ رخنوں کی درستگی میں اپنی حیات طیبہ کا ایک ایک لمحہ صرف کیا....

آپ کے علوم کتابی نہیں بلکہ کمالات وہبی ہیں پھر ان معارف کو ایسی زبان سے ادا کیا جس کی کاٹ شمشیر براں سے تیز ہے....خود مولانا نانوتوی رحمہ اللہ کے شیخ عارف باللہ حضرت مولانا امداد اللہ مہاجر مکی موصوف کے متعلق فرماتے تھے کہ ''مولانا قاسمؒ کی نظیر اسلام کے شاندار ماضی ہی میں مل سکتی ہے....مولانا گنگوہیؒ اور مولانا نانوتویؒ تحصیل علوم ہی میں ایک دوسرے کے رفیق نہیں بلکہ سلوک تصوف میں بھی ایک دوسرے کے رفیق سفر ہیں....

ان دونوں کے شیخ مہاجر مکی رحمہ اللہ اپنے دونوں مریدان باصفا کے متعلق ''ضیاء القلوب'' نامی تصنیف کے آخر میں رقمطراز ہیں کہ ''انقلاب کا یہ رنگ بھی قابل دید ہے کہ ان دونوں صاحبوں نے مجھ سے بیعت کی حالاں کہ مجھے ان سے مرید ہونا چاہئے تھا'' مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد ان کی فطری تواضع کا

آئینہ دار ہے ورنہ جاننے والے جانتے ہیں کہ مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وکمالات ان کے مرشد کامل کے کمالات کا عکس وظہور ہیں....تاہم مرشدِ کامل کا یہ ارشاد دونوں باصفا ارادت مند حضرات کے علمی وعملی کمالات کا ایک پاکیزہ اعتراف ہے....

امام العصر مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ نے ان دونوں حضرات کی تعریف میں قصائد لکھے ہیں اس طرز کی ہستیاں....ہمیشہ پیدا نہیں ہوتیں بلکہ مبدء فیاض کبھی کبھی ابر نیساں سے ان قطرات کی بارش کرتا ہے جو انسانی صدف میں سب سے قیمتی موتی بنتے ہیں ان دونوں اکابر کے تعارف میں یہ مختصر تفصیل اس وجہ سے ضروری تھی کہ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات علمی وعملی ان دونوں کا آئینہ دار ہیں وہ اس طرح کہ شاہ صاحب نے صحیح امام بخاری سنن ابی داؤد.... جامع ترمذی اور ہدایہ آخرین حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے پڑھیں....موصوف مولانا گنگوہی اور مولانا نانوتوی رحمہما اللہ کے علوم ومعارف کے سب سے بڑے ترجمان اور وارث تھے یہ ہے وہ پرانوار وسنہری کڑی جو مولانا کشمیری کو ان دونوں سے جوڑتی ہے....

(منقول از ازالہ وگل)

تعارف تصانیف حجۃ الاسلام رحمہ اللہ

از: حضرت مولانا عبدالحمید سواتی رحمہ اللہ
(صدر مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ)

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْن، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلام عَلٰی رسولہ سیدنا محمّد واٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ وَاتْبَاعہ اجمعین .

امابعد! اُنیسویں صدی عیسوی ﴿تیرہویں صدی ہجری﴾ میں امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی جماعت کے پسماندہ لوگوں میں برصغیر ﴿ہندو پاک﴾ میں ایک حکیم عالم پیدا ہوا جن کا نام مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ تھا یہ عالم مجدد دین ومجدد علوم وفنون تھا۔ یہی عالم دارالعلوم دیو بند کا بانی مبانی اور علوم اسلامیہ کی از سر نو اشاعت کرنے والا عظیم المرتبت عالم دین اور کامل درجہ کا ولی اور خدا پرست تھا۔ آج کے برصغیر میں دینی، مذہبی، اخلاقی اور علمی قوت کا سب سے اچھا سرمایہ وہی لوگ ہیں جو مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ اوران کی جماعت کے توسط سے ''امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ'' سے مربوط ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ گزشتہ پوری صدی میں اس پایہ کا کوئی حکیم عالم پیدا نہیں ہوا تو یقیناً مبالغہ نہ ہوگا۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کس پایۂ کے عالم تھے یہ بات ان کی تصنیفات سے ظاہر ہوتی ہے اوران کے تلامذہ اور مدارس ومکاتب کا علمی نظام اور وہ تحریکات اور اصلاحات جو برصغیر کے کونے کونے پر پھیلے ہوئے ہیں ان سے ظاہر ہوتا ہے۔ جس طرح ہم امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے تجدیدی اور تحقیقی کارنامے اُن کی کتابوں سے معلوم کر سکتے ہیں۔ اوران وسیع وعریض اثرات سے جو

برصغیر میں بالخصوص اور تمام عالم میں بالعموم پھیلے ہوئے ہیں اُن سے دریافت کر سکتے ہیں۔ اسی طرح حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتب ورسائل کا مطالعہ کرنے سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ کہ عقلی اور ذہنی طور پر کتنے بلند مرتبہ عالم دین تھے۔

آپ کے رفیق حضرت مولانا محمد یعقوب نے جو آپ کی ایک مختصر سی سوانح عمری لکھی ہے اسی میں درج بعض واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ابتداء سے ہی غیر معمولی صلاحیتوں سے نوازا تھا۔ مثلاً حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دادا نے اس خواب کی یہ تعبیر بیان کی کہ تم کو اللہ تعالیٰ علم عطا فرمائے گا اور تم بہت بڑے عالم ہوگے۔

اسی طرح ایام طالب علمی میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خواب میں دیکھا کہ ''میں خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہورہی ہیں''۔ حضرت مولانا محمد یعقوب رحمۃ اللہ علیہ کے والد گرامی اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے استاذ مکرم مولانا مملوک علی رحمۃ اللہ علیہ سے جب اس خواب کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''تم سے علم دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا''۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ جب سفر حج پر گئے تھے تو آپ کے پیر و مرشد حضرت مولانا حاجی محمد امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق فرمایا تھا کہ ''ایسے لوگ کبھی پہلے زمانہ میں ہوا کرتے تھے اب مدتوں سے نہیں ہوئے''۔ (سوانح مذکور) اور پھر حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ مولوی صاحب کی تحریر وتقریر کو محفوظ رکھا کرو۔ اور غنیمت جانو''۔ (سوانح مذکور)

اور حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے والد جناب اسد علی صدیقی رحمۃ اللہ علیہ سے بھی فرمایا تھا کہ بھائی اسد علی مبارک ہو اللہ تعالیٰ نے تمہیں ایسا فرزند عطا فرمایا ہے جو ولی کامل ہے۔

مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمال حافظہ کا حال یہ تھا کہ تراویح میں قرآن کریم

سنانے کے بعد فرمایا کہ ''فقط دو سال صرف رمضان کے مہینے میں قرآن کریم یاد کیا ہے''۔

عبادت کا حال یہ تھا کہ اکثر تمام رات تنہا نوافل میں قرآن کریم پڑھتے رہتے تھے ایک رات ایک رکعت میں ستائیس پارے پڑھے تھے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ماہِ شعبان (یا رمضان) ۱۲۴۸ھ (۱۸۳۲ء) میں پیدا ہوئے تھے۔ تاریخی نام ''خورشید حسین'' ہے۔ اور آپ کی وفات ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ ۱۵/اپریل ۱۸۸۰ء بعد نماز ظہر بروز جمعرات واقع ہوئی۔ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے انتصار الاسلام کے مقدمہ میں جو کلمات تحریر فرمائے ہیں ان کا نقل کرنا شاید حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے متعلقین ومعتقدین کے لئے باعث تسلی بن سکے، مولانا سید فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ ''حیف صد ہزار حیف کہ زمانہ ایسے ''عالم ربانی'' سے جو اپنے زمانے میں اپنی نظیر نہ رکھتا تھا خالی ہوگیا۔ افسوس صد ہزار افسوس کہ ''حامی شریعت'' جو نہ فقط اپنی جان بلکہ پڑوسیوں کی بھی جانیں شریعت کی حمایت میں جھونک دے۔ اس وقت دنیا سے اُٹھ جائے، ہائے وہ باغ اسلام کا باغبان کہاں گیا جو اس باغ کی حفاظت کرتا تھا، جس سے اس کو رونق تھی ہائے اب اس باغ کی خدمت کون کرے گا، اس کی روشیں کون درست کرے گا۔ ''خس و خاشاک'' سے صحن چمن دین کس طرح صاف ہوگا۔ ہائے وہ نخل بند گلستان اسلام کدھر گیا جو سرو اسلام یعنی صراط مستقیم کی درستی وموروثی کی فکر رکھتا تھا۔ ہائے وہ جاروب کش باغ دین کہاں گیا۔ جس کی تقریر خس وخاشاک اوہام کے لئے جاروب تھی۔ اب سوائے حسرت وافسوس کے کچھ نہیں ہوسکتا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ نہ کوئی رہا ہے نہ کوئی رہے گا البتہ ایک ذات وحدہٗ لاشریک جو ہمیشہ سے ہے اور ہمیشہ رہے گی۔

جناب مولانا مرحوم نے شاگرد ومعتقد بہت چھوڑے اب ان کو چاہئے کہ جناب مولانا مرحوم کی طرح جان ومال وعزت وآبرو کا کچھ خیال نہ کریں۔ آپس کے جھگڑوں میں نہ پڑیں۔ خدا ورسول کے دشمنوں سے لڑیں۔ حتی الوسع دینِ اسلام کی حمایت کریں''۔

حضرت رحمۃ اللہ علیہ کے سوانح حیات اور تاریخی حالات مکمل طور پر مولانا مناظر احسن گیلانی رحمۃ اللہ علیہ نے سوانح قاسمی کے تین مجلدات میں مدوّن کئے ہیں جن کے ساتھ ان کے حالات کے لئے مزید وقائع اور استشہادات، حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور شیخ المعقول والمنقول استاذ العلماء و سابق صدر مدرس دار العلوم دیو بند حضرت مولانا محمد ابراہیم بلیاوی رحمۃ اللہ علیہ اور مولانا اشتیاق احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ کاتب نے بھی حصہ لیا ہے، ان کے علاوہ مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ، ایم اے فاضل دیو بند نے بھی ''انوار قاسمی'' میں حضرت کی سیرت کا بڑا حصہ مدوّن کر دیا ہے۔ اور حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر صاحب شیخ الحدیث وصدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ نے بھی ایک عمدہ رسالہ ''بانی دار العلوم'' مرتب کیا ہے جو اپنی زبان اور استناد کے اعتبار سے معیاری ہے۔ اسی رسالہ کا ایک حصہ مکمل طور پر ''بیس بڑے مسلمان'' کے مصنف نے اپنی کتاب میں نقل کرلیا ہے، ان کے علاوہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی مختصر سوانح حیات بھی بہت عمدہ کتاب ہے جس میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی کے تمام اہم واقعات کی طرف اشارات ملتے ہیں ۔ حضرت مولانا سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''شاندار ماضی'' میں بھی ایک بڑا حصہ ذکر کر دیا ہے۔ ''طبقات الحنفیہ'' کے مصنف مولانا فقیر محمد جہلمی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی حضرت کی تاریخ ذکر کی ہے۔ اور مولوی رحمان علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے بھی ''تاریخ علمائے ہند'' فارسی میں بھی حضرت کا ذکر کیا ہے۔ ''موج کوثر'' کے مصنف شیخ اکرام مرحوم نے بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر کسی قدر تفصیل سے کیا ہے مولانا کے شاگرد رشید مولانا منصور علی خان صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب ''مذہب منصور'' میں حضرت کی زندگی کے کئی حیرت انگیز واقعات ذکر کئے ہیں۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی سب سے بڑی مفصل سوانح حیات اور آپ کے ملفوظات وحکایات ولطائف حیات اور علمی تقریرات وغیرہ آپ

کے قدیم شاگرد و خادم مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ (محشی ابی داؤد وابن ماجہ) نے بھی مرتب کی تھی۔ جس کی ضخامت ایک ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل تھی مگر افسوس کہ وہ کتاب طبع نہ ہوسکی اور زمانہ کے دست برد سے ضائع ہوگئی۔ ﴿حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک خادم مولانا امیر شاہ خان رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اپنی حکایات کی کتاب ''امیر الروایات'' میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے بہت سے واقعات ذکر کیے ہیں﴾۔

لیکن سب سے زیادہ افسوس ناک بات یہ ہے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی تسہیل اور آپ کی کتابوں کی تبویب جو مولانا مناظر احسن صاحب کرنا چاہتے تھے اس پر کوئی کام نہ ہوسکا۔ مولانا اس سے قبل ہی رحلت فرما گئے۔ اور اسی طرح مولانا انوار الحسن شیر کوٹی رحمۃ اللہ علیہ کا بھی خیال تھا کہ ''انوار قاسمی'' کی دوسری جلد میں علوم قاسم سے بحث کی جائے گی۔ غالباً وہ بھی یہ کام نہیں کر سکے۔ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم و معارف کی تحقیق و تشریح و تسہیل و تفہیم کی اشد ضرورت ہے۔ خدا کرے کہ کوئی عالم اس کو انجام دے جو اس کی صلاحیت بھی رکھتا ہو۔ کیونکہ عام اہل علم بلکہ بہت سے خواص کے بس کا بھی یہ کام نہیں۔ ہاں اللہ تعالیٰ جس کو خاص توفیق عنایت فرمائے۔ اور اس کام کو اس کے لئے آسان کردے۔

حکمت قاسمیہ

احکام اسلام کی عقلی و نقلی تائید قدیم و جدید فلاسفی کی تردید اور شرائع اسلامیہ کے غامض اسرار و حکم۔ دلائل کا عجیب و غریب سلسلہ، قدیم و جدید فلسفہ کے اُٹھائے ہوئے اعتراضات کا کافی شافی رد۔ نظام اسلام کو مربوط شکل میں پیش کرنا، یہ سب ''حکمت قاسمیہ'' کے اہم مقاصد میں شامل ہیں۔ لیکن حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا صحیح معنوں میں وہی شخص مطالعہ کرسکتا ہے اور ان سے مستفید ہوسکتا ہے جو علوم عقلیہ میں کافی بصیرت رکھتا ہو۔ دین کی اعانت کے لئے عقلیات کا حصول بھی اسی طرح باعث اجر و ثواب ہوگا جس طرح نقلیات کا۔ بلکہ بعض اوقات دین پر قائم رہنا

معقولات حاصل کئے بغیر بہت دُشوار ہوتا ہے۔اسی لئے عقلیات دیو بندی نظام تعلیم کا ہمیشہ ایک اہم حصہ رہا ہے۔حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ''علماء کو چاہئے کہ عقلیات کے حصہ کو اسی طرح ذوق وشوق سے حاصل کریں جس طرح نقلیات کو حاصل کرتے ہیں۔اس کے بغیر وہ ''حجۃ اللہ البالغۃ'' جیسی کتابوں کے سمجھنے سے عاری رہیں گے اور اگر ایسا ہوا تو انہیں آسانی سے بہکانے والے بہکاتے رہیں گے۔ کیونکہ جس کا اپنا کوئی فلسفہ نہ ہو اس کو اسی طرح دوسرے لوگ گمراہ کرتے رہتے ہیں۔''

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے حکیمانہ آراء واَفکار اور خاص نظریات اور دین کی محققانہ اور عارفانہ تشریحات کو جاننا اشد ضروری ہے۔حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ نے کمال درجہ کا حافظہ اور ذہانت عطا فرمائی تھی۔جب کوئی بات یا اشکال آپ کے سامنے پیش کیا جاتا تھا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تمام دلائل آپ کے ذہن میں بیک وقت مجتمع ہیں۔اور ان میں سے آپ مخاطب کے حالات کی مناسبت سے دلیل منتخب فرما کر بیان کرتے ہیں،کمال درجہ کا تبحر علمی قدرت نے عطا فرمایا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نقلیات وعقلیات کے بہت بڑے ماہر اِمام تھے،علم عقائد میں آپ نے ''حجۃ الاسلام'' اور ''تقریر دل پذیر'' جیسی ادق،لیکن بہت گراں قدر کتابیں تصنیف فرمائی ہیں۔'' ما بعد الطبیعات'' اور ''ملکوت،جبروت عالم مثال لاہوت برزخ'' اور ''اُمورِ آخرت'' کو بالکل عقلی براہین کے انداز میں افہام کے قریب کر دیا ہے۔مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کا قول بالکل صحیح معلوم ہوتا ہے کہ ''حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ حقائق ومعارف اپنے لوگوں کو یعنی ''اہل اسلام'' کو سمجھا دیتے ہیں۔لیکن مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے حقائق غامضہ غیر مسلموں عیسائی،یہود ہنود،بدھ،مجوس وغیرہ کو اسی طرح سمجھا سکتے ہیں جس طرح اہل اسلام کو''۔چونکہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ زیادہ تر علم منطق فلسفہ اور ریاضی اور طبعی فلسفہ وغیرہ سے کام لیتے ہیں۔ذرائع تفہیم میں بالکل

"عقل عامہ" سے بات کرتے ہیں اور مشاہداتی دلائل جو موجودہ دور میں ہر اہل خرد و تمیز اور اصحاب عقول کے ذہن میں فٹ بیٹھ جاتے ہیں، ان سے کام لیتے ہیں۔ زبان اُردو آپ کی نہایت دقیق ہوتی ہے۔ کچھ تو اس لئے کہ حضرت کے زمانہ تک بھی اُردو زبان نے اتنی ترقی نہیں کی تھی۔ جتنی آج ہے۔ اور کچھ اصطلاحات وغیرہ کی دقت کی وجہ سے مشکل پیدا ہو جاتی ہے لیکن علمی ذوق والے حضرات محنت سے اس کو حاصل کر سکتے ہیں۔ جس طرح امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہر ایک صاحب علم کے بس کا روگ نہیں کہ وہ اس کو آسانی سے سمجھ سکے اس کے لئے کافی محنت کی ضرورت ہے۔ اسی طرح مولانا نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کلام کیلئے بھی کافی محنت کی ضرورت ہے۔

حضرت مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کا مقولہ ہے کہ "جب تک حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ہم میں موجود تھے ہم منطق کو تازہ کرتے رہتے تھے تاکہ حضرت کے کلام کو آسانی سے سمجھ سکیں ان کی وفات کے بعد اس سے دِل سرد ہو گیا"۔

اجوبہ اربعین

اجوبہ اربعین کے بارے میں عرض ہے کہ احقر عبدالحمید سواتی تقریباً پینتیس (۳۵) سال سے اس کتاب کا متلاشی تھا، حضرت قاسم نانوتوی کی باقی کتب ورسائل نظر سے گزرے تھے اور کچھ بقدر فہم ان سے استفادہ بھی کیا، لیکن "اجوبہ اربعین" کہیں سے دستیاب نہ ہو سکی، اس کے مطالعہ کا انتہائی شوق تھا۔ اس کی تلاش جاری تھی۔ ایک دفعہ اتفاق سے "سید الخطاطین" حضرت سید انور حسین شاہ صاحب رحمہ اللہ "نفیس رقم" ﴿جن کو اللہ تعالیٰ نے کمال ظاہر و باطن عطا فرمایا ہے آپ صاحب نسبت اور بلند رُوحانیت کے مالک بزرگ ہیں﴾ کسی کتاب کی تلاش میں مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ تشریف لائے تو میں نے ان سے دریافت کیا کہ آپ کے پاس "اجوبہ اربعین" ہے۔ تو شاہ صاحب نے فرمایا "ہے" میں نے عرض کیا کہ مطالعہ کے لئے عنایت فرمائیں۔ انہوں نے از راہ عنایت بڑی خوشی سے کتاب کا مطالعہ کیلئے عنایت فرمائی۔ کتاب کے

مطالعہ کے دوران یہ بات ظاہر ہوئی کہ موضوع کے لحاظ سے اس کتاب کی اشاعت ضروری ہے۔ لیکن کتاب غالباً صرف ایک مرتبہ ہی طبع ہوئی ہے، دوبارہ اس کی طباعت کی نوبت نہیں آئی۔ اور ابتدائی طباعت بھی غالباً بڑی عجلت سے ہوئی ہے۔ اس میں کتابت کی بہت سی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ اُن کی اصلاح ضروری ہے، عربی عبارات بھی بہت سی غلط ہی طبع ہوئی ہیں۔ احقر کے پاس اتنا وقت وفرصت نہ تھی۔ چنانچہ اس کام کے لئے فاضل نوجوان مولانا حافظ مہر محمد صاحب فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم اور فاضل تخصص فی علوم الحدیث جامعہ اسلامیہ بنوری ٹاؤن کراچی، جو بڑے صاحب استعداد نوجوان ہیں اور کئی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔

مذہب رفض وتشیع سے انہیں خصوصی مناسبت ہے، احقر نے ان کو اس کام کی طرف متوجہ کیا انہوں نے اس کو قبول کیا اور کتاب کی تصحیح شروع کر دی، اور ساتھ ہی ساتھ بعض عنوانات کا اضافہ بھی کیا، اور کہیں کہیں کچھ حواشی بھی لکھے تاکہ کتاب کی افادیت میں اضافہ اور آسانی بھی ہو۔ کتاب کی جلد اوّل کی تصحیح کے بعد اس کی خواندگی کے لئے احقر نے مولانا مفتی حافظ محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی جو کئی سال سے مدرسہ نصرۃ العلوم میں افتاء کا کام کرتے ہیں۔ ساتھ تدریس بھی، موصوف خود بھی مدرسہ ''نصرۃ العلوم'' کے قدیم فضلاء میں سے ہیں اور ان کو فتویٰ نویسی میں کافی وسیع تجربہ اور درک ہے۔ اور دوسرے صاحب مولوی محمد اشرف صاحب فاضل نصرۃ العلوم کو اس کام کے لئے مقرر کیا جو محنتی اور مستعد نوجوان ہیں۔ ان حضرات نے اس کی خواندگی مکمل کی۔ چنانچہ جلد اوّل اس قابل ہوسکی کہ اس کی کتابت کا سلسلہ شروع کیا جائے۔ کتاب کی طباعت ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم کی طرف سے ہو رہی ہے۔

عنوانات کا اضافہ، بعض احادیث کے الفاظ، اور صفحاتِ کتب ان سب کو قوسین کے اندر رکھا گیا ہے۔ تاکہ اصل کتاب کے ساتھ امتیاز قائم رہے، اکثر حواشی اور عنوانات مولانا حافظ مہر محمد صاحب نے کئے ہیں اور حوالہ جات اور صفحات کی تلاش میں مولانا

حافظ مفتی محمد عیسیٰ صاحب اور مولوی محمد اشرف صاحب شریک ہیں۔ اور بعض مقامات میں احقر عبدالحمید سواتی بھی ان کے ساتھ شریک رہا ہے۔

کتاب کیلئے حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا نام نامی اس بات کی ضمانت کیلئے کافی ہے کہ کتاب ''علوم ومعارف حقائق ودقائق'' کا مجموعہ ہے۔

''اجوبہ اربعین'' بھی ان کُتب میں سے ہے جن میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے علوم وفیوض مناظرانہ وتنقیدانہ مضامین کا وقیع سرمایہ موجود ہے، یہ کتاب ''اہلِ رفض وتشیع'' کے رَدّ میں ہے برصغیر (پاک وہند) میں نویں اور دسویں صدی ہجری سے تشیع ورفض کا فتنہ بڑے پیانے پر پھیلا ہوا ہے قدیم اَدوار میں بھی علماء اہل سنت و الجماعت کے جید اور محقق حضرات اس فتنہ کا اپنے اپنے دَور میں رَدّ کرتے رہے ہیں۔ چنانچہ ''امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ'' نے اس فرقہ ضالہ کا اپنی معروف ومشہور کتاب ''منہاج السنۃ'' میں بڑی قوت وشدت کے ساتھ رَدّ کیا ہے۔ امام مجدّد اَلف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس سلسلہ میں عظیم کام کیا ہے۔ اور پھر ان کے بعد امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس فتنہ کی بہت سرکوبی کی ہے، پھر آپ کے فرزند امام عبدالعزیز رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسی عمدہ کتاب فارسی زبان میں لکھی ہے جس کے بارے میں ہمارے استاذ محترم امام اہل سنت حضرت مولانا عبدالشکور لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے تھے کہ ''تحفہ اثناء عشریہ'' کا جواب اہل تشیع قیامت تک نہیں دے سکتے''۔ ہمارے اکابر میں سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بھی اس فتنہ کے رَد میں متعدد کتابیں، رسائل اور مکاتیب لکھے ہیں۔ چنانچہ ''ہدیۃ الشیعہ'' جیسی گراں قدر کتاب جو عمدہ اور سہل عام فہم زبان میں تحریر فرمائی ہے۔ پھر ''اجوبہ اربعین'' کا نمبر ہے۔ اس کے علاوہ ''انتباہ المؤمنین'' بزبان فارسی اور ''فیوضات قاسمیہ'' کے کئی مکاتیب اور دیگر متعدد مکاتیب میں اس فتنہ کا پورا تعاقب کیا گیا ہے۔ کتاب ''آب حیات'' کا ایک بڑا حصہ بھی اس فتنہ کے رَدّ پر مشتمل ہے، ''وراثت نبوی'' اور ''حیات نبوی'' کی دقیق بحث بھی

کی گئی ہے۔ ''اجوبہ اربعین'' کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ اس کتاب میں اہل رفض و تشیع کی طرف سے چالیس اعتراضات اہل سنت والجماعت پر کئے گئے ہیں، ان کے دندان شکن اور مسکت جوابات دیئے گئے ہیں۔ اس کا پہلا حصہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن رات میں مکمل کیا ہے۔

اور اس میں اٹھائیس (۲۸) اعتراضات کے جوابات دیئے گئے ہیں۔
اور حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ ﴿سابق ناظم دینیات مدرسہ علی گڑھ﴾ بھی شریک تھے۔ یہ مولانا عبداللہ صاحب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے داماد تھے اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے چچازاد بھائی دیوبند کے قدیم فضلاء میں سے تھے۔ بڑے نیک وصالح انسان تھے، یہ مولانا محمد میاں انصاری رحمۃ اللہ علیہ عرف منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ کے والد محترم تھے۔ منصور انصاری رحمۃ اللہ علیہ مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد اور مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ کے رفیق اور برصغیر ہند و پاک کی آزادی کے عظیم رہنما تھے۔ یہ بڑے عرصہ تک جلا وطن رہے اور جلا وطنی کی حالت میں کابل میں ۱۹۴۶ء کو وفات پائی۔ ان کے فرزند مولانا حامد انصاری غازی ہیں جو فاضل دیوبند اور بہت سی کتابوں کے مصنف اور ہندوستان کے مشہور صحافی ہیں۔

حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ ہر ایک اعتراض کا ایک ایک جواب مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی تحریر فرمایا ہے۔ پہلا جواب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا اور دوسرا جواب مولانا عبداللہ انصاری رحمۃ اللہ علیہ کا ہے، بعض جوابات نہایت مختصر ہیں اور بعض کافی طویل ہیں۔ زبان اُردو قدیم ہے ''علم عمیق'' اور ''فہم دقیق'' ہے۔ جوابات لاجواب ہیں، جن کے پڑھنے اور ان میں غور وفکر اور تدبر کرنے کی ضرورت ہے اور انصاف شرط ہے۔

پہلے حصہ میں زیادہ تر بحث ''مسئلہ خلافت'' کے بارے میں تحقیقات پر مشتمل

ہے یہ مسئلہ ایک اہم اور اُصولی مسئلہ ہے اور خلفاء راشدین اربعہ کی خلافت علی منہاج النبوۃ ہے۔ اور علی الترتیب ان کے مراتب بھی اسی طرح ہیں جب تک اس اُصولی مسئلہ پر یقین نہ ہو۔ دیگر شرائع اور احکام کا ثبوت بڑا مشکل ہے۔ چنانچہ امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں۔

''واکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافت خلفاء راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین شکوک بہم رسانیدند لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں بندہ ضعیف علمے رامشروح ومبسوط گردانید۔ تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں اصلے است از اُصول دین تاوقتے کہ ایں اصل رامحکم نگیرند، ہیچ مسئلہ از مسائل شریعت محکم نشود زیرا کہ اکثر احکامے کہ در قرآن عظیم مذکور شدہ مجمل است بدون تفسیر سلف صالح بحلِ آن نتواں رسید، واکثر احادیث خبر واحد محتاج بیان بغیر روایت جماعۃ از سلف آں راں، واستنباط مجتہدان ازاں متمسک بہ نگردد، وتطبیق احادیث متعارضہ بدون سعی ایں بزرگواراں صورت نگیرد، وہم چنیں جمیع فنون دینیہ مثل ''علم قرأۃ وتفسیر وعقائد وعلم سلوک'' بغیر آثار ایں بزرگواراں متاصل نشود، وقدوہ سلف دریں اُمور بخلفاء راشدین است تمسک ایشاں باذیال خلفاء ''جمع قرآن'' ومعرفت قرأۃ متواترۃ از شاذہ مبنی بر سعی خلفاء است وقضایا وحدود واحکام فقہ وغیر آن ہمہ مترتب بر تحقیق ایشاں، ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ می خواہد''۔ (صفحہ۱، جلد۱)

ترجمہ: ''اس زمانہ میں بدعت تشیع آشکارا ہوگئی اور عام لوگوں کے دل ان کے شکوک وشبہات سے متاثر ہونے لگے اور اس ملک کے اکثر لوگ خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی خلافت کے ثبوت میں شک کرنے لگے۔ لہٰذا توفیق الٰہی کے نور نے اس بندہ ضعیف (امام ولی اللہ) کے دل میں ایک علم پیدا کیا جس سے یقین کے ساتھ معلوم ہوا کہ خلافت ان بزرگوں (خلفاء اربعہ) کی ایک اصل ہے اُصولِ دین سے جب تک لوگ اس اصل کو مضبوط نہ پکڑیں گے تو کوئی مسئلہ مسائل

شریعت میں سے مضبوط نہ ہوگا، کیونکہ اکثر احکام جو قرآن عظیم میں مذکور ہیں وہ مجمل ہیں بغیر سلف صالحین کی تفسیر کے ان احکام کا حل نہیں ہوسکتا اور اکثر حدیثیں خبر واحد میں شرح کی محتاج ہیں۔ بغیر اس کے کہ سلف کی ایک جماعت ان کو روایت کرے۔ اور مجتہدین ان سے استنباط کریں، قابل تمسک نہیں ہوسکتیں اور نہ بدون ان بزرگوں کی کوشش کے متعارض احادیث میں تطبیق کی کوئی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔

اسی طرح تمام فنون دینیہ مثل علم قرأت وتفسیر وعقائد وسلوک بغیر ان بزرگوں کے اَقوال کے کسی اصل پر قائم نہیں رہ سکتے، اور سلف صالحین نے ان اُمور میں خلفائے راشدین ہی کی پیروی کی ہے اور انہیں کے دامن کو مضبوط پکڑا ہے۔ قرآن کا جمع ہونا۔ اور قرأت شاذہ سے قرأۃ متواترۃ کا امتیاز پانا خلفائے راشدین ہی کی کوشش پر مبنی ہے اور اسی طرح قضاء کے فرائض اور حدود اور احکام فقہ وغیرہ انہیں خلفاء کی تحقیق پر مترتب ہیں، لہٰذا جو شخص اس اصل کے توڑنے کی کوشش کرتا ہے وہ فی الحقیقت تمام فنون دینیہ کو مٹانا چاہتا ہے''۔

''اجوبہ اربعین'' کا دوسرا حصہ جو بارہ (۱۲) اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے اور یہ صرف حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے قلم حق رقم کا مرہونِ منت ہے۔ اس میں دقت نظر، زیرکی، عمیق حقائق ومعارف لطائف وظرائف کا گنج گراں مایہ موجود ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس میں متعہ کا مسئلہ، فدک وراثت جیسے اہم مسائل کے علاوہ ''مسئلہ حیات النبی صلی اللہ علیہ وسلم'' پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ یہ حصہ زیادہ دقیق صعب اور بہت سے اہم علمی نکات پر مشتمل ہے۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمہ اللہ کی کتابوں کا اجمالی تذکرہ

مناسب معلوم ہوتا ہے حضرت کی تمام کتابیں جو اس وقت تک طبع ہو چکی ہیں ان کا اجمالی تعارف کرا دیا جائے، بعض کتابیں نایاب بھی ہیں بعض صرف ایک دفعہ یا دو دفعہ ہی طبع ہوئی ہیں۔ حضرت کی تحریرات کے بعض حصے ابھی تک طبع بھی

نہ ہو سکے اور وہ دستیاب بھی نہیں، حضرت کی تمام کتب ورسائل ومکاتیب کی جدید طباعت کی اشد ضرورت ہے۔

(۱) حجۃ الاسلام

یہ بڑے سائز کے ۵۰ صفحات پر مشتمل رسالہ ہے۔ اُردو زبان میں اس میں اسلام کے تمام ضروری عقائد حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے حکیمانہ طرز بیان میں ذکر کئے ہیں۔ اور اس انداز میں ان کی تبیین وتشریح کی ہے کہ عقل سلیم رکھنے والے حضرات اس کو پڑھ کر اسلام کے عقائد کے بارے میں اطمینان حاصل کر سکتے ہیں۔ اور غیر مسلم حضرات بھی ان کو سمجھ سکتے ہیں۔ یہ رسالہ بارہا طبع ہوا ہے اور بہت سے خوش بخت لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے، اس کے عنوانات حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ نے قائم کئے ہیں، یہ رسالہ بھی حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک دن رات میں لکھا ہے۔ اس رسالہ کا نام "حجۃ الاسلام" حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تجویز فرمایا ہے۔ یہ رسالہ "حکمتِ قاسمیہ" کا ایک اہم جز ہے، حضرت مولانا عبید اللہ سندھی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ "میں نے مولانا محمد قاسم رحمۃ اللہ علیہ کا رسالہ "حجۃ الاسلام" مولانا شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے سبقاً سبقاً پڑھا۔

(۲) تقریر دلپذیر

یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بے مثال اور عجیب و غریب کتاب ہے، افسوس کہ یہ کتاب حضرت مکمل نہیں کر سکے، یہ اُردو زبان میں ہے، تمام عقائد دینیہ اُصولیہ وفروعیہ کو عقلی استدلال سے قریب الفہم کر دیا ہے۔

اس طرح کہ اگر کوئی غیر متعصب غیر مسلم بھی اس کو پڑھے گا تو اسلام کے "نظام عقائد" کو برحق ہی سمجھے گا۔ اور اس کو بھی بہت کم اشکالات واقع ہوں گے۔ یہ کتاب بھی بارہا طبع ہو کر خراجِ عقیدت وصول کر چکی ہے۔ اس کتاب کی تبویب غالباً مولانا

سید محمد میاں صاحب رحمۃ اللہ علیہ دیوبندی نے کی ہے۔

کتاب کے دیباچہ یا حواشی میں اس کا ذکر نہیں کیا گیا۔ نیز کہیں کہیں مختصر حواشی بھی تحریر کئے گئے ہیں اس میں بعض حواشی حضرت مولانا سید فخر الحسن رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں، اس کتاب کی ابتداء میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ بہ نظرِ خیر خواہی خلائق سب اہل مذاہب خواہ وہ مسلمان ہوں، یا ہندو، یہود، نصاریٰ، مجوس آتش پرست، وغیرہ سب کی خدمت میں دین اسلام کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے ۔اور عقل سلیم رکھنے والے سب حضرات سے درخواست کی ہے۔ کہ تعصب کو برطرف رکھتے ہوئے ایک بار اس کتاب کو اوّل سے آخر تک پڑھیں۔ اگر حق و باطل کی تمیز ہو جائے تو اس کو قبول کریں، نہیں تو اِصلاح کریں۔ پھر وجود صانع۔ توحید، صفات سے لے کر تمام اعتقادی مسائل کا عقلی ثبوت اور عمدہ تمثیلات سے بیان فرمایا ہے۔ اورعقلیات کے اماموں کے باطل نظریات کی پُر زور تردید فرمائی ہے۔

(۳) انتصار الاسلام

اس رسالہ مبارکہ میں آریہ سماجیوں کے دس سوالات کے جوابات لکھے ہیں۔ ہر ایک اعتراض کے دو دو جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیئے ہیں۔ ایک جواب الزامی ہے، جس سے معترض کو خاموش کر دیا ہے۔ اور دوسرا جواب تحقیقی، آریہ سماجیوں اور اس قسم کے دیگر معترضین حضرات کو ایسے دندان شکن جوابات دیئے ہیں کہ ہمیشہ ان لوگوں کو اس قسم کے اعتراضات کرنے کی جرأت نہ ہو سکے۔ کمال درجہ کی تحقیقات پر مشتمل ہے اس رسالہ کی تبویب اور عنوانات کا قائم کرنا اور بعض جگہ مفید حواشی تحریر کرنے کا کام مولانا سید محمد میاں دیوبندی نے کیا ہے۔

رسالہ بارہا طبع ہوا ہے اور ہزارہا لوگوں نے اس سے استفادہ کیا ہے۔ اس رسالہ کا مقدمہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے تحریر فرمایا ہے۔

(۴) قبلہ نما

یہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اہم اور معرکۃ الآراء کتاب ہے۔ یہ دراصل انتصار الاسلام کا دوسرا حصہ ہے۔ یہ کتاب آریہ سماج کے پنڈت دیانند سرسوتی کے ایک اعتراض کے جواب میں لکھی گئی ہے۔ دیانند سرسوتی نے ۱۲۹۵ھ میں مسلمانوں پر اعتراض کیا تھا کہ مسلمان اہل ہنود پر بُت پرستی کا الزام لگاتے ہیں حالانکہ وہ خود بھی ایک مکان کعبہ کی طرف سجدہ کرتے ہیں جو بہت سے پتھروں کا بنا ہوا ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اس اعتراض کے اوّلاً سات جوابات دیئے ہیں۔ ان میں سے ہر ایک جواب کافی شافی ہے۔ پھر اس کے بعد آٹھواں جواب دیا ہے جس کی دو تقریریں کی ہیں ایک مجمل دوسری مفصل، یہ کتاب نہایت باریک حروف کی کتابت سے ۹۶ صفحات پر مشتمل ہے، اکثر حصہ اس کتاب کا مفصل جواب پر حاوی ہے۔ اس میں حقیقت کعبہ حقیقت صلوٰۃ سجدہ کی حقیقت استقبال کی شرح عابدیت و معبودیت اور تجلی الٰہی اور خانہ کعبہ کا مورد و مہبط تجلی ہونا۔ اور یہ کہ جسم کی مسامتت مکان (کعبہ) کی طرف ہوتی ہے اور رُوح کی تجلی الٰہی کی طرف، اور یہ کہ مسلمان اس تجلی الٰہی کی طرف ہی سجدہ کرتے ہیں، اور وہ تجلی الٰہی گویا عین معبود ہوتی ہے۔ تجلی کا ورود خانہ کعبہ پر کس طرح ہوتا ہے اس کی حقیقت واضح فرمائی ہے اور اس کے ساتھ نہایت ہی غامض حقائق کا ذکر کیا ہے اور ایسی عجیب علمی بحث فرمائی ہے کہ بلا مبالغہ نہ کسی کان نے سُنی ہوگی اور نہ کسی آنکھ نے کسی کتاب میں دیکھی پڑھی ہوگی۔ حقیقت کعبہ حقیقت محمدیہ حقیقت صلوٰۃ وغیرہ جیسے دقیق اور عسیر الفہم مسائل کا تذکرہ کمال متانت و رزانت اور عقلی انداز میں کر دیا ہے، عبادت کی حقیقت اور تجلی الٰہی کے ساتھ مصلی کی توجہ اور مسامتت کی دقیق و عمیق بحث، پھر آخر میں بُعد مجرد (بعد موہوم) پر بڑا دقیق تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب کی تبویب و تبیین مضامین بھی نہیں کی گئی حالانکہ یہ بارہا طبع ہوئی ہے۔ لیکن دقیق ہونے کی وجہ سے اہلِ علم نے ادھر توجہ نہیں فرمائی، لیکن "علوم

قاسمیہ'' کا ایک بڑا حصہ اس کتاب میں آ گیا ہے، سنا تھا کہ حضرت مولانا سید احمد رضا بجنوری صاحب ﴿انوارالباری شرح بخاری کے مصنف﴾ نے ''قبلہ نما'' کی ایک ہزار عنوانات سے تبویب وتسہیل کی ہے۔ لیکن ابھی تک وہ منظر عام پر نہیں آیا۔ یہ رسالہ نادر تحقیقات کا عجیب وغریب مجموعہ ہے اور اس میں جس طرح عقلی استدلال کئے گئے ہیں ان سے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی بلندیٔ مرتبت نمایاں ہے۔

مولانا سعید احمد صاحب پالن پوری ''توثیق الکلام'' کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ ''حضرت مولانا اشتیاق احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی قابلِ قدر خدمت کی ہے مگر اس سے کماحقہٗ کتاب حل نہیں ہوگی۔ حضرت الاستاذ مولانا محمد طیب صاحب رحمہ اللہ نے بھی ایک خاص نہج پر اس کی شرح تحریر فرمائی تھی مگر وہ ضائع ہو گئی''۔

(۵) آب حیات

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی معرکۃ الآراء کتاب ایسی دقیق عمیق اور صعب بلکہ اصعب کتاب ہے حالانکہ اُردو زبان میں ہے اپنی دقت کی بناء پر شاید ہی کوئی کتاب اس کی مثال ہو ہم نے اپنے استاذ وشیخ حضرت شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ کے ترمذی اور بخاری شریف کے درس کے دوران بار ہا سنا ہے کہ آپ فرماتے تھے کہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ کتاب علماء کے امتحان کے لئے لکھی ہے''۔ اس کو دیکھنا اور اس کے مطالب کا حل کرنا اور اس کو پوری طرح سمجھنا معرکہ کی چیز ہے ہر ایک عالم کے بس کا روگ نہیں ہے اس کتاب کو کماحقہٗ سمجھنا بہت مشکل ہے۔ اس کتاب کے دیباچے میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے خود لکھا ہے کہ جس طرح ''ہدیۃ الشیعہ'' کی تصنیف کا محرک حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ تھے اسی طرح آب حیات کی تصنیف کا محرک حضرت پیرو مرشد مولانا حاجی امداداللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ تھے اُن کے ایماء پر ''مسئلہ حیات النبی'' پر اس کتاب کو ''ہدیۃ الشیعہ'' سے الگ مستقل کتاب کی شکل میں تصنیف کیا ہے اور اس

کتاب کے وجدانی اور الہامی حقائق کی تصدیق حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی ہے، اس کتاب میں نقلیات یعنی قرآن کریم اور احادیث صحیحہ کا بھی ایک بڑا ذخیرہ موجود ہے۔ بعض حضرات یہ خیال کرتے ہیں کہ یہ کتاب صرف منطق پر مشتمل ہے۔ ان کا خیال غلط ہے یہ صحیح ہے کہ نقلیات کے ساتھ عقلیات کا ایک معتد بہ حصہ اس میں پایا جاتا ہے۔ جو شخص عقائد حقہ سے پوری طرح باخبر ہو اور ان دلائل سے بھی آگاہ ہو جن سے ان عقائد کی توثیق کے لئے استدلال کیا جاتا ہے۔ اور مذہب شیعہ سے اچھی طرح آگاہ ہو پھر عام علوم وفنون کے علاوہ عقلیات بالخصوص علم منطق اور فلسفہ اور ریاضی اور علم کلام وغیرہ میں کمال درجہ کا درک رکھتا ہو اور اس کے ساتھ مستقل مزاج بھی ہو جو مطالعہ کرنے کا عادی ہو اور ذہن بھی وقاد طبع ذکی اور مزاج سیال رکھتا ہو اور اس میں کسی حد تک للّٰہیت وروحانیت بھی پائی جاتی ہو۔ اور کشف سے بھی فی الجملہ مناسبت رکھتا ہو وہ اس کتاب کو سمجھنے کا اہل ہوگا اس کتاب کے دو تین صفحات مطالعہ کرنے کے بعد ذہن درماندہ ہو جاتا ہے اور اس پر بے حد تھکاوٹ اور بوجھ پڑتا ہے اور اس وقت اس کو ترک کر دینا پڑتا ہے تا کہ پھر کسی دوسرے وقت تازہ دَم ہو کر اس کا مطالعہ کیا جا سکے، امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا حال بھی قریب قریب ایسا ہی ہوتا ہے بہرحال یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ۱۲۸۶ھ میں لکھی ہے اور پھر حج کے موقع پر حضرت حاجی امداد اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے اس کو پڑھ کر اس کی تصدیق وتصویب فرمائی ہے اور اس کی اشاعت کی اجازت مرحمت فرمائی حضرت خود مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس لئے یہ ہیچمد ان بدترین گنہگاران، زبان ودل سے اس بات کا معترف ہے کہ میرے کلام پریشان میں اگر کوئی سخن دل نشین اہل دل، اور کوئی تحقیق لائق تصدیق اہل حق ہے تو وہ حضرت مرشد برحق ادام اللہ فیوضہ کے انتساب وتوسل کا پھل ہے اور اگر اختلاط اغلاط اور آمیزش خرافات ہو تو یہ تیرہ دروں خود قائل ہے کہ اپنی عقل نارسا ہے اور اپنے دماغ

میں خلل ہے یہی وجہ ہوئی حضرت پیرومرشد ادام اللہ فیوضہ کے سنانے کی ضرورت ہوئی۔ مگر جب زبان فیض ترجمان سے آفرین و تحسین سُن لی تو اَصل مضامین کی حقیقت تو اپنے نزدیک محقق ہوگئی یوں کہ منکر نہ مانے تو وہ جانے منکروں کا کام یہی ہے"۔

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں لیکن اب تک کسی صاحبِ علم نے اس کتاب کی تبویب و تسہیل کی طرف توجہ نہیں فرمائی میرے پیش نظر مطبع مجتبائی دہلی کا طبع شدہ نسخہ ہے جو ۱۹۰۵ء (۱۳۲۳ھ) کا مطبوعہ ہے اور بڑے سائز کے دوصد ساٹھ صفحات پر پھیلا ہوا ہے اس کتاب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے حیات النبی پر نہایت نفیس بحث کی ہے کتاب کے جملہ مضامین اور علوم معارف پر بحث کرنا مجھ جیسے کم فہم طالب علم کا کام نہیں ہے۔

مولوی سعید احمد پالن پوری توثیق الکلام کے مقدمہ میں لکھتے ہیں "آب حیات" (اُردو) اثبات حیات انبیاء علیہم السلام اس کتاب کا موضوع ہے آپ کی تمام کتابوں میں یہ سب سے زیادہ مشکل کتاب سمجھی گئی ہے اگرچہ اس میں ایک معتد بہ حصہ جس کے بارے میں حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ﴿اوّلین صدر مدرس دارالعلوم دیوبند﴾ کی رائے یہ تھی کہ اسے کوئی نہیں سمجھ سکتا اس کو نکال دیا ہے۔ اور یہ "اوراق متخرجہ آب حیات" پھلادہ ﴿بھارت میں ایک مقام کا نام ہے﴾ میں ہیں غرض اس کی شرح کی بھی خاص ضرورت ہے۔

ولعل اللّٰہ سبحانہٗ وتعالٰی یوفقنی لذالک وما ذالک علیہ بعزیز.

احقر عبدالحمید سواتی عرض کرتا ہے کہ اَوّلاً یہ روایت جو حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی طرف منسوب کی گئی ہے۔ منکر معلوم ہوتی ہے کہ کچھ حصہ کتاب کا محض اس لئے نکال دیا جائے کہ وہ ادق، اصعب یا عسیر الفہم ہے یہ حق صرف مصنف کا ہے کہ وہ خود اپنی کتاب میں سے نکال دے دوسرے حضرات یا ناشرین وغیرہ کو اس کا حق حاصل نہیں اگر خود مصنف نے ان اوراق کے استخراج کی اجازت دی ہے تو اس کا ثبوت

قطعی ہونا چاہئے۔ اگر یہ اوراق مصنف کی اجازت کے بغیر نکالے گئے ہیں تو ان کو دوبارہ کتاب کے ساتھ شامل کرنا از حد ضروری ہے ورنہ یہ علمی دیانت کے خلاف ہے۔

ثانیاً عرض ہے کہ اگر کتاب کے ادق ہونے کی وجہ سے اس کے حصوں کو الگ کرنا عام ناشرین یا شارحین کے لئے جائز ہوتا تو پھر تمام ادق قسم کی کتابوں میں وہ حصے جو عام فہم نہیں ہیں وہ نکال دیئے جاتے لیکن ایسا کرنا روا نہیں۔

ثالثاً عرض ہے کہ حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابیں اسی قسم کی ہیں مثلاً ''حجۃ اللہ البالغہ'' کے بعض مقامات ''الخیر الکثیر''، ''تفہیمات الٰہیہ'' کے بہت سے حصے بدور بازغہ کے کئی مقامات، ''الہوامع'' کے کچھ حصے، ''سطعات'' کے بعض، ''سطعات لمحات'' کے کئی مقامات، ''الفوز الکبیر'' کے بعض مقامات بلکہ شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی بہت سی کتابوں کے کئی مقامات ایسے ہیں لیکن ان کو کسی شارح یا ناشر نے کتاب سے نکال دینے کی جرأت نہیں کی۔ اور نہ یہ مشورہ دیا ہے کہ ان کو عسیر الفہم ہونے کی وجہ سے نکال دیا جائے۔

(۶) تحذیر الناس من انکار اثر ابن عباس رضی اللہ عنہما

یہ مختصر سا رسالہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک معرکۃ الآراء اور علمی رسالہ ہے۔ ایک استفتاء کے جواب میں حضرت نے تحریر فرمایا ہے رسالہ اپنے استدلال اور علمی نکات کی دقت کی وجہ سے مشکل ہے، بعض لوگوں نے کم فہمی یا اپنی شقاوت کی وجہ سے عبارتوں میں قطع برید و تقدیم و تاخیر کر کے کچھ کا کچھ بنا کر حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر تکفیر بازی بھی کی ہے۔ دراصل رسالہ میں حضرت نے آیتِ ختم نبوت (خاتم النبیین) کی ایسی عالی تحقیق فرمائی ہے جس کی مثال علمی لٹریچر میں نہیں مل سکتی۔ ختم نبوت زمانی، مکانی اور رتبی ہر طرح حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہے۔ آخر میں استاذ العلماء حضرت مولانا عبدالحئی فرنگی محلی لکھنوی رحمۃ اللہ علیہ اور دیگر علماء کرام کی تصویب و تصدیق بھی شامل ہے۔

(۷) مناظرۂ عجیبہ

یہ کتاب بھی حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مکتوبات کے سلسلے کی کتاب ہے۔ اس کے دو حصے ہیں۔ حصہ اوّل میں ''محذورات عشرہ'' جوتحذیر الناس کی عبارتوں پر کئے گئے ہیں۔ اوران کے جوابات ہیں۔ اور دوسرے حصہ میں وہ خط و کتابت ہے جو حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک ہم عصر عالم مولانا عبدالعزیز صاحب نے تحذیر الناس پر جواعتراضات کئے تھے اور جانبین سے چار چار خطوط میں مولانا عبدالعزیز صاحب اعتراضات لکھتے رہے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ ان کے جوابات تحریر فرماتے رہے بالآخر مولانا عبدالعزیز صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے مؤقف کو تسلیم کرلیا۔ جواہل حق کا شیوہ ہوتا ہے۔

اس کتاب کے مکتوب ثالث میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں ''اپنا دین وایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تامل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں''۔ (ص ۱۰۳، طبع قدیم)

اتنی واضح بات کے بعد بھی جولوگ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی طرف غلط بات منسوب کرتے ہیں ان کے بارے میں اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ ایسے بدنیتوں کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں روزِ قیامت میں روسیاہی کے سوا کیا ہوگا۔

(۸) مکاتیب حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ

جدید طباعت میں اس مجموعہ کا نام قاسم العلوم مع اُردو ترجمہ انوار النجوم'' ہے۔ یہ فارسی زبان میں دس مکتوبات کا مجموعہ ہے اس کی ترتیب وتبویب وتسہیل وتحشیہ وترجمہ حضرت مولانا پروفیسر انوار الحسن شیرکوٹی رحمۃ اللہ علیہ فاضل دیوبند فیصل آبادی نے کیا ہے اور لاہور سے طبع ہوا ہے۔ یہ مجموعہ پہلی طباعتوں میں چار حصوں پر مشتمل تھا لیکن اب اس کی ایک ہی جگہ مترجم شکل میں جمع کر کے طباعت کرائی گئی ہے۔

اس میں بعض مکتوبات بہت اہم ہیں مثلاً مکتوبات ''شرح حدیث ابی رزین'' بہت مشکل اور اہم مکتوب ہے۔ اس کا ترجمہ اور تفہیم ابھی بہت کچھ ناکافی ہے یہ حدیث محدثین کے نزدیک بھی بہت مشکل حدیث مانی جاتی ہے۔ محققین نے اس حدیث کی شرح اپنے اپنے انداز سے لکھی ہے۔ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ اور امام عبدالکریم جیلی رحمۃ اللہ علیہ نے ''الانسان الکامل'' میں اور امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فیوض الحرمین، الدرالثمین اور تفہیمات الٰہیہ'' وغیرہ کتب میں اس کو بیان کیا ہے۔ امام بیہقی رحمۃ اللہ علیہ نے ''کتاب الاسماء والصفات'' میں اور شیخ ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ نے ''فتوحاتِ مکیہ'' میں اس حدیث پر بحث کی ہے۔ اس میں ''عماء'' کا مفہوم متعین کرنا اور نیز فوقیت تحتیت مکان ظرفیت وغیرہ کی وجہ سے اشکالات پیدا ہوتے ہیں اور مسئلہ بھی اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات اور تجلیات کی بحث، یہ مکتوب بھی فارسی زبان میں ہے۔ ''علوم قاسمیہ'' کی دقت اس میں نمایاں ہے۔ مکتوب صعب بلکہ اصعب ہے۔ اس پر بہت زیادہ وقت اور محنت کی ضرورت ہے اور اس کی تبویب و تسہیل ارباب حکمت قاسمیہ کے لئے اہم مقاصد میں سے ہے۔

اسی طرح عصمت انبیاء کا مکتوب بھی بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ ایسے عمدہ طریق پر عصمت انبیاء کا مسئلہ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے بیان فرمایا ہے، اختصار و جامعیت کے ساتھ ہزاروں صفحات سے بے نیاز کرنے والا ہے۔ جن جن حضرات نے اس مسئلہ پر کلام کیا ہے ان سب سے دلائل کی قوت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔ متکلمین کی عام کتابوں میں ایسی عمدہ بحث اس مسئلہ پر کہیں نظر نہیں آئی۔ اسی طرح ما اھل لغیر اللہ کے موضوع پر جو مکتوب ہے وہ بھی اپنی نظیر آپ ہے، اس مکتوب کا اُردو ترجمہ اور تبویب و تسہیل حضرت مولانا مفتی محمد عیسیٰ خان صاحب گورمانی مفتی مدرسہ نصرۃ العلوم نے کی ہے۔ جو بہت عمدہ ہے اگر طبع ہو جائے تو بہت مفید ہوگی اُمید ہے کہ عنقریب یہ بھی طبع ہو جائے گی۔

باقی مکاتیب بھی علمی نکات سے لبریز ہیں اور ہر ایک مکتوب اپنی جگہ بڑی اہمیت

رکھتا ہے، اسلام کے بہت سے شرائع وقوانین، احکام کی علل ومصالح اسباب خفیۃ اور حکم غامضہ جس طرح ان مکاتیب سے سمجھ میں آتی ہیں اَز حد اہم اور لاجواب ہیں۔

(۹) تصفیۃ العقائد

اس رسالہ میں جو اُردوزبان میں ہے سرسید احمد خان بانی علی گڑھ کالج کے پندرہ سوالوں کے جوابات ہیں۔ جن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سرسید احمد خان صاحب اور ان کے ہم خیال حضرات کی نیچریت کا نہایت لطیف اَنداز میں رَدّ فرمایا ہے، اور سب کو لاجواب کر دیا ہے۔ اور ضمناً علم وحکمت کے بے شمار حقائق آ گئے ہیں۔ آخر میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب ہے سرسید احمد خان صاحب کے نام جو ناصحانہ اور مبلغانہ انداز میں احقاق حق کے لئے لکھا گیا ہے۔

(۱۰) اسرار قرآنی

یہ مختصر سا رسالہ ہے فارسی زبان میں ہے جس میں مختلف آیات قرآنیہ کے بارے میں مولانا محمد صدیق صاحب مرادآبادی نے سوالات حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں لکھ کر بھیجے تھے۔ جن کے جوابات حضرت نے تحریر فرمائے ہیں اور بہت سے اشکالات کو رفع کیا ہے آخر میں معوذتین کی حکیمانہ تفسیر ہے اور ''مثنوی رومی'' کے ایک مشکل شعر کی شرح ہے۔ درحقیقت یہ بھی مکاتیب کے سلسلہ میں شامل ہے۔

(۱۱) تحفہ لحمیہ

یہ ایک مختصر سا رسالہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ہنود کے اس وہم باطل کا رَدّ لکھا ہے کہ جانوروں کا ذبح کرنا ظلم ہے اور ان کا گوشت کھانا تعدی ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ حلال جانوروں کا گوشت کھانا اور ان کا ذبح کرنا بالکل فطرت کے مطابق ہے عقل سلیم بھی اس کو تسلیم کرتی ہے۔ عقلی دلائل سے اس مسئلہ کو حضرت نے بین طور پر ثابت کر دیا

ہے۔ اگر ان کا گوشت کھانا ظلم ہے تو ان کی کھال کا جوتا پہننا اور ان کی ہڈیاں اور دیگر اجزاء کا استعمال کرنا اور ان سے سواری وغیرہ کی خدمت لینا کون سا انصاف ہے۔

(۱۲) انتباہ المؤمنین

یہ مختصر سا رسالہ فارسی زبان میں ہے۔ اور ترمذی شریف کی اس حدیث کی شرح ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خلفائے راشدین کا ذکر فرمایا ہے اور ہر ایک کی ایک فضیلت کی خاص وجہ بیان فرمائی ہے۔ بے مثال تحقیق پر مشتمل ہے۔ رسالہ کے آخر میں مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ کا ایک مکتوب عربی زبان میں ہے جو انہوں نے شیخ عبداللہ بغدادی رحمۃ اللہ علیہ کے نام لکھا تھا اور "تقویت الایمان" کے بارے میں اُٹھائے گئے اعتراضات کے جوابات ہیں۔

(۱۳) میلہ خدا شناسی

اس رسالہ میں اس مذہبی مناظرہ اور بحث و مباحثہ کی روئیداد مذکور ہے جو ۱۲۹۳ھ میں شاہ جہان پور میں ہوا تھا۔ جس میں مختلف مذاہب کے پیروکاروں نے حصہ لیا تھا۔ ہندو، عیسائی اور مسلمان سب ہی اس میں شریک ہوئے تھے۔ اور اہل اسلام کو اس میں فتح حاصل ہوئی تھی۔ اس بحث میں حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے سب سے زیادہ بڑھ چڑھ کر حصہ لیا تھا۔ حضرت کی تقاریر اور جوابات اس میں درج ہیں۔

(۱۴) مباحثہ شاہ جہان پور

اس مجموعہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی وہ تقاریر ہیں جو آپ نے ۱۲۹۵ھ میں مختلف عیسائی پادریوں اور ہندو پنڈتوں کے اعتراضات کے جوابات میں کی تھیں۔ پنڈت دیانند سرسوتی۔ پنڈت اندرمن، پادری اسکاٹ جو اِنجیل کا مفسر مانا جاتا تھا اور پادری نولس وغیرہ معترضین نے جو مختلف اعتراضات اُٹھائے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو کس چیز سے پیدا کیا ہے اور ذات باری تعالیٰ محیط کل کس طرح ہے؟ اور خدا تعالیٰ اگر عادل ہے تو پھر رحیم کس طرح ہوسکتا ہے؟ قرآن کریم

کے کلام الٰہی ہونے کی کیا دلیل ہے؟ اور بائبل کیوں الہامی نہیں اور وید کے الہامی ہونے میں کیا چیز مانع ہے؟ نجات کس چیز میں حاصل ہوسکتی ہے؟ وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی تقاریر میں ان سب اعتراضات کے جوابات باحسن طریق ذکر کئے ہیں۔ اور اسلام کی حقانیت کے عقلی ونقلی قوی دلائل بیان فرمائے ہیں جو تمام اہل عقل وخرد کیلئے سامان طمانینت پیدا کرتے ہیں اور اہل اسلام کے ہاتھ مخالفین کے رَدّ کیلئے بے مثال قوی دلائل کا ذخیرہ آتا ہے۔

(۱۵) توثیق الکلام فی الانصات خلف الامام

یہ اُردو زبان کا ایک مختصر رسالہ ہے جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے یہ ثابت کیا ہے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت کرنی ممنوع ہے نقلی دلائل کے ساتھ زیادہ تر عقلی انداز میں یہ مسئلہ سمجھا دیا ہے۔ انصاف شرط ہے۔

(۱۶) الدلیل المحکم

اس رسالہ میں بھی امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ نہ پڑھنے کی تحقیق بیان فرمائی۔ توثیق الکلام اور الدلیل المحکم درحقیقت ایک ہی کتاب کے دو نام ہیں البتہ توثیق الکلام میں چند سطریں زائد ہیں ﴿ان دونوں کی شرح وتسہیل واضافہ عنوانات تمہید مقدمات وغیرہ دارالعلوم دیوبند کے استاذ مولانا سعید احمد پالن پوری نے کی ہے۔ اوراس کا نام ''کیا مقتدی پر فاتحہ واجب ہے؟'' تجویز کیا ہے اور مکتبہ وحیدیہ دیوبند سے شائع ہوئی ہے﴾

(۱۷) لطائفِ قاسمی

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات اور تراویح کا مسئلہ اس میں ذکر کیا گیا ہے۔

(۱۸) جمال قاسمی

اس رسالہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے دو مکتوب ہیں جو حضرت مولانا سید جمال الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے خطوط کے جواب میں حضرت

نے تحریر فرمائے ہیں۔ایک مکتوب میں ''وحدتِ وجود'' کی تشریح ہے اور دوسرے میں سماع موتٰی کا مسئلہ ذکر کیا گیا ہے۔ مولانا سید جمال الدین دہلوی رحمۃ اللہ علیہ وہی بزرگ ہیں جنہوں نے اپنی بعض تحریروں میں لکھا کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہم نے ''سورسائل ہندسہ۔ ہیئت۔ فلاحت طبعی، جبر و مقابلہ جرِ ثقیل و غیرہا علوم میں، ایک ایک ورق لکھنے کی فرمائش کی تھی۔ واللہ اعلم کہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کو ان رسائل کے لکھنے کا موقع پیش آیا یا نہیں، اور یہ کہ یہ رسائل کس کے پاس ہیں۔اسی طرح حضرت مولانا سید فخر الحسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ ''انتصار الاسلام'' کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ ''اور جناب مولانا کی وہ تحریریں جو زیرِ طبع اب تک نہیں آئیں۔ اور وہ کوئی سو جز ہوں گے ان کے شائع کرنے پر بندہ نے کمر ہمت باندھی تو ہے خداوند کریم مدد کرے۔ آمین۔

(۱۹) فیوضِ قاسمیہ

یہ مجموعہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے کچھ مکاتیب پر مشتمل ہے جو مختلف حضرات نے آپ سے دریافت کئے تھے۔بعض میں شیعہ حضرات کے اعتراضات کے جوابات ہیں اور کچھ اعتراضات وہ ہیں جو حضرت کی کتاب ''ہدیۃ الشیعہ'' پر اُٹھائے گئے تھے ان کے جوابات دیئے ہیں ایک مکتوب جمعہ کی تحقیق پر مشتمل ہے یزید کے ایمان اور عدم ایمان کی بحث۔ نذر لغیر اللہ کی تحقیق۔ علم غیب مختص ذات باری تعالٰی کے ساتھ ہے۔ سری و جہری قرأۃ کی حکمت بدعت و سنت کی تحقیق۔ تصور شیخ کا مسئلہ۔ اور نفس کی تحقیق وغیرہ پر مشتمل ہے۔

(۲۰) مصابیح التراویح

بزبان فارسی۔ بڑے سائز کے ۱۱۲ صفحات پر مشتمل ہے اس میں مسئلہ تراویح کی وضاحت ہے اور احادیث جو اس باب میں وارد ہوئی ہیں ان کی تشریح اور بیس

(۲۰) عدد رکعت تراویح کا ثبوت شرعی و عقلی دلائل سے، اور یہ کہ بیس (۲۰) تراویح پڑھنا سنت کی فرد ہے یہ بدعت نہیں اس کو بدعت شمار کرنے والے حضرات غلو و تعدی کا شکار ہیں اور زیادتی کے مرتکب ہیں۔

اورحدیث علیکم بسنتی و سنة الخلفاء الراشدین کی تشریح بیان کی گئی ہے۔ ہمارے پیش نظر جو نسخہ ہے یہ غیر مترجم ہے، اس کو ادارہ نشر واشاعت دارالعلوم دیوبند نے طبع کرایا ہے۔

یہ کتاب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے تلمیذ رشید مولانا سید احمد حسن امروہی رحمۃ اللہ علیہ جو دارالعلوم دیوبند کے قدیم فضلاء میں تھے۔ ان کے ایک استفتاء پر جو اُنہوں نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں بھیجا تھا اس کے جواب میں لکھی ہے نہایت اعلیٰ تحقیقات پر مشتمل ہے۔

مولانا سعید احمد پالن پوری لکھتے ہیں کہ:

''اس کتاب کا ترجمہ مولانا اشتیاق احمد صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے جو انوار المصابیح کے نام سے شائع ہوا ہے مگر اس سے کتاب کما حقہ حل نہیں ہوتی ہے۔ ابھی مزید کام کی ضرورت ہے''۔

(۲۱) الحق الصریح فی اثبات التراویح

یہ رسالہ بھی فارسی زبان میں مصابیح التراویح کی طرح بیس (۲۰) تراویح کے اثبات میں لکھا ہے یہ بھی ایک صاحب جناب عبدالرحیم خان صاحب کے مکتوب کے جواب میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ اور اس میں بیس (۲۰) رکعات کی مخالفت کرنے والے حضرات کے تعصب وہٹ دھرمی کو ظاہر کیا ہے اور اس سلسلہ میں حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت پر جو اعتراض کیا جاتا ہے کہ یہ روایت مرسل ہے اس کا جواب حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دیا ہے اور متعصبین کی افسوس ناک حالت کو خوب آشکارا فرمایا ہے۔

(۲۲) ''اسرار الطہارۃ''

یہ بھی مختصر سا رسالہ ہے اور اس کو حضرت مولانا قاری محمد طیب صاحب نے حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات حاصل کر کے ان سے مرتب کیا ہے اس میں ''طہارۃ'' کے ''اسرار و حکم'' اور عجیب و غریب نکات بیان کئے گئے ہیں۔ قہقہہ اور خروج ریح کیسے ناقض وضوء ہوتے ہیں اس کی حیرت انگیز تشریح بیان فرمائی ہے۔ اور ایسے حکیمانہ افکار بیان کئے ہیں۔ جن میں حضرت منفرد معلوم ہوتے ہیں۔

(۲۳) قصائدِ قاسمی

اس رسالہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے چند قصائد ہیں ایک قصیدہ بہاریہ جو حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں زبان اُردو میں ہے۔ جس کے ایک ایک شعر سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق و محبت لگاؤ و تعظیم ظاہر ہوتی ہے، ایک قصیدہ عربی زبان میں ہے جو ترکی خلافت کے خلیفہ وقت سلطان عبدالحمید کے بارہ میں لکھا ہے بڑا معیاری قصیدہ ہے زبان کے اعتبار سے کسی متقدم شاعر کی فصاحت و بلاغت سے کم نہیں۔ اس طرح ایک قصیدہ فارسی زبان میں ترکی خلافت کے متعلق ہے۔ اُس دور میں علماء دیوبند کا ایک بنیادی نظریہ خلافت اسلامیہ کے ساتھ اتصال تھا جس کے نمائندہ ترکی تھے۔ ایک قصیدہ میں اپنے رفیق شہید حضرت حافظ ضامن کا مرثیہ لکھا ہے اور شجرہ منظومہ بھی فارسی زبان میں ہے۔ اس مجموعہ میں کچھ قصائد دوسرے اکابر کے بھی ہیں مثلاً مولانا ذوالفقار علی صاحب رحمۃ اللہ علیہ، مولانا فیض الحسن رحمۃ اللہ علیہ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا بھی ایک ایک قصیدہ اس مجموعہ میں شامل ہے۔

(۲۴) حاشیہ بخاری شریف

آخری پانچ پاروں کا حاشیہ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے استاذ محترم مولانا احمد علی سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ کے حکم سے بالکل اسی انداز میں

جس طرح حضرت سہارن پوری رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے۔ تحریر کیا ہے اور آخری حصہ کے مشکل مسائل کا خوب حل کیا ہے۔

(۲۵) فتویٰ متعلقہ اُجرت تعلیم

جس میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے دینی تعلیم پر اُجرت لینے کے مسئلہ کے تمام پہلوؤں پر محققانہ طریق پر بحث کی ہے۔

(۲۶) جواب ترکی بہ ترکی

یہ رسالہ دراصل حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کا لکھا ہوا نہیں ہے۔ بلکہ یہ آپ کے اشارہ اور حکم سے آپ کے تلمیذ حضرت مولانا عبدالعلی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے افادات سے اور آپ کے طرز استدلال سے آریہ سماجیوں کے ایک رسالہ کے رَدّ میں لکھا ہے۔ رسالہ آریہ سماچار بابت ماہ اساڑھ ﴿ بکرمی ۱۲۹۶ھ میں ''لالہ اندلال'' آریہ سماجی نے اسلام کے متعلق بعض غلط قسم کے اعتراضات کئے تھے۔ ان کا جواب اسی کی زبان اور محاورہ میں دیا گیا ہے یہ قدیم طباعت میں ۶۰ صفحات پر مشتمل ہے یہ رسالہ بھی بہت سے علمی افادات پر مشتمل ہے۔ اور اس کے عنوانات وغیرہ کا اضافہ اور تسہیل مولانا اشفاق احمد دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ مدرس دارالعلوم نے کی ہے۔ اور ''براہینِ قاسمیہ'' کے نام سے مجلس معارف القرآن کی طرف سے عمدہ کاغذ وکتابت کے ساتھ دیوبند سے طبع ہوئی ہے ﴾

(۲۶) ہدیۃ الشیعہ

۱۲۸۳ھ میں شیعہ کے کچھ اعتراضات کے بارہ میں حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک خط حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی طرف لکھا تھا کہ ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر روانہ فرمائیں۔

حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے متفرق اوقات میں ان اعتراضات کے جوابات لکھ کر ماہ صفر ۱۲۸۴ھ یعنی چند ماہ میں اس کو مکمل کیا اور اس کا

نام "ہدیۃ الشیعہ" رکھا اس کتاب میں شیعہ حضرات کے تمام اور مابہ الامتیاز مسائل کا ذکر آگیا ہے۔ خلافت، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا ایمان و مقام شیعوں کا عقیدہ وتقیہ، مباحث فدک، وراثت وغیرہ۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے قرآن کریم اور وہ احادیث جو اہل سنت والجماعت کی مسلمہ ہیں اور پھران روایات سے بھی جو مسلم عند الشیعہ ہیں، تمام اعتراضات کے ایسے مسکت جوابات دیئے ہیں کہ ان کے جواب سے ان شاء اللہ شیعہ ہمیشہ عاجز رہیں گے۔

کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ عام فہم اُردو زبان میں لکھی گئی ہے اور اس میں منطقی اصلاحات وغیرہ کا ذکر بھی کم ہے۔ اس سے عام تعلیم یافتہ حضرات بخوبی استفادہ کر سکتے ہیں۔ اور اس کتاب میں ضمناً ایسے عجیب وغریب علمی نکات بیان کئے گئے ہیں جن سے اہل علم کو "ایقان واذعان" نصیب ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس عالم برحق کو دین قیم کے بارے میں کتنی عظیم سمجھ عطا فرمائی تھی، یہ کتاب اس پر دلیل بین ہے، یہ کتاب پاکستان میں دوبار طبع ہوئی ہے۔ پہلی دفعہ کراچی میں۔ پہلی طباعت کے وقت حضرت مولانا محمد اسلم صاحب (سابق خطیب مسجد ہیڈکوارٹرز کراچی) نے کتاب میں جا بجا عمدہ مفید عنوانات قائم کئے ہیں جس سے کتاب کی اچھی تبویب و تسہیل سے اس کتاب کے مضامین ومسائل زیادہ قریب الفہم ہوگئے ہیں ساتھ کتاب کی فہرست بھی مرتب کی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطاء فرمائے اور اس کی دوسری طباعت لاہور میں مکتبہ نعمانیہ والوں نے کرائی ہے۔ بہرحال جو حضرات فرقہ شیعہ کے ساتھ مبتلا ہوتے ہیں ان کے لئے بالخصوص اور عام اہل علم کے لئے بالعموم اس کتاب کا مطالعہ اَز حد ضروری ہے اور غایت درجہ کا مفید۔

(۲۸) اَجوبہ اَربعین

یہ اُردو زبان میں پہلی طباعت سے دو حصوں میں تقریباً ڈھائی صد صفحات پر مشتمل ہے اور اس کتاب میں شیعہ حضرات کے چالیس (۴۰) اعتراضات کے جوابات ہیں۔

مولانا سعید احمد صاحب مدرس دارالعلوم دیو بند نے توثیق الکلام کے مقدمہ میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتابوں کا تعارف بھی مختصر طور پر کرایا ہے، اسی ضمن میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی چند مزید کتابوں کا ذکر بھی کیا ہے۔

(۲۹) اجوبۃ الکاملۃ فی الاسولۃ الخامسہ (اُردو)

کسی شیعہ کے پانچ لغو قسم کے اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

(۳۰) مکاتیب قاسمی (فارسی)

یہ مسائل سلوک پر چند مکاتیب ہیں۔

(۳۱) الحظ المقسوم من قاسم العلوم (عربی)

یہ جزء الذی لایتجزّی کا اثبات اور سماع و غناء کی تحقیق پر مشتمل ہے۔ حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ مولانا محمد رحیم اللہ بجنوری کے نام یہ دو مکتوب ہیں۔ جو فصیح عربی زبان میں ہیں۔ واللہ اعلم

احقر عبدالحمید سواتی

خادم مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ (ماہ شعبان ۱۴۰۱ھ)

نوٹ: مذکورہ بالا مضمون حضرت حجۃ الاسلام رحمہ اللہ کی تالیف ''اجوبہ اربعین'' کے شروع میں بطور مقدمہ کے موجود ہے۔ مقالات حجۃ الاسلام کی جلد نمبر 6 ''اجوبہ اربعین'' پر مشتمل ہے۔ یہ مضمون بعینہ وہاں بھی موجود ہے۔ (مرتب)

شادباش و شادزی اے سرزمین دیوبند
ہند میں تو نے کیا اسلام کا جھنڈا بلند
﴿ظفر علی خان﴾

بانی دارالعلوم دیوبند

تالیف

شیخ الحدیث امام اہلسنت حضرت مولانا محمد سرفراز خان صفدر رحمہ اللہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ عَلٰى مَا اَعْطَيْتَنَا بِمَنِّكَ وَفَضْلِكَ مِنَ النِّعَمِ الظَّاهِرَةِ وَالْبَاطِنَةِ وَاَلْهَمْتَنَا بِعَمِيْمِ اِحْسَانِكَ تَصْدِيْقَ التَّوْحِيْدِ وَالرِّسَالَةِ وَالْمَعَادِ اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى خَاتَمِ الْاَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِيْنَ وَقَائِدِ غُرِّ الْمُحَجَّلِيْنَ يَوْمَ الدِّيْنِ وَعَلٰى مَنْ تَبِعَهٗ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ وَمَنْ بَعْدَهُمُ الَّذِيْنَ يَبْذُلُوْا اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لِاِقَامَةِ الدِّيْنِ۔ اَمَّا بَعْدُ

سخنِ ضروری

جب سے دنیا کا نظام چل رہا ہے ٹھیک اُسی وقت سے حق اور باطل کی آویزش بھی بدستور جاری ہے، کوئی زمانہ ایسا نہیں بتایا جا سکتا جس میں حق کے مقابلہ میں باطل یا باطل کو صفحۂ ہستی سے ناپید کرنے کے لیے حق اور حق پرست نہ کھڑے ہوئے ہوں اور جب تک یہ جہان باقی ہے اس وقت تک یہ سلسلہ جاری ہی رہے گا، اور کبھی اختلاف مٹ نہیں سکتا۔ اور تکوینی طور پر بھی اس کی بلاشک کئی حکمتیں اور مصلحتیں ہوں گی۔ ہم کیا اور ان مصالح کی تہ رسی کیا؟ مشہور ہے کہ کیا پدی اور کیا پدی کا شوربا شاید اسی کی طرف ذوقؔ نے اشارہ کیا ہے کہ ؎

گلہائے رنگا رنگ سے ہے رونق چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

انگریز کے منحوس دور میں بعض فرقوں کی طرف سے اکابر علماء دیوبند کو عوام الناس کی نظروں میں (معاذ اللہ) حقیر و ذلیل کرنے کے لیے کئی بے خطا ہتھیار استعمال کیے جاتے تھے اور ان کے خلاف بڑا شور و ہنگامہ برپا کیا جاتا تھا، کبھی ان کو اللہ تعالیٰ اور انبیاء علیہم السلام اور اولیائے عظام کی توہین کرنے والے ثابت کیا جاتا تھا (معاذ اللہ) حالانکہ اس بے بنیاد الزام سے ان کا دامن قطعاً پاک تھا اور ہے، اور کبھی یہ کہ یہ کانگرسی ہیں اور ہندوؤں کے ہمنوا ہیں۔ حالانکہ ہندوستان کی آزادی کے سلسلے میں ایک وقت تک وہ حضرات بھی کانگرس میں رہے جو بانیانِ پاکستان میں اہم کردار کے مالک ہیں، خصوصیت سے قائد اعظم مرحوم، لیاقت علی خاں مرحوم، سردار نشتر صاحب مرحوم اور خان عبد القیوم خان صاحب وغیرہ وغیرہ مگر بے شمار حضرات اکابر علماء دیوبند میں بھی اول سے آخر تک کانگرس کے مخالف رہے اور مسلم لیگ کے پُرزور حامی رہے۔ مثلاً مولانا اشرف علی صاحب تھانویؒ (المتوفی ۱۳۶۲ھ) اور آپ کے جملہ مریدین اور عقیدت مند حضرات اور حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی (المتوفی ۱۳۶۹ھ / ۱۹۴۹ء) اور آپ کے سینکڑوں شاگرد و علی ہذا القیاس مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی ثم کراچوی اور حضرت مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی شیخ الحدیث دار العلوم ٹنڈو الہ یار (جو حضرت حکیم الامت مولانا تھانویؒ کے بھانجے ہیں) اور خطیب پاکستان حضرت

مولانا حافظ محمد احتشام الحق صاحب تھانویؒ اور حضرت شیخ کامل مولانا مفتی محمد حسن صاحبؒ خلیفۂ اعظم حضرت تھانویؒ اور حضرت شیخ کامل مولانا شمس الحق صاحب افغانی سابق وزیر معارف قلات وحال پروفیسر جامعہ اسلامیہ بہاولپور اور امیر المجاہدین حضرت مولانا محمد اسحاق صاحب مانسہرویؒ (المتوفی ۱۳۸۲ھ) اور ان کے علاوہ اور بھی کئی حضرات جو تن من دھن سے قیام پاکستان کے حامی تھے۔ لہذا سب اکابر علماء دیوبند کو پاکستان کا مخالف قرار دیکر اور لوں دل کی بھڑاس نکالنا بالکل غلط تھا۔ قیام پاکستان کے بعد کئی سال تک یہ فتنہ دبا رہا لیکن پچھلے دنوں فیصل آباد میں میلاد شریف کے نام سے پھر اس کی ابتدا ہوئی جس کا جناب آغا شورش صاحب کاشمیری مدیر چٹان نے تقریراً وتحریراً جواب دیا، جن کے خلاف بہت سے رسالے اور اخبار ہاتھ دھو کر پڑ گئے اور بعض مقررین حضرات کی زبانیں ان دنوں ایسی تیز ہو گئی تھیں جیسے کہ ابھی وہ سال پہ چڑھا کر لائے ہیں، اس لیے ہم نے ان تمام ناگفتہ بہ بحثوں میں الجھے بغیر دار العلوم دیوبند کی دینی، علمی، سیاسی، ثقافتی اور روحانی خدمات اور نہایت اختصار سے اس کے بانی کی سوانح عرض کی ہے اور ان پر کیے گئے سنگین الزامات کے خود انہی کی عبارات سے جوابات عرض کیے ہیں۔ منصف مزاج حضرات کے لیے ان شاء اللہ یہ کتاب نہایت ہی مفید ثابت ہو گی۔

بانیٔ دار العلوم دیوبند

حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم الصدیقی النانوتویؒ بن شیخ اسد علی بن شیخ غلام شاہ

آپ سیدنا حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نسل اور اولاد میں تھے اور ۱۲۴۸ھ/۱۸۳۲ء کو قصبہ نانوتہ میں پیدا ہوئے، تاریخی نام خورشید حسین تھا۔ یہ قصبہ دیوبند سے بارہ کوس مغرب میں سہارن پور سے پندرہ کوس جنوب میں گنگوہ سے نو کوس مشرق میں اور دہلی سے ساٹھ کوس شمال میں واقع ہے۔ آپ کے والد بزرگوار تعلیم سے چنداں بہرہ ور نہ تھے، صرف ایک معمولی زمیندار تھے البتہ بزرگوں کی نیک صحبت سے ضرور متأثر تھے، اور دین سے کافی لگاؤ تھا۔

حضرت نانوتویؒ نے اکثر کتابیں حضرت مولانا مملوک علی صاحب نانوتویؒ (المتوفی ۱۲۶۷ھ) سے پڑھی تھیں جو اپنے وقت کے ٹھوس مدرس متبحر عالم اور مختلف علوم و فنون کی کامل مہارت رکھنے والے شفیق اُستاد تھے، رب ذوالمنن نے حضرت نانوتویؒ کو ابتداء ہی سے بڑی ذہانت اور عمدہ فطانت کی دولتِ عظمیٰ سے وافر حصہ مرحمت فرمایا تھا، جب جملہ علوم وفنون کی تعلیم مکمل کر چکے تو آخر میں حضرت مولانا قطب الارشاد رشید احمد صاحب گنگوہیؒ (المتوفی ۱۳۲۳ھ) کے ساتھ مل کر رأس الاتقیاء شیخ وقت، محدث کامل اور یکتائے روزگار حضرت مولانا شاہ عبدالغنی صاحب مجددی الحنفیؒ (المتوفی ۱۲۹۵ھ) سے حدیث شریف کا دورہ پڑھا اور اسی زمانے میں دونوں بزرگوں نے وقت کے رئیس الاولیاء مجاہد کبیر، عالم باعمل مولانا حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی رحمہ اللہ تعالیٰ (المتوفی ۱۳۱۷ھ) سے بیعت کر کے سلوک کی راہ اختیار کی اور ظاہری علوم کے علاوہ باطنی علوم اور تصوف و ورع میں بھی وہ مقام حاصل کیا جو اُن کے زمانہ میں انہیں کے لیے واہب حقیقی نے مخصوص کر رکھا تھا جن کے ذریعہ سینکڑوں حضرات کو روحانی فیض بھی حاصل ہوا

اور تزکیۂ نفس کے وہ اعلیٰ مراتب بھی قادرِ مطلق نے انہی کی بدولت مرحمت فرمائے جو اس دور میں بہت کم کسی اور کو حاصل اور نصیب ہوئے ہوں گے سچ ہے ؎

ایں سعادت بزورِ بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

ایام طالب علمی میں خواب

حضرت نانوتویؒ نے طلب علم کے زمانہ میں بہت سے خواب دیکھے تھے جو آنے والے دور میں ان کی دینی خدمات اور رفع درجات کی طرف مشیر اور ربِّ قدیر کی طرف سے بشریٰ اور خوشخبری تھے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ (المتوفی فی حدود ۱۳۰۰ھ) جو حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحبؒ کے قریبی رشتہ دار ہم وطن، رفیق درس، اُستاذ زادہ، بعض کتابوں میں شاگرد، ہم زلف اور پیر بھائی تھے۔ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب کی سوانح عمری میں لکھتے ہیں کہ۔

"ایام طالب علمی میں مولوی (محمد قاسم) صاحبؒ نے ایک اور خواب دیکھا کہ میں خانۂ کعبہ کی چھت پر کھڑا ہوں اور مجھ سے نکل کر ہزاروں نہریں جاری ہو رہی ہیں، جناب والد صاحبؒ (یعنی حضرت مولانا مملوک علی صاحبؒ) سے ذکر کیا۔ انہوں نے فرمایا کہ تم سے علمِ دین کا فیض بکثرت جاری ہوگا"

(سوانح مولانا محمد قاسم صاحبؒ ص۹۔ یہ واقعہ ارواحِ ثلاثہ ص۲۰۴ میں بھی منقول ہے)

اس میں ذرہ برابر شک و شبہ نہیں کہ دارالعلوم دیوبند اور اس کی دیگر سینکڑوں شاخوں سے قرآن و حدیث، فقہ اور علمِ دین کی جو نشر و اشاعت ہوئی اس صدی کے اندر

تمام جہان میں اس کی نظیر تلاش کرنا بے سود ہے، بلاشبہ قاہرہ یونیورسٹی صدیوں سے
حکومتِ مصر کے زیر سایہ دین اور علم دین کی خدمت انجام دے رہی ہے۔ مگر صورت و
سیرت، گفتار و کردار، ظاہر اور باطن کے اعتبار سے علم و عمل کا جو نمونہ مادرِ علوم دار العلوم
دیوبند اور اس کی شاخوں نے قائم کیا ہے، وہ اِس دَورِ انحطاط میں کہیں بھی نہیں مل سکتا۔
دار العلوم دیوبند اور اس کی قائم کردہ (یا اس کے نمونہ اور اس کے نقشہ پر قائم کردہ) شاخوں
میں ہزاروں جیّد اور ربّانی علماء کرام اور صوفیاء عظام پیدا ہوئے جن کی بدولت ربّ العزّت
نے لاکھوں اور کروڑوں انسانوں کو توحید و سنّت کا داعی اور شیدائی بننے کا شرف عطا فرمایا
اور علم ظاہری کے علاوہ جس طرح لوگوں کے دلوں کو ان سے صفائی اور روشنی نصیب ہوئی
اور شرک و بدعت، حسد و تکبّر اور اتباعِ ہوا سے ان کو جس طرح کا چھٹکارا حاصل ہوا وہ
کسی منصف مزاج اور ہوشمند مسلمان سے اوجھل نہیں ہے ایک طرف تو ان اکابر
کے قائم کردہ اسلامی مدارس سے سینکڑوں ثقہ مدرس، بہترین مبلغ، عمدہ ترین مناظر،
اعلیٰ مصنف، نڈر مجاہد، بیباک سیاستدان اور محقق پروفیسر تیار ہوئے جو اپنے اپنے
میدان اور فن میں گوئے سبقت لے گئے اور دوسری طرف قرآن و سنّت اور سلف
صالحین کی واضح ہدایات کی صریح روشنی میں ایسے اہلِ سلوک، صاحبِ باطن زاہد
اور صوفی پیدا ہوئے جنہوں نے اپنی خداداد بصیرت اور للّٰہیت اور روحانیت سے
لوگوں کے قلوب و اذہان کو منور کیا۔ ان میں توحید و سنّت کا جذبہ پیدا کیا، خدا خوفی
اور فکرِ آخرت پیدا کی، دنیا کی ناپائیداری اور بے ثباتی کا نقشہ ان کے دلوں میں نقش

کیا۔ آنے والی قبر اور حشر و نشر کی حقیقی زندگی کے حاصل کرنے کا سبق دیا۔ جنت اور دوزخ کی ابدیت اور ان کی تحصیل و اجتناب کے منصوص احکام سنائے۔ خالق کے حقوق کے علاوہ مخلوق کے باہمی حقوق کو محفوظ و ملحوظ رکھنے کی شدت سے تلقین کی، نفس امارہ اور شیطان کی پیروی سے لوگوں کو ڈرایا اور سلف صالحین کے صحیح دینی جذبات ان میں ابھار کر دیئے۔ الغرض دل کے اس چھوٹے سے ٹکڑے کے اخلاق ذمیمہ سے بچنے اور اوصاف فاضلہ سے متصف ہونے کے وہ گر بتلائے جو اس دور میں صرف انہی حضرات کا حصہ ہو سکتا ہے۔ دیوبند کی اس روحانی تعلیم کا یوپی کے مشہور گریجویٹ اور شگفتہ نگار شاعر اکبر الہ آبادیؒ نے کس خوبی سے ذکر کیا ہے کہ ؎

ہے دِل روشن مثالِ دیوبند	اور ندوہ ہے زبان ہوشمند
گر علی گڑھ کی بھی تم تشبیہ دو	اک معزز پیٹ بس اس کو کہو

(کلیاتِ اکبر مرحوم)

بلاشک دیوبند کی وجہ سے بیمار روحوں کو جلا اور تاریک دلوں کو بصیرت اور روشنی حاصل ہوئی۔

ایک اور خواب

ارواحِ ثلاثہ میں ہے کہ مولانا نانوتویؒ نے خواب میں دیکھا تھا کہ "میں خانہ کعبہ کی چھت پر کسی اونچی چیز پر بیٹھا ہوں اور کوفہ کی طرف میرا منہ ہے اور اُدھر سے ایک نہر آتی ہے جو میرے پاؤں سے ٹکرا کر جاتی ہے"۔ اس خواب کو انہوں نے مولوی محمد یعقوب صاحبؒ

(المتوفی ۱۲۸۲ھ برادر شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ المتوفی ۱۲۶۲ھ) سے اس عنوان سے بیان فرمایا کہ حضرت ایک شخص نے اس قسم کا خواب دیکھا ہے، تو انہوں نے یہ تعبیر دی کہ اس شخص سے مذہب حنفی کو بہت تقویت ہوگی اور وہ پکا حنفی ہوگا اور اس کی خوب شہرت ہوگی لیکن شہرت کے بعد اس کا جلدی انتقال ہو جائے گا۔ (ارواح ثلاثہ ص ۱۶۹)

بلا ریب ہندوستان میں قیام دار العلوم دیوبند کے ذریعے جس طرح قرآن وحدیث کے بعد مذہب حنفی کی علمی اور ٹھوس خدمت ہوئی ہے، وہ اظہر من الشمس ہے اور بغیر کسی سخت معاند اور کور مغز کے اس کا کوئی انکار نہیں کر سکتا اور خود حضرت نانوتویؒ نے غیر مقلدین حضرات کے رد میں جو ٹھوس علمی کتابیں (مثلاً خلف الامام کے مسئلہ پر توثیق الکلام اور الدلیل المحکم اور بیس رکعات تراویح پر مصابیح التراویح وغیرہ اور اسی طرح دیگر مسائل مختلف فیہا میں جو مضامین اور ادلّہ تحریر فرمائے ہیں وہ علمی دنیا میں یادگار کے طور پر سنہری حروف میں ذکر کئے جاتے رہیں گے انشاء اللہ تعالیٰ۔

تصحیحِ کُتب

عالم نبیل محدّث جلیل اور فقیہ وقت حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری الحنفیؒ (جن پر پہلے فالج کا حملہ ہوا تھا اور بالآخر ۶ جمادی الاُولیٰ ۱۲۹۷ھ کو وہ اللہ تعالیٰ کو پیارے ہو گئے) نے محض کتب دینیہ کے احیاء و ترویج اور علوم و فنون اسلامیہ کے بقاء اور تحفظ کے لیے مطبع احمدی قائم کیا تھا جس کے ذریعہ درسی اور متداول کُتب کی کافی حد تک تصحیح اور بعض کُتب کے حواشی بھی لکھے گئے اور وقت کی ایک بہت

بڑی ضرورت اس طرح پوری ہوئی۔ اسی مطبع احمدی میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی رح تصحیح کتب کا فریضہ سر انجام دیتے رہے، اور اس طریق سے علم دین کی خدمت کا حق ادا کرتے رہے اور ضمنی طور پر اس تصحیح سے معمولی سا جو حق محنت ملتا اُس پر گزر اوقات کرتے اور اعزّہ و اقارب کے علاوہ مہمانوں کا حق پورا کرتے۔ زندگی نہایت سادہ، بے تکلف اور زاہدانہ تھی، شکل و صورت سے دیکھنے والوں کو یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ یہ بھی کوئی مولوی ہیں مگر ان گرگوڈری کے اس لعل کی کیا خبر تھی جو وقت کے فراعنہ کے مقابلہ میں لسان ہارونی اور ید موسوی لے کر نکلے اور زبان قلم سے ان کے دلائل باطلہ کے سیل رواں کو بہا کر اور ان کے گمراہ کن براہین کی فوجوں کو حقائق کے بحر قلزم کی موجوں کی نذر کر دیا، سچ ہے کہ

نہ پوچھ ان خرقہ پوشوں کی بصیرت ہو تو دیکھ ان کو

ید بیضا لیے بیٹھے ہیں اپنی آستینوں میں

بخاری شریف کے آخری پاروں کا حاشیہ

کتاب اللہ کے بعد دوادین اسلام میں سب سے زیادہ صحیح ترین کتاب بخاری شریف ہے جس کی قدر و منزلت اور ضرورت و اہمیت سے کون مسلمان انکار کر سکتا ہے؟ جس میں ہمارا دین بھی ہے اور دُنیا بھی، ہمارا مذہب بھی ہے اور ہماری سیاست بھی، ہماری معیشت کے اصول بھی اس میں مذکور ہیں اور ہماری معاشرت کے احکام بھی، ہماری جسمانی خوراک کا اصولی انتظام بھی اس میں موجود ہے اور ہماری روحانی غذا کا حل بھی اس میں شرح ہے، سینکڑوں جید علماء اور فقہاء نے مختلف اور متعدد زبانوں میں اس کے

شروح و حواشی لکھے ہیں (موجودہ بخاری شریف پر جو حاشیہ ہے (جو بڑی کاوش اور محنت کے ساتھ بیسیوں شروح حدیث سے پوری ذمہ داری کے ساتھ اخذ کیا گیا ہے) اس کے چوبیس پچیس پاروں کا حاشیہ تو حضرت مولانا احمد علی صاحب سہارنپوری نے کیا ہے اور باقی پانچ یا چھ پاروں کا حاشیہ (اور اہل علم ہی جانتے ہیں کہ بخاری شریف کے آخری پارے کتنے مشکل ہیں) مولانا سہارنپوری صاحبؒ نے حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کے سپرد کیا جو انہوں نے کمال حزم و احتیاط کے ساتھ لکھا اور بڑی عمدگی کے ساتھ اس سے عہدہ برآ ہوئے۔ چنانچہ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحبؒ سوانح قاسمی میں ارقام فرماتے ہیں کہ۔

" اس زمانہ میں جناب مولوی صاحب مولوی احمد علی صاحب سہارنپوریؒ نے تحشیہ اور تصحیح بخاری شریف کی پانچ چھ سیپارہ آخر کے باقی تھے، مولوی (محمد قاسم) صاحبؒ کے سپرد کیا، مولوی صاحبؒ نے اُس کو ایسا لکھا ہے کہ اب دیکھنے والے دیکھیں کہ اُس سے بہتر اور کیا ہو سکتا ہے؟ اس زمانہ میں بعض لوگوں نے کہ مولوی صاحبؒ کے کمال سے آگاہ نہ تھے مولوی احمد علی صاحبؒ کو بطور اعتراض کہا تھا کہ آپ نے یہ کیا کام کیا ہے؟ کہ آخر کتاب کو ایک نئے آدمی کے سپرد کیا، اس پر مولوی صاحبؒ نے فرمایا تھا کہ میں ایسا نادان نہیں ہوں کہ بدوں سمجھے بوجھے ایسا کروں اور پھر مولوی صاحبؒ کا تحشیہ ان کو دکھلایا، جب لوگوں نے جانا، اور وہ جگہ بخاری میں سب جگہ سے مشکل ہے۔ علی الخصوص تائید مذہب حنفیہ کا اوّل سے التزام ہے اور اُس جگہ پر (حضرت) امام بخاریؒ نے اعتراض مذہب

حنفیہ پر کیے ہیں اور ان کے جواب لکھنے معلوم ہے کہ کتنے مشکل ہیں؟ اب جس کا جی چاہے اس جگہ کو دیکھ اور سمجھ لے کہ کیا حاشیہ لکھا ہے؟ اور اس حاشیہ میں بھی یہ التزام تھا کہ کوئی بات بے سند کتاب کے محض اپنے فہم سے نہ لکھی جائے۔" (سوانح عمری محمد قاسم صفحہ ۹)

راقم الحروف کی معلومات کی بنا پر ہندوستان میں حاشیہ کے ساتھ جتنی دفعہ اور جہاں بھی بخاری شریف طبع ہوئی ہے وہ اسی حاشیہ کے ساتھ طبع ہوئی اور ہوتی ہے۔ اندازہ فرمایئے کہ یہ صدقہ جاریہ کس قدر ان حضرات کے رفع درجات کا موجب اور حضراتِ علماء کے صحیح بخاری سے استفادہ کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ تا قیامت اس صدقہ جاریہ کو جاری رکھے۔ ع

"رہے لاکھوں برس ساقی ترا آباد میخانہ"

قیام دار العلوم دیوبند کے اسباب

دنیا کا کوئی کام بغیر کسی سبب، داعیہ اور محرک کے معرضِ وجود اور منصۂ شہود پر نہیں آتا، ہم جب ٹھنڈے دل کے ساتھ ہندوستان کی تاریخ پر نگاہ ڈالتے ہیں تو ہمیں سر ہنری ایلیٹ کی مسخ شدہ تاریخ سے پہلے ہندوستان کی سیاسی اور مذہبی تاریخ کسی اور صورت میں نظر آتی ہے۔ سیاست کی باتیں تو سیاسی حضرات بہتر جانتے ہیں کیونکہ لِکُلِّ فَنٍّ رِجَالٌ" ہم صرف مذہبی نقطہ نظر سے یہ دیکھتے ہیں کہ ہندوستان میں کم و بیش ایک ہزار سال تک مسلمانوں کی حکومت اور دورِ اقتدار رہا ہے جس میں نہایت فراخ دلی سے (بلکہ بعض بادشاہوں کی طرف سے بڑے ملحدانہ انداز میں) ہر فرقہ اور ہر

اہلِ مذہب کو اپنے مذہب پر پابند رہنے اور مذہبی رسوم بجالانے کی کھلی آزادی تھی جب گردشِ زمانہ سے سلطنتِ مغلیہ کا ٹمٹماتا ہوا چراغ گُل ہوگیا اور اپنوں کی بداعمالیوں کی وجہ سے ظالم اور جابر برطانیہ قہر الٰہی کی صورت میں ہندوستان پر نمودار ہوا تو اس کے مقابلہ کے لیے ہندوستان کی دیگر اقوام عموماً اور مسلمان خصوصاً میدان میں نکلے اور عملی طور پر اس کے ساتھ جہاد کیا جس کو انگریز کے منحوس دَور میں نمک خوارانِ برطانیہ غدر، ۱۸۵۷ء کے ساتھ تعبیر کرتے رہے ہیں، اس جہاد میں کون کون حضرات شریک تھے اور کس کس مقام پر لڑے؟ اور ہر مقام پر اس کا کیا نتیجہ برآمد ہوا؟ یہ اور اسی قسم کے دیگر کئی امور ہمارے حیطۂ امکان سے باہر ہونے کے علاوہ ہمارے موضوع سے خارج ہیں، ہمیں تو اثباتِ مدّعٰی کے لیے بانی دارالعلوم دیوبند اور ان کے چیدہ چیدہ بعض احباب و اصحاب کا تذکرہ کرنا ہے کہ اُنہوں نے کس حد تک انگریز کے خلاف جہاد کیا؟ اور انگریز نے ان کے خلاف کیا رائے قائم کی؟ اور اس وقت انگریز کے اہلِ ہند اور خصوصاً مسلمانوں کے خلاف کیا عزائم تھے؟ اور وہ ہندوستان میں کیا دیکھنا اور کیا کرنا چاہتا تھا؟ اور کس حد تک وہ کر چکا ہے؟ جب ہم تاریخ کے اس موڑ پر آتے ہیں اور تاریخ کے اوراق میں وہ دلگداز واقعات پڑھتے اور دیکھتے ہیں تو ہماری آنکھیں پُرنم ہوجاتی ہیں، ہاتھ میں قلم لرزتا ہے، دِل سیماب کی طرح بے قرار ہوجاتا ہے، سانس رُکنے لگتا ہے اور آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھاجاتا ہے، سب واقعات تو تاریخ ہی میں پڑھیے ہم مشتے نمونہ از خروارے چند حقائق کی طرف اشارہ کیے دیتے ہیں جن میں عقلمندوں کے لیے بڑی عبرت ہے

فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ

گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

جہاد شاملی

اہلِ ہند جب انگریز کے مظالم کے خلاف اُٹھ کھڑے ہوئے اور جب اس کے خلاف لڑتے ہوئے لاکھوں جانیں جاتی رہیں اور ہزاروں مسلمان شہید ہوئے اور تیرہ ہزار سے زیادہ جید علماء کرام کو تختۂ دار پر چڑھایا اور پھانسی پر لٹکایا گیا اور اس وقت میدان کارزار کے آس پاس شاید ہی کوئی درخت ایسا ہوگا جس پر مظلوم ہندوستانیوں کی اور شہید مسلمانوں کی لاشیں نہ لٹکتی ہوں اور ظالم انگریز کے کارندے اُن کو دیکھ دیکھ کر نہ خوش ہوتے ہوں۔ اسی دَور میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ کی زیرِ قیادت، تھانہ بھون سے مسلمانوں کا ایک چھوٹا سا لشکر شاملی کی گڑھی کی طرف روانہ ہوا جو انگریز کے کارندوں اور اس کی فوج کا ایک مضبوط قلعہ تھا۔ اس لشکر میں حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور حافظ محمد ضامن صاحب شہیدؒ (جو ۱۸۵۷ء میں اسی شاملی کے مقام پر شہید ہوئے تھے) خصوصیت سے قابلِ ذکر ہیں۔

آپ سمجھتے ہیں کہ کہاں جابر اور ظالم برطانیہ جو مُلک پر برسرِ اقتدار تھا اور کہاں نہتے اور بے سر و سامان مجاہد؟ مگر ان بہادروں اور دلیروں نے اور ان میں خصوصیت کے ساتھ حضرت نانوتویؒ نے اپنی شجاعت کے خداداد جوہر اس جہادِ شاملی میں دکھلائے،

بالآخر ان حضرات کو شکست ہوئی، کچھ حضرات تو زخمی ہوئے، اور حافظ محمد ضامن صاحبؒ شہید ہو گئے، الغرض مقابلہ خوب ہوا، اور بعض دلیر فوجیوں کو (جن میں ایک سکھ بھی تھا جس کو حضرت نانوتویؒ نے اپنی تلوار سے کاٹ کر مُولی کی طرح دو ٹکڑے کر دیا تھا جہنم رسید کیا گیا اور غالباً ایسے ہی موقع کے لیے کہا گیا ہے ؎

شکست و فتح نصیبوں سے ہے و لے اے میرؔ
مُقابلہ تو دلِ ناتواں نے خُوب کیا

جب انگریز کو اس کا علم ہوا کہ حضرت حاجی صاحبؒ، مولانا نانوتوی صاحبؒ اور مولانا گنگوہی صاحبؒ جو اپنے زمانہ کے نامور عالم اور صوفی تھے ہمارے خلاف جہاد میں شریک ہوئے ہیں تو ان تینوں کے خلاف وارنٹ گرفتاری جاری کیے گئے۔

چنانچہ حضرت مولانا عاشق الٰہی صاحب میرٹھی لکھتے ہیں کہ:۔

"ان تینوں حضرات کے نام چونکہ وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لیے صلہ تجویز ہو چکا تھا اس لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کے لیے تگ و دو میں پھرتے تھے۔" (تذکرۃ الرشید حصہ اول ص۷۵)

انگریز کے اس ظالم حکم سے بچنے کے لیے کچھ دن تو حضرت نانوتویؒ وغیرہ احباب کے شدید اصرار پر روپوش رہے، پھر نکل آئے جیسا کہ بقدر ضرورت اس کا ذکر آئندہ آئے گا۔

نثار اللہ العزیز، جب لاکھوں انسانوں پر برطانیہ یہ مظالم کر چکا تو بیرونی دنیا کی مزید بدنامی سے بچنے کے لیے اور اہل ہند پر اپنا فرعونی احسان جتلانے کی خاطر کچھ عرصہ بعد

وارنٹ گرفتاری اور دیگر کئی تحت احکام واپس لے لیے گئے اور اس طرح ان مظلوموں کی ظالم کے ہاتھ سے گو خلاصی ہوئی، اس جہاد اور ہنگامہ میں اہل ہند اس قدر حق بجانب تھے کہ خود ظالم انگریز اس کا اقرار کئے بغیر نہ رہ سکے، چنانچہ مسٹر بکی اس ہنگامہ کے بارے میں اپنا یہ خیال ظاہر کرتا ہے کہ اگر دنیا میں کوئی بغاوت حق بجانب کہی جا سکتی ہے تو وہ ہندوستان کے ہندو مسلمان کی بغاوت تھی (بحوالہ حکومت خود اختیاری صہ ۴۲)

اور اس ہنگامہ میں انگریز نے مسلمانوں کے ساتھ کیا سلوک کیا، اس کا بھی کچھ نمونہ دیکھتے جائیے۔

مسٹر رسل کا یہ مقولہ ہے کہ مسلمانوں کو خنزیر کی کھالوں میں سی دیا گیا اور قتل کرنے سے قبل خنزیر کی چربی ان کے بدن پر ملی گئی اور پھر انہیں جلایا گیا۔ (تمغہ کا دوسرا رُخ مصنفہ ایڈورڈ ٹامس صہ ۴۸)

ملاحظہ کیجئے کہ ظالم برطانیہ نے کس قدر سفاکانہ اور حیا سوز حرکتیں مسلمانوں پر روا رکھیں اور کس طرح ان کے بے گناہ خون سے ہولی کھیلی گئی مگر با ایں ہمہ مسلمان مردانہ وار اس ظالم کے سامنے ایمان سے بھرپور سینے تان کر پیش ہوتے رہے اور بزبانِ حال اس سے یوں خطاب کرتے تھے کہ ؎

گئے وہ دن کہ ہمیں زندگی کی حسرت تھی
فضول قتل کی دیتا ہے دھمکیاں صیاد

عزائم برطانیہ

انگریز کو جب ہندوستان پر سیاسی اقتدار حاصل ہو گیا تو شیخ چلی کی طرح اس کے

دل میں خفتہ اور نہاں آرزوئیں اور ارادے زبان اور قلم کی نوک سے بھی ظاہر ہونے لگے۔

گورنر ہند لارڈ ایلن برانے ۱۸۴۳ء میں ڈیوک آف ولنگٹن کو لکھا ہے کہ:۔

"میں اس عقیدہ سے چشم پوشی نہیں کر سکتا کہ مسلمانوں کی قوم اصولاً ہماری دشمن ہے اس لیے ہماری حقیقی پالیسی یہ ہے کہ ہم ہندوؤں کی رضا جوئی کرتے ہیں۔"

(اِن ہیپی انڈیا ص۲۹۹)

انڈیا کی سپریم کونسل کے باوقار رکن سر چارلس ٹریلیون جو حکومت کی طرف سے گورنری کے بلند عہدہ پر فائز تھا، پورے وثوق سے یہ کہتے ہوئے کہ یہ میرا یقین ہے، یہ امیدیں قائم کئے ہوئے تھا کہ۔

"جس طرح ہمارے بزرگ کل کے کل ایک ساتھ عیسائی ہو گئے تھے اسی طرح یہاں (ہندوستان) میں بھی ایک ساتھ عیسائی ہو جائیں گے۔"

(بحوالہ مسلمانوں کا روشن مستقبل ص۱۴۳)

اور برطانیہ کی پارلیمنٹ کے ممبر مسٹر مینگلس نے آغاز ۱۸۵۷ء میں پارلیمنٹ کے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے یہ کہا کہ۔

"خداوند تعالیٰ نے ہمیں یہ دن دکھایا ہے کہ ہندوستان کی سلطنت انگلستان کے زیر نگیں ہے تاکہ عیسیٰ مسیح (علیہ السلام) کا جھنڈا ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے تک لہرائے، ہر شخص کو اپنی تمام تر قوت تمام ہندوستان کو عیسائی بنانے کے عظیم الشان کام کی تکمیل میں صرف کرنی چاہیئے اور اس میں کسی طرح

تساہل نہ کرنا چاہیئے۔ (حکومت خود اختیاری ص۱۳۶ اور علمائے حق کے مجاہدانہ

کارنامے حصہ اول ص۲۶)

اور لارڈ ایلگن نے کہا کہ۔

"ان بدمعاش مسلمانوں کو بتا دیا جائے کہ خدا کے حکم سے صرف انگریز ہی

ہندوستان پر حکومت کریں گے۔" (علمائے ہند کی شاندار ماضی کا آخری حصہ

تصویر کا دوسرا رخ ص۳۴ طبع اوّل)

غور فرمایئے کہ سایۂ بوم (ظالم برطانیہ) کے منحوس دورِ اقتدار میں ہندوستان کی سرزمین پر کس طرح زبوں حالی کا گھپ اندھیرا چھا گیا تھا جس میں رائے قائم کرنے والوں نے یہاں تک رائے قائم کی کہ۔

"اب اسلام صرف چند سالوں کا مہمان ہے"

(موجِ کوثر ص۱۰۸ مصنفہ شیخ محمد اکرم صاحب ایم اے)

اس نازک دَور اور نامساعد حالات میں علمائے دیوبند کثر اللہ جماعتہم نے جس طرح ہمت و استقلال کا ثبوت دیا ہے اس میں ان کا کوئی شریک نہیں ہو سکتا۔ آخر بتلایئے کہ اس وقت تمام گمراہ کُن تحریکوں کا مقابلہ کس نے کیا؟ ظالم برطانیہ کے فولادی پنجہ سے کس نے ٹکر لی، جانِ عزیز کو ہتھیلی پر رکھ کر کس نے جہاد ۱۸۵۷ء میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا؟ آریوں اور پادریوں کا تعاقب کس نے کیا؟ ان کی تردید میں کتابیں اور رسالے کس نے لکھے؟ کس نے تقریروں کے ذریعہ ا کی حقانیت واضح کرتے

ہوئے اِن باطل فرقوں کے مکائد اور دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو آگاہ کیا؟ اور اس ہنگامے میں کس طبقہ کے علماء کے ساتھ انتہائی بہیمانہ سلوک روا رکھا گیا؟ اور نہایت بے دردی کے ساتھ درختوں پر کن کو لٹکایا گیا؟ اور ملکِ عزیز سے جلا وطنی کی وحشیانہ سزائیں کس طبقہ کی اکثریت کو دی گئیں؟ اور تختۂ دار پہ لٹکنے کے لیے زبانِ حال سے یہ کہتے ہوئے کس نے خوشیاں منائیں کہ ؎

فنا فی اللہ کی تہ میں بقاء کا راز مضمر ہے
جسے مرنا نہیں آتا، اُسے جینا نہیں آتا

برطانیہ کا ایک ایسا دور بھی گزرا ہے جس میں ان کا یہ دعویٰ تھا کہ ہماری حکومت میں سورج غروب نہیں ہوتا۔ اگر ایک جگہ غروب ہوتا ہے تو دوسری جگہ طلوع ہوتا ہے اور برطانیہ کے مغرور وزیر اعظم مسٹر گلیڈ سٹون نے یہ کہا تھا کہ اگر آسمان بھی ہمارے سروں پر گرنا چاہے تو ہم سنگینوں کی نوک پر اسے تھام سکتے ہیں، (معاذ اللہ) اس دور میں بھی علماء دیوبند نے اس ظالم برطانیہ کے خلاف صدائے حق بلند کی اور اس سے نبرد آزما رہے ہیں چنانچہ یوپی کے گورنر سر جیمس امنسٹن نے اسیر مالٹا حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ (المتوفی ۱۳۳۹ھ) کے بارے میں ایک موقع پر کہا تھا کہ "اگر اس شخص کو جلا کر خاک بھی کر دیا جائے تو وہ بھی اس کوچہ سے نہیں اُڑے گی جس میں کوئی انگریز ہوگا" نیز یہ بھی انہی کا مقولہ ہے کہ اگر اس شخص کی بوٹی بوٹی کر دی جائے تو ہر بوٹی سے انگریزوں کے خلاف عداوت ٹپکے گی" (حاشیہ سوانح قاسمی ج ۲ ص ۸۲ مصنفہ حضرت مولانا مناظر احسن

صاحب گیلانیؒ المتوفی ۱۳۷۶ھ/۱۹۵۶ء) غالباً ایسے ہی موقعہ کے لیے کہا گیا ہے کہ ؎

وہی مومن ہے جس کو دیکھ کر باطل پکار اُٹھے کہ اس مردِ خدا پر چل نہیں سکتا فسوں میرا

عیسائی بنانے کے لیے طریقِ کار

آپ باحوالہ پہلے یہ پڑھ آئے ہیں کہ انگریز نے ہندوستان میں زمام حکومت ہاتھ میں لیتے ہی تمام ہندوستانیوں کو ایک ساتھ عیسائی بنانے کا خواب دیکھنا شروع کیا اور اس کے لیے ملازمتوں اور اسامیوں، نوکریوں اور چھوکریوں کی پیش کش کے علاوہ اور بھی کئی حربے اختیار کیے گئے، ان میں ایک طریق یہ تھا کہ ہندوستانیوں کو اتنا غریب اور مفلوک الحال کر دیا جائے کہ وہ عیسائیوں کی جھولی میں پڑنے کے لیے مجبور و لاچار ہو جائیں، چنانچہ عوام کی غربت اس حد تک عمداً پہنچا دی گئی تھی کہ بقول سرسید صاحب ڈیڑھ آنہ یومیہ یا ڈیڑھ سیر اناج پر ہندوستانی اپنی گردن کٹوانے پر بخوشی تیار ہو جاتا تھا۔ (بغاوتِ ہند صفحہ ۴۰)

اور سب سے زیادہ خطرناک اور مہلک طریقہ جو انگریز نے تجویز اور اختیار کیا تھا، وہ یہ تھا کہ قرآن پاک اور اس کی تعلیم اور علوم اسلامیہ کو یکسر مٹا دیا جائے تاکہ ایمان و ایقان کی وہ پختگی جو مسلمانوں کو حاصل ہے، بالکل ختم ہو جائے اور عیسائیت کا راستہ ان کے لیے سہل اور ہموار ہو جائے اور اس کے مقابلہ میں انگریزی تعلیم کو اس قدر عام اور رائج کر دیا جائے کہ کوئی شخص اپنے لیے اس کے سوا چارۂ کار نہ جائے (چنانچہ قرآن جیسی جامع و مکمل، بے نظیر اور انقلاب انگیز کتاب کی بے پناہ قوت اور طاقت سے خائف اور بدحواس ہو کر برطانیہ کے مشہور ذمہ دار وزیر اعظم گلیڈ اسٹون نے بھرے مجمع میں قرآن کریم کو اٹھائے ہوئے بلند آواز سے

یہ کہا تھا کہ۔

"جب تک... یہ کتاب اُ دُنیا میں باقی ہے دنیا متمدن اور مہذب نہیں ہو سکتی" (بحوالہ خطبہ صدارت ص ۱۵ اجلاس پنجاہ سالہ آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس علی گڑھ از حضرت مدنیؒ)

اور ہنری ہرینگٹن طاس نے کہا کہ۔

"مسلمان کسی ایسی گورنمنٹ کے جس کا مذہب دوسرا ہو اچھی رعایا نہیں ہو سکتے اس لیے کہ احکام قرآنی کی موجودگی میں یہ ممکن نہیں ہے۔" (بحوالہ حکومت خود اختیاری ص ۱۵)

الغرض قرآن کریم کو مٹانے اور مسلمانوں کے اسلامی جذبات کو ہندوستان سے نیست و نابود کرنے کے لیے ایسے ایسے حربے استعمال کئے گئے کہ شیطان بھی دم بخود ہو کر رہ گیا اور لارڈ میکالے نے تو صاف لفظوں میں کہا کہ

ہماری تعلیم کا مقصد ایسے نوجوان پیدا کرنا ہے جو رنگ و نسل کے اعتبار سے ہندوستانی ہوں تو دل اور دماغ کے اعتبار سے فرنگی۔

(بحوالہ مدینہ بجنور ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء)

اور سچ پوچھئے تو اس میں ان کو کافی حد تک کامیابی حاصل ہوئی جیسا کہ کسی بھی صاحب علم پر یہ مخفی نہیں ہے۔

یہ طریقہ تو وہ تھا جو براہِ راست حکومتِ برطانیہ اور اس کے ذمہ دار اصحاب نے اختیار کر رکھا تھا، اس کے علاوہ پادری صاحبان کی طرف سے (جن کی حفاظت و نگرانی اور مالی سرپرستی خود انگریز کر رہا تھا) عیسائیت کی جارحانہ تبلیغ ہندوستان میں

جو شروع کی گئی وہ اپنے مقام پر ایک سانحۂ عظیم اور آفاتِ ارضی میں سے ایک بہت بڑی آفت تھی، مسلمانوں پر تو حکومت کی طرف سے صدہا آئینی پابندیاں عائد تھیں کہ وہ انگریز کے خلاف لب کشائی کرنے کے مجاز نہیں مگر (العیاذ باللہ) اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پادریوں پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہ تھی بقول کسے ؎

ہے اہل دل کے لیے اب یہ نظم بست و کشاد
کہ سنگ و خشت مقید ہیں اور سگ آزاد

پادریوں کی تبلیغ

ہندوستان میں مسلمانوں کے ہاتھوں سے سلطنت اور اقتدار جانے کی دیر تھی کہ مختلف قسم کے مذہبی فتنے عذابِ الٰہی کی صورت میں نمودار ہوئے اور ساون کے مینڈکوں کی طرح بازاروں اور کوچوں، گلیوں اور محلوں میں پادری صاحبان جوق در جوق اور جماعت در جماعت گردش کرتے ہوئے اور مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکے ڈالتے ہوئے نظر آنے لگے اور ہندوستان میں شاید ہی کوئی قابلِ ذکر شہر اور خوش نصیب قصبہ ایسا ہوگا جس کو پادری صاحبان نے اس دور میں اپنے منحوس پاؤں سے نہ روندا ہو اور اسلام کے خلاف خوب زہر اگل کر مسلمانوں کی دل آزاری نہ کی ہو اور جارحانہ رنگ میں عیسائیت کی تبلیغ میں کوئی کمی چھوڑی اور مسلمانوں کو چیلنج نہ دیا ہو ایسے تمام واقعات کا استیعاب اور احاطہ نہ تو ہمارے بس کا روگ ہے اور نہ ان پر ہمارا مدعیٰ موقوف ہے، اس لیے ہم ان کو قلم انداز کرتے ہیں، صرف دو تین واقعات بطورِ نمونہ عرض کیے دیتے ہیں، اہر عقلمند انسان

ان سے بخوبی حقیقت کی تہ کو پہنچ سکتا ہے اور نادان کے لیے تو دفتر کے دفتر بھی بے سود ہیں۔

چاندا پور کا مذہبی اجتماع

ہندوستان میں عیسائیت کی وسیع پیمانہ پر تبلیغ کو دیکھ کر ہندوؤں میں بھی یہ جرأت پیدا ہوگئی کہ وہ اپنے مذہب کا پرچار کریں اور عیسائیوں کی طرح وہ بھی مسلمانوں کے ساتھ مذہبی امور میں اُلجھتے رہیں، چنانچہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی یہ ہے کہ مشہور شہر شاہجہان پور سے پانچ چھ میل کی مسافت پر ایک قصبہ تھا جس کا نام چاندا پور تھا، وہاں کے ایک ہندو رئیس منشی پیارے لال کبیر پنتھی نے ۱۲۹۳ھ / ۱۸۷۶ء میں ایک مذہبی جلسہ بنام "میلہ خدا شناسی" مقرر کیا جس میں مسلمانوں، عیسائیوں اور ہندوؤں کا باہمی مباحثہ طے پایا اور تینوں فریق اس میں شریک ہوئے، مگر لالہ جی نے کمال ہوشیاری اور انتہائی چالاکی سے ایک مختصر سی لیکن نہایت بے معنی اور مہمل لکھی ہوئی تقریر یوں شروع کی کہ میاں کبیر نے کنول کے پھول میں جنم لیا اور اُن کے پنتھ میں جاگتے سوتے سانس چلتا رہتا تھا الخ جس کو چیستاں اور پہیلی کہنا زیادہ مناسب ہوگا اور اس طرح اپنی اور اپنے ہم مذہبوں کی جان چھڑالی اور اصل گفتگو مسلمانوں اور عیسائیوں میں رہی اور اس اجتماع میں، عیسائیوں کی طرف سے ان کے دیگر نامی گرامی پادریوں کے علاوہ پادری نولس صاحب انگلستانی بھی تھے جو بڑے لسان، عمدہ مقرر اور چوٹی کے مناظر تھے، پادری نولس صاحب کا یہ بے بنیاد دعویٰ تھا کہ مسیحی دین کے مقابلہ میں محمدی دین کی کچھ حقیقت نہیں (معاذ اللہ) اور اہلِ اسلام کی طرف سے جو حضرات اس موقعہ پر موجود تھے، ان مشاہیر میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمہ اللہ،

حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحب دیوبندیؒ، حضرت مولانا محمد الحسن صاحب گنگوہیؒ اور حضرت مولانا سید ابو المنصور صاحب دہلویؒ امام فن مناظرۂ اہل کتاب خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں ان کے علاوہ دیگر حضرات علماء اور اہل دل اور دیندار مسلمانوں نے بھی اس میں حصہ لیا۔ پہلے دن تو مباحثہ میں متعدد حضرات نے حصہ لیا اور پادری نولس صاحب کے مزعوم دلائل کے جوابات دیتے رہے اور اپنے دعاوی کا اثبات کرتے رہے مگر دوسرے دن مناظرہ میں صرف حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ نے حصہ لیا اور ایسے دلائل اسلام کی حقانیت پر پیش کئے کہ مجمع داد تحسین دیے بغیر نہ رہ سکا اور دین مسیحی کے منسوخ اور ناقابل اتباع ہونے پر ایسے ٹھوس براہین پیش کئے کہ۔ پادری باہم کہتے تھے آج ہم مغلوب ہو گئے (گفتگوئے مذہبی ملقب تاریخی میلۂ خدا شناسی ص۳۹)

اِس مناظرہ کی مکمل روداد اسی کتاب میں ملاحظہ فرمایئے کہ پادریوں کا معزور سر کیسے سرنگوں ہوا اور اسلام کی حقانیت اور صداقت کس طرح آشکارا ہوئی سچ ہے کہ ؎

نورِ خدا ہے کفر کی حرکت پہ خندہ زن پھونکوں سے یہ چراغ بجھایا نہ جائیگا

شاہجہان پور

اس مناظرہ کے تقریباً دو سال بعد ۱۲۹۵ھ ۱۸۷۸ء میں شاہجہان پور میں اہل اسلام اور مختلف باطل فرقوں کا مناظرہ اور مباحثہ طے ہوا جس میں پنڈت دیانند سرسوتی منشی اندرمن، پادری سکاٹ مفسرِ انجیل اور پادری نولس صاحب وغیرہ نے حصہ لیا اور اہل اسلام کی طرف سے متعدد علماء حق اور مشاہیر اس وقت اور اس مقام پر حاضر اور موجود تھے۔ مگر مناظرہ

پادریوں اور مسلمانوں کا ہوا اور لائے وقت کی نزاکت سے فائدہ اٹھا گئے۔ اس میں حضرت حجۃ الاسلام مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ مناظر تھے، انہوں نے عقلی و نقلی رنگ میں ایسی صحیح اور قطعی دلیلیں پیش فرمائیں کہ پادری صاحبان سے ان کا کوئی معقول جواب نہ بن سکا اور اس موقع پر بھی اسلام اور اہلِ اسلام کا بول بالا ہوا مسلمانوں کی کھلی فتح کا مسلمانوں اور عیسائیوں کے علاوہ متعصب ہندوؤں نے بھی اقرار کیا، چنانچہ منشی پیارے لال نے یہ کہا کہ مولوی قاسم صاحبؒ، کا حال کیا بیان کیجئے؟ ان کے دل پر علم کی سرستی (علم کی دیبی) بول رہی تھی۔" (مباحثہ شاہجہاں پور ص۹۲) اور پورے بانوے صفحات پر اس مناظرہ کی رو داد بارہا طبع ہو چکی ہے، اہلِ علم اس سے استفادہ کریں، اس کے علاوہ حجۃ الاسلام نے پادری تاراچند سے بھی مناظرہ کیا، چنانچہ سوانح قاسمی ص۱۵ از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ میں ہے۔

"ایک پادری تاراچند نام تھا، اس سے گفتگو ہوئی اور وہ بند ہوا اور گفتگو سے بھاگا سچ ہے شیروں کا مقابلہ لومڑیاں کیا کر سکیں۔"

پادری فنڈر کا فتنہ

پادری ڈاکٹر کارل فنڈر (جو ایک جرمنی مشنری تھا جسے روسی سلطنت نے جورجیا کے قلعے شوشا سے بدر کر دیا تھا) جس نے فارسی زبان میں "میزان الحق" نامی ایک کتاب شائع کی اور پھر اس کا اردو ترجمہ بھی کیا ملاحظہ ہو اہل مسجد ص۲۱۴ مصنفہ ایل بیون جونز، بی اے بی، ڈی لندن مترجمہ جے عبد السبحان بی اے، بی، ڈی، پنجاب ریلیجس بک

سوسائٹی انارکلی لاہور) نے ہندوستان پہنچ کر اور انگریز کی سرپرستی حاصل کر کے جب دریدہ دہنی سے عیسائیت کی تبلیغ شروع کی اور اہلِ اسلام کے خلاف جو زہر اُگلا اور پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی ازواج مطہرات رضی اللہ تعالیٰ عنہن کے بارے میں جو جو بہتان تراشی اور اتہام بازی اس نے اختیار کی اُس سے مسلمان تو آخر مسلمان ہیں منصف مزاج غیر مسلم بھی صد نفرین کیے بغیر نہیں رہ سکتے، پادری فنڈر جو اپنی بیباکی میں مشہور تھا، ہندوستان کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک تبلیغ عیسائیت کے سلسلہ میں سرگرم عمل تھا چنانچہ حضرت مولانا رحمت اللہ صاحب عثمانی کیرانوی (المتوفی ۲۲ رمضان ۱۳۰۸ھ جو حضرت مخدوم جلال الدین کبیر الاولیاء پانی پتی قدس سرہ العزیز کی اولاد میں تھے اور سلسلہ ولی اللّٰہی میں منسلک ہو کر دہلی میں تعلیمی اور تبلیغی خدمت انجام دے رہے تھے، اور آپ کی ولادت جمادی الاولیٰ ۱۲۳۳ھ میں کیرانہ ضلع مظفر نگر میں ہوئی تھی) نے پادری فنڈر کے ساتھ خط و کتابت کی اور اس کو مناظرہ کا چیلنج دیا اور تمام ابتدائی مراحل طے کر لینے کے بعد اکبر آباد آگرہ میں کئی دن کے لیے مناظرہ طے ہوا، یہ مناظرہ ۱۱ اپریل ۱۸۵۴ء مطابق ۱۲ رجب ۱۲۷۰ھ کو ہوا تھا جو اسلام اور عیسائیت کی صداقت اور حقانیت واضح کرنے کے لیے فیصلہ کن اور تاریخ ہندوستان میں اس موضوع کا سب سے پہلا اور عظیم الشان مناظرہ تھا جس میں طرفین سے معزز مسلمان، ہندو اور انگریز اس مناظرہ کے جج اور منصف قرار دیے گئے تھے چونکہ اللہ تعالیٰ اپنے آخری اور سچے دین کا حامی و ناصر ہے، اس نے اسلام کی صداقت کا ظاہری سبب اس موقع پر حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحب کو

کو بنایا جنہوں نے اپنی خداداد قابلیت، عمدہ ذہانت اور تبحر علمی سے تین روز کے متواتر مناظرہ میں دلائلِ قاہرہ اور براہینِ ساطعہ سے اس امر کو ثابت کر دیا کہ موجودہ انجیل جس پر آج پادری صاحبان کو فخر و ناز ہے، بالکل محرّف ہے جس میں ذرہ بھر شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے، اور خود عیسائیوں کے مایۂ ناز اور چوٹی کے مناظر پادری فنڈر صاحب کو عام جلسہ میں انجیل مقدس کی تحریف تسلیم کئے بغیر اور کوئی چارۂ کار نظر نہ آیا، نتیجہ یہ ہوا کہ رات کی تاریکی ہی میں پادری فنڈر صاحب اپنے چیلوں سمیت بھاگ گئے، جب چوتھے دن حسب معمول مناظرہ کا وقت آیا تو پبلک اور منصف تو بھی حاضر ہو گئے مگر پادری فنڈر صاحب کا کہیں نام و نشان نہ ملا، ناچار تمام ججوں اور منصفوں کو جو طرفین سے حکم قرار دیے گئے تھے، عیسائیت کے خلاف فیصلہ کرنا پڑا، اور پادری فنڈر صاحب نے ہندوستان چھوڑ کر دیگر ممالک اسلامیہ میں اپنے دجل کا جال پھیلانے کی سعی اور کوشش کی، چنانچہ وہ پھرتا پھراتا ترکی بھی جا پہنچا، اور وہاں کے علماء کو چیلنج کرتا پھرا، چونکہ وہ بے چارے اس کے ہتھکنڈوں سے واقف نہ تھے، اس لیے اس دریدہ دہن کے منہ نہ آتے تھے۔ بالآخر سلطان عبدالعزیز خان ترکیؒ کی خواہش اور صدر اعظم خیرالدین پاشا تونسیؒ کی تحریک پر حضرت مولانا رحمت اللہ صاحبؒ نے عربی زبان میں ایک محقق اور مدلل کتاب تصنیف فرمائی جس کا نام اظہار الحق رکھا جس کا ترکی، فارسی اور یورپ کی مختلف اور متعدد زبانوں میں ترجمہ ہوا، جب ۱۸۹۱ء میں انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ شائع ہوا تو مشہور اخبار ٹائمز آف لندن نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ لکھا کہ "اگر لوگ اس کتاب کو پڑھتے رہے

تو دُنیا میں عیسائی مذہب کی ترقی بند ہو جائے گی۔" (ملاحظہ ہو علمائے حق کے مجاہدانہ کارنامے حصہ اوّل) ص ۳۶۔

راقم الحروف نے آج سے تقریباً سولہ سترہ سال پہلے "اظہار الحق" کے عربی نسخہ کا مطالعہ کیا ہے، بلاشبہ ردِّ عیسائیت کے لیے بہترین اور لاجواب کتاب ہے مگر صرف اہلِ علم حضرات کے لیے ؎

ان مسائل میں ہے کچھ ژرف نگاہی درکار
یہ حقائق ہیں تماشائے لبِ بام نہیں

حضرت مولانا محمد رحمت اللہ صاحبؒ کے علاوہ اس وقت حضرت مولانا رحم علی صاحب منگلوریؒ، مولانا سید محمد علی صاحب مونگیریؒ، مولانا عنایت رسول صاحب چڑیا کوٹیؒ، ڈاکٹر وزیر خان صاحب اکبر آبادیؒ نے بھی عیسائیت کا خوب رد کیا اور اسلام کے ناقابل شکست قلعہ کو محفوظ رکھنے کی سعی بلیغ کی۔

آریہ کا فتنہ

آپ اوراقِ گزشتہ میں یہ پڑھ چکے ہیں کہ انگریز نے اقتدار اور حکومت کے بل بوتے پر اور پادری صاحبان نے حکومت برطانیہ ہی کے زیر سایہ رہ کر تبلیغ کے ذریعہ کس طرح مسلمانوں کے ایمان پر ڈاکہ ڈالا اور کیا کیا کوششیں اور کاوشیں کیں، یہ مصائب مسلمانوں کے لیے کیا کم تھے؟ مگر جب مصائب و آفات کے گھنگھور بادل چھا جاتے ہیں تو ان سے مصیبت کا صرف ایک ہی قطرہ نہیں ٹپکتا، بلکہ ایسی موسلا دھار بارش ہوتی ہے

کہ مشکلات و بلیات کے سیلاب اُمڈ آتے ہیں۔ ایک طرف انگریز اور عیسائیوں کا عظیم فتنہ تھا اور دوسری طرف انگریزوں کے چہیتے ہندوؤں اور آریاؤں کا کرتا دھرتا سوامی دیانند سرسوتی جو اپنے منطقیانہ اور فلسفیانہ استدلالات میں مشہور تھا، پورے ہندوستان میں لوگوں کو آریہ بنانے اور مسلمانوں کو مرتد کرنے کی (معاذ اللہ) مہم چلا رہا تھا، بیسیوں اس کے چیلے اور شاگرد تھے جو اسی کی ڈگر پر اسلام کے خلاف زہر اُگلتے تھے، سرسوتی کی حماقت اور دریدہ دہنی کا اندازہ لگانا ہو تو اس کی کتاب ستیارتھ پرکاش کا چودھواں باب ملاحظہ کیجیے، جس میں اُس نے بخیال خویش قرآن کریم کی بسم اللہ سے لے کر والناس تک کی تمام سورتوں پر اعتراضات کیے اور ان کی کمی اور خامی بتلائی ہے۔ (العیاذ باللہ) سرسوتی ہر مقام پر اسلام اور اسلامی عقائد پر خوب برستا تھا اور اہل اسلام کو جواب کے لیے للکارتا تھا۔ چنانچہ اپنا تبلیغی دورہ کرتا ہوا ۱۲۹۵ھ / ۱۸۷۸ء میں وہ رُڑکی جا پہنچا اور کئی دن تک وہاں قیام کر کے اسلام کے خلاف خوب دِل کھول کر زہر اُگلتا رہا، چونکہ وہاں اس وقت کوئی ایسا مستعد اور مناظر عالم نہ تھا جو اس کے فلسفیانہ اعتراضات کا جواب دے سکتا۔ اس لیے میدان کو خالی دیکھ کر اس کی ہمت اور دوچند ہو گئی حتیٰ کہ سر بازار اُس نے اسلام کے خلاف نازیبا اور واہی تباہی باتیں کہنا شروع کر دیں۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت اِن دنوں حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ (جو پہلے ہی سے ضیق النفس کے موذی مرض سے دوچار تھے) بخار اور کھانسی کے شدید مرض میں مبتلا تھے اور اُن کی علالت کی خبریں باقاعدہ ان کے احباب و تلامذہ اور عقیدت مندوں کو پہنچتی

رہتی تھیں، سرسوتی کے کانوں میں بھی حجۃ الاسلامؒ کی بیماری کی خبر پہنچ گئی تھی، جب رُڑکی کے کچھ درد دل رکھنے والے اور غیرت مند مسلمانوں نے سرسوتی کا حسب استطاعت جواب دینا ضروری سمجھا تو پنڈت صاحب یہ کہہ کر بات ٹال گئے (اور معلوم ہوتا ہے کہ پنڈتوں کو بات ٹالنے کا خاصا ملکہ اور نرالا ڈھنگ معلوم ہے جیسا کہ اس وقت پنڈت نہرو صاحب مسئلہ کشمیر کو سالہا سال سے ٹال رہے ہیں مگر نا کے ہیں) کہ ہم تو جاہلوں سے گفتگو کرنے کے لیے بالکل آمادہ ہی نہیں اپنے کسی بڑے مذہبی عالم کو بلاؤ پھر ہم گفتگو کریں گے، اور حضرت نانوتویؒ کی علالت کی خبر سُن کر اس سے پنڈت جی نے یہ ناجائز فائدہ اٹھایا کہ ہاں اگر مولوی کاسم (مولوی قاسمؒ) آئیں تو پھر ہم گفتگو کریں گے، پنڈت جی نے حالات سے بھانپ لیا تھا کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ اس شدید علالت میں کیونکر اور کیسے آسکتے ہیں؟ لہذا کوئی ایسی شرط لگاؤ کہ گفتگو کی نوبت ہی نہ آئے اور نہ پنڈت جی کے مبلغ علم کا بھرم کھلے اور نہ شرمندگی حاصل ہو، بقول شخصے، نہ نومن تیل ہوگا نہ رادھا ناچے گی۔

جب لوگوں نے شدید اصرار کیا کہ پنڈت جی آپ مولانا نانوتویؒ ہی سے گفتگو کرنے پر کیوں مصر ہیں تو وجہ تخصیص یہ بیان کی "میں تمام پورب میں پھرا اب تمام پنجاب میں پھر کر آیا ہوں، ہر اہل کمال سے مولانا کی تعریف سنی، ہر کوئی مولانا کو یکتائے روزگار کہتا ہے اور میں نے بھی مولانا کو شاہجہان پور کے جلسہ میں دیکھا ہے، ان کی تقریر دلآویز سنی ہے، اگر آدمی مباحثہ کرے تو ایسے کامل و یکتا سے کرے جس سے

کچھ فائدہ ہو کچھ نتیجہ نکلے۔" (بحوالۂ مقدمۂ انتصار الاسلام ص۲۰۱ از مولانا فخر الحسن صاحبؒ)

اہلِ رُڑکی نے جب حضرت نانوتویؒ سے پُرزور استدعا کی تو حضرت کے لیے خود شدت علالت میں وہاں پہنچنا تو ناممکن تھا آپ نے اپنی طرف سے چند نمائندے بھیجے جن میں خصوصیت سے حضرت مولانا شیخ الہند محمود الحسن صاحبؒ حضرت مولانا فخر الحسن صاحبؒ اور مولانا حافظ عبدالعدل صاحبؒ قابلِ ذکر ہیں، یہ حضرات پاپیادہ جمعرات کے دن مغرب سے پہلے روانہ ہوئے اور شام کی نماز دیوبند کے باغوں میں پڑھی گئی علی الصبح رُڑکی پہنچے حتیٰ کہ نماز جمعہ ادا کرنے کے بعد مقامی باشندوں کے ہمراہ پنڈت جی کی کوٹھی پر پہنچے اور بحث مباحثہ کی دعوت دی، مگر پنڈت جی اُسی پرانی ضد پر مُصر تھے کہ مولانا محمد قاسم صاحبؒ آئیں تو مباحثہ کروں گا اور کسی سے مباحثہ ہرگز نہ کروں گا جب وہ کسی صورت مباحثہ کرنے پر آمادہ نہ ہوئے تو یہ حضرات واپس ہو گئے اور اہلِ رُڑکی نے باوجود حضرت نانوتویؒ کی علالت کے محض اتمامِ حجت کے لیے وہاں پہنچنے کی استدعا کی تو مولانا باوجود علالت ضعف اور کمزوری کے جس طرح بھی ہو سکا رُڑکی تشریف لے گئے۔

رُڑکی میں اجتماع

حضرت مولاناؒ مع اپنے تلامذہ اور احباب کے شہر میں مقیم تھے اور سرسوتی صاحب رُڑکی کی چھاؤنی میں براجمان تھے، بحث و مباحثہ کے لیے ابتدائی مراحل طے کرنے کے لیے خط و کتابت ہوتی رہی مگر سرسوتی صاحب اور اُن کے معتقدین اس سے بھی گھبرا گئے اور یہ بہانا کیا کہ۔

"ہمارے سارے کام بند ہو گئے، آج سے ہمارے پاس کوئی اور تحریر نہ آئے ہم ہرگز جواب نہ دیں گے۔" (مقدمہ انتصار الاسلام ص ۵)

دوسرے روز حضرت مولاناؒ مع مولوی احسان اللہ صاحب میرٹھیؒ اور اپنے چند رفقا کے چھاؤنی چلے گئے، اور کرنل صاحب کی کوٹھی پر انتظام کیا گیا، کپتان صاحب اور کرنل صاحب نے مولاناؒ کی بڑی آؤ بھگت کی اور ان سے مختلف مضامین پر تبادلۂ خیال کیا اور داد تحسین دیتے رہے، اور پنڈت سرسوتی کو وہاں بلا کر کرنل صاحب نے کہا کہ تم مولوی صاحب سے کیوں گفتگو نہیں کر لیتے۔ مجمع عام میں تمہارا کیا نقصان ہے؟ پنڈت جی نے کہا کہ مجمع عام میں فساد کا اندیشہ ہے (جب پنڈت جی سر بازار اسلام کے خلاف اعتراضات کرتے تھے۔ اور خوب لوگوں کو سنا سنا کر کرتے تھے تو اس وقت تو کوئی خطرہ اور اندیشہ نہ تھا مگر اب اندیشہ پیدا ہو گیا؟ صفدر) کپتان صاحب نے کہا اچھا ہماری کوٹھی پر گفتگو ہو جائے ہم فساد کا بندوبست کر لیں گے، پنڈت جی نے کہا کہ ہم تو اپنی ہی کوٹھی پر گفتگو کریں گے اور پھر بھی اگر مجمع عام نہ ہو، جناب مولانا نے پنڈت جی سے کہا کہ لیجئے اب تو مجمع عام نہیں، دس بارہ ہی آدمی ہیں، اب سہی، آپ اعتراض کیجئے ہم جواب دیتے ہیں، پنڈت جی نے کہا کہ میں تو گفتگو کے ارادہ سے نہیں آیا تھا (تو مولوی کاسم کو للکارتے کاہے کو تھے اور ان کے ساتھ ہی گفتگو کرنے پر کیوں مصر تھے؟ صفدر) مولانا نے فرمایا کہ اب ارادہ کر لیجئے، ہم آپ کے مذہب پر اعتراض کرتے ہیں آپ جواب دیجئے یا آپ اعتراض ہم پر کیجئے اور ہم سے جواب لیجئے، پنڈت جی نے ایک نہ مانی، شرائط کے باب

میں گفتگو رہی لیکن کوئی نتیجہ نہ نکلا، مجلس برخاست ہوئی، جناب مولانا بھی اپنی فرودگاہ
پر تشریف لائے اور کئی روز تک شرائط میں ردوبدل رہی، آخر الامر مولانا نے یہ کہلا بھیجا کہ
پنڈت جی کسی جگہ مباحثہ کر لیں، بر سر بازار کر لیں، عوام میں کر لیں خواص میں کر لیں، تنہائی میں
کر لیں مگر کر لیں، پنڈت جی اپنی (رہائشی) کوٹھی پر مباحثہ کرنے کو راضی ہوئے اور وہ
بھی اس شرط پر کہ دو سو سے زیادہ آدمی نہ ہوں، مولانا مرحوم پنڈت جی کی کوٹھی پر جانے
کو تیار تھے مگر سرکار کی طرف سے ممانعت ہو گئی کہ چھاؤنی کی حد میں کوئی شخص گفتگو کرنے
نہ پائے، شہر میں جنگل میں کہیں بھی جی چاہے گفتگو کرے، مولانا نے پنڈت جی کو لکھا
کہ نہر کے کنارے پر یا عید گاہ کے میدان میں یا اور کہیں مباحثہ کر لیجئے، مگر پنڈت جی
کو بہانہ ہاتھ آگیا، انہوں نے ایک نہ سنی یہی کہا کہ میری کوٹھی پر چلے آؤ، چونکہ سرکار کی طرف
سے ممانعت ہو گئی تھی (بلکہ پنڈت جی اور اُن کے حواریوں نے ممانعت کروادی تھی، مصنف)
اس لئے جناب مولانا کوٹھی پر نہ جاسکے اور پنڈت جی کوٹھی سے باہر نہ نکلے۔ (مقدمہ انتصار
الاسلام ص۶) حضرت شیخ الہند مولانا محمود الحسن صاحبؒ اور مولانا حافظ عبد العدل صاحبؒ
لے کئی روز سر بازار پنڈت جی کے اعتراضات کے جوابات دیئے اور پنڈت جی کے مذہب
پر اعتراضات کئے اور پنڈت جی اور ان کے حواریوں کو غیرت دلائی کہ جواب دو۔ مگر
پنڈت جی اور ان کے شاگردوں اور معتقدوں کے کانوں پر جوں بھی نہ رینگی اور ان کو کوئی
ایسا سانپ سونگھ گیا کہ وہ ملنے ہی سے رہے، آخر مولانا نانوتویؒ نے فرمایا کہ اچھا پنڈت
جی مع اپنے شاگردوں اور معتقدوں کے میرا وعظ ہی سن لیں، مگر پنڈت جی وعظ میں تو کیا

آتے رڑکی سے بھی چل دیے اور ایسے گئے کہ پتہ بھی نہ چلا کہ کدھر گئے، الغرض مولانا نے بنفس نفیس بر سر بازار تین روز تک وعظ فرمایا مسلمان، ہندو، عیسائی اور سب چھوٹے بڑے انگریز جو رڑکی میں تھے، ان وعظوں میں شامل تھے، ہر قسم کے لوگوں کا ہجوم تھا، مولانا نے وہ وہ دلائل مذہب اسلام کے حق ہونے پر بیان فرمائے کہ سب حیران تھے، اہل جلسہ پر عالم سکتہ کا سا تھا، ہر شخص متأثر معلوم ہوتا تھا، پنڈت جی کے اعتراضوں کے وہ وہ جواب دندان شکن دیے کہ مخالف بھی مان گئے۔ (مقدمہ انتصار الاسلام ص۲)

پنڈت سرسوتی صاحب نے بزعم خود اصولی طور پر اسلام پر گیارہ اعتراضات کئے ہیں جن میں سے دس کے جوابات حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ نے انتصار الاسلام میں اور گیارھویں اعتراض کا مجمل اور مفصل جواب قبلہ نما میں دیا ہے۔ دونوں کتابیں اہل علم حضرات کے لیے غنیمت بارده ہیں۔

رڑکی کے بعد میرٹھ

جب پنڈت سرسوتی صاحب رڑکی سے بھاگ گئے تو پھرتے پھراتے میرٹھ پہنچے اور وہاں بھی مذہب اسلام پر بے سر و پا اعتراضات شروع کر دیئے حضرت حجۃ الاسلام مولانا نانوتویؒ اگرچہ مرض اور ضعف میں مبتلا تھے پھر بھی رضائے الٰہی حاصل کرنے اور مذہب اسلام سے مدافعت کرنے کے لیے آپ باں ضعف و بیماری میرٹھ پہنچے، چنانچہ پنڈت جی وہاں سے بھی کافور ہو گئے، اور خود پنڈت جی تو وہاں سے بھی چل دیئے البتہ ان کے حواری لالہ انند لال نے مذہب اسلام کے خلاف ایک مضمون لکھا جس کا جواب

حضرت نانوتوی رح نے اپنی کتاب "جواب ترکی بہ ترکی" میں دیا ہے، چنانچہ اسی کتاب "جواب ترکی بہ ترکی" میں لکھا کہ "پھر پنڈت دیانند کہیں پھر پھرا کر میرٹھ پہنچے اور وہاں بھی ان کے وہی دعوے تھے، اور نیز اسی میں تصریح ہے کہ "ہرچند مرض کے بقیہ اور ضعف کے سبب قوت نہ تھی، مگر ہمت کر کے (میرٹھ) پہنچے" اور پھر لکھا ہے کہ "مولوی قاسم صاحب نے پنڈت جی کو میرٹھ سے بھگا کر کہیں کا کہیں پہنچایا" (ص ۳۹) اور وہ (پنڈت جی) بہانہ کر کے وہاں سے کافر ہو گیا"۔ اِس سب واقعہ کی تفصیل سوانح قاسمی (جلد دوم ص ۵۱۳، ۵۱۳ مصنفہ مولانا گیلانی) میں مذکور ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ پنڈت جی کچھ ایسے حواس باختہ ہو گئے کہ اُن کو نہ تو فرار کے بغیر کوئی اور راہ نظر آتی ہے اور نہ سر چھپانے کے لیے کوئی اوٹ ؎

شوریدگی کے ہاتھ سے سَر ہے وبالِ دوش
صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

اِن حضرات کی یہ اسلامی خدمات صرف ہندوستان ہی میں مشہور نہیں بلکہ مرکزِ ایمان مکہ مکرمہ وغیرہ میں بھی معروف ہیں، چنانچہ مکہ مکرمہ کے ایک رسالہ میں یہ نقل کیا گیا ہے کہ:۔

"اور حقیقت یہ ہے کہ آریوں کے دیانند سَرسوتی کے مقابلہ کے لیے خاص طور پر حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رح کا ظہور تائیدِ غیبی ہی کا نشان ہے اور پھر جس طرح عقائدِ حقہ کی اشاعت اور ردّ بدعات کا اہم کام مولانا محمد قاسم

صاحبؒ اور مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ اور اس جماعت کے دیگر مقدس افراد کے ذریعہ انجام پایا، اس کے آثار باقیہ اب بھی ہماری نگاہوں کے سامنے ہیں۔ (ملاحظہ ہو ایک مجاہد معمار مطبوعہ شائع کردہ مرکزی دارالعلوم حرم صوتیہ مکہ مکرمہ) اور مؤرخِ اسلام حضرت مولانا سید سلیمان ندویؒ (المتوفی ۱۳۷۳ھ/۱۹۵۳ء) نے "حیاتِ شبلیؒ" کے دیباچہ میں ان اکابر کی علمی اور اصلاحی خدمات کا عمدہ تذکرہ کیا ہے۔

کچھ اپنوں کے بارے میں

یہ جو کچھ بھی عرض کیا گیا ہے کہ جابر برطانیہ پادریوں اور آریوں کے فتنے اسلام کے خلاف جو کچھ کرتے رہے وہ تو اُنہوں نے کیا ہی مگر صد افسوس ہے کہ پیغمبر عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لگائے اور خون اور پسینہ سے سینچے ہوئے باغ کو ویران کرنے کی کوشش میں صرف دشمن ہی نہیں بلکہ محب نما دوست بھی مصروف تھے، معصیت اور جہالت کی گھنگھور گھٹائیں اُمنڈ اُمنڈ کر ہندوستان پر محیط ہوگئی تھیں، بھولے بھالے مسلمان ہندوؤں کی روش اور ان کے رسم و رواج کے کچھ ایسے غلام اور دلدادہ بن چکے تھے کہ بجائے سنت نبوی (علیٰ صاحبہا الف الف تحیۃ) اپنی رسوم و رواجوں میں ان کو جس کروٹ کوئی لٹاتا وہ لیٹتے اور جس پہلو ان کو کوئی بٹھاتا وہ بیٹھتے، دین سے غفلت اور بے خبری اکثر مسلمانوں کے دلوں پر اس طرح چھائی ہوئی تھی جس طرح موسم برسات میں سیاہ بدلیاں بادل آفتاب کو ڈھانپ لیتے اور دن کو رات بنا دیتے ہیں، غرضیکہ دلوں کی کایا کچھ ایسے رنگ میں پلٹی ہوئی تھی کہ بربادی کا نام شادی، جہل کا نام علم، مشرکانہ رسوم کا نام دین

اور خرافات و شعبدہ بازی کا نام کشف و کرامات تجویز کر رکھا تھا، ضلالت اور گمراہی کا طوفان ہدایت اور رشد کی مضبوط دیواروں سے ٹکراتا اور شور مچاتا ہوا چلا جاتا تھا، علمِ شریعت کی تحقیر اور سنتِ نبویہ کی تذلیل و توہین بڑھتی جاتی تھی، عوام علماءِ حق سے اپنے آپ کو مستغنی اور بے نیاز سمجھتے تھے، محدثات اور بدعات کو جزوِ اسلام بنالیا گیا تھا کہیں نیچریت سر اُٹھاتی تھی تو کہیں اہلِ بدعت بدعات میں منہمک تھے، کہیں رفض و تشیع کا غلبہ تھا تو کہیں عدمِ تقلید جنم لے رہی تھی، کہیں ڈھول و سارنگی کھڑکتی اور قوالیاں ہوتی تھیں تو کہیں بازاری عورتوں کے گانے پر وجد و حال کی محفلیں گرم دکھائی دیتی تھیں، کہیں گور پرستی کہیں تعزیہ پرستی کا عروج تھا، تو کہیں حُبِ جاہ و مال اور طمع نفسانی کی اُمنگیں پورے جوبن پر تھیں، اس وقت ایسے حالات کو دیکھ کر اہلِ دل حضرات پر کیا گزری ہوگی. پوچھنا ہی کیا؟ ؎

بیمارِ غم کا حال خود آنکھوں سے دیکھ لو
کیا پوچھتے ہو دل پہ جو گزری گزر گئی!

تاریخ قیامِ دار العلوم دیوبند

یہ تھے وہ مختصر سے دل گداز اسباب و علل جن کی وجہ سے حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقائے کار نے فراستِ ایمانی اور دیدۂ بصیرت سے اندازہ کرلیا کہ اگر ان نازک حالات میں مذہبی اور دینی طور پر مسلمانوں کی حفاظت و تربیت کا کوئی معقول اور خاطر خواہ انتظام نہ کیا گیا اور قرآن و حدیث، فقہ و تاریخِ اسلامی اور سلفِ صالحین کے اعلیٰ

کارناموں اور اقدار سے ان کو باخبر نہ رکھا گیا تو سخت خطرہ ہے کہ (العیاذ باللہ) مسلمان کہیں نصرانیت اور دیگر فتنوں کے دام ہم رنگ زمین ہی میں نہ الجھ جائیں، جس جال کو بچھانے میں شاطرانِ افرنگ اور پنڈتوں اور دیگر باطل پرستوں کے عزائم و مساعی کوئی رازِ پنہاں نہ تھے مسلمانوں کی اجتماعی شیرازہ بندی کو پراگندہ کرنے اور آئندہ ان کو دینی ماحول اور دینی علوم و فنون سے بے بہرہ رکھنے کی جو کوشش و کاوش اس ملک میں ہو رہی تھی، ان تمام پریشانیوں کو سوچنے اور سمجھنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقاءِ کار کو نتیجہ رس دماغ اور سیماب کی طرح بے قرار دلِ مرحمت فرمایا تھا، جو مستقبل بعید کو اپنے تدبر و تفکر کے آئینہ میں حال کی طرح دیکھ رہے تھے اور متلاشیانِ حق کے ایک ایک فرد کو زبانِ حال سے پکار پکار کر یہ کہہ رہے تھے ؎

کھول کر آنکھیں مرے آئینۂ گفتار میں
آنے والے دور کی دھندلی سی اک تصویر دیکھ

۱۵ محرم ۱۲۸۳ھ مطابق ۱۸۶۷ء بروز جمعرات (اسی دن ہفتہ بھر کے نیک اعمال اللہ تعالیٰ کے ہاں پیش ہوتے ہیں) تاریخ کا وہ مبارک دن تھا جس میں پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی دی ہوئی امانت کا چشمۂ علم سرزمینِ دیوبند سے پھوٹا اور رشد و ہدایت کا پودا شجرۂ طوبیٰ بن کر پھیلا جس کے لذیذ پھل سے دنیائے اسلام کی علمی بھوک ختم ہوئی، اور جس کی سرسبز و شاداب شاخوں کے سایہ کے نیچے جہالت اور غفلت کی بادِ سموم میں جھلسنے والوں کو چین اور اطمینان نصیب ہوا اور اس صاف اور شفاف چشمہ سے نہریں لو

ندیاں پھوٹ پھوٹ کر نکلیں اور ایشیا بھر کے مُردہ دِلوں کو زندہ اور اجڑے ہوئے قلوب کو لہلہاتا ہوا چمن بنا دیا۔

اِس مبارک تقریب میں بہت سے باخدا بزرگ جمع ہوئے اور دارالعلوم دیوبند کی موجودہ عالیشان عمارت کے متصل جنوب کی طرف مسجد چھتہ میں انار کے درخت کی ٹہنیوں کے سایہ میں اس مدرسہ کا افتتاح ہُوا، اور سب سے پہلے معلّم حضرت مُلّا محمودؒ صاحبؒ اور سب سے پہلے متعلم حضرت مولانا محمود الحسن صاحبؒ دیوبندی قرار پائے۔

اس مبارک مدرسہ کے آغاز کی خبر جب بتانے والوں نے مکۃ مکرمہ میں حضرت حاجی امداد اللہ صاحبؒ کو بتائی اور یہ کہا کہ حضرت ہم نے دیوبند میں ایک مدرسہ قائم کیا ہے، اس کے لیے دعا فرمائی جائے (کیونکہ مدرسہ کے بغیر احیاء دین کی اس وقت اور کوئی صورت نظر نہیں آتی) تو حضرت حاجی صاحبؒ نے فرمایا۔

سبحان اللہ! آپ فرماتے ہیں ہم نے مدرسہ قائم کیا ہے، یہ خبر نہیں کہ کتنی پیشانیاں اوقاتِ سحر میں سربسجود ہو کر گڑگڑاتی رہیں کہ خداوندا ہندوستان میں بقاءِ اسلام اور تحفظِ علم کا کوئی ذریعہ پیدا کر، یہ مدرسہ ان ہی سحر گاہی دُعاؤں کا ثمرہ ہے۔

(علماءِ حق کے مجاہدانہ کارنامے حصّہ اوّل ص۱۱، سوانح قاسمی جلد۲ ص۲۲۳ از مولانا مناظر احسن گیلانی)

بلاشبہ دارالعلوم دیوبند ہندوستان میں تحفّظ اور بقائے اسلام کا ذریعہ ہے اور

اس کی وجہ سے ہزاروں پیاسوں کو سیرابی نصیب ہوئی ہے۔ آہ ؎

پیمنے میں آگیا کہاں پیٹی ہیں اُڑ کے مستیاں

اتنی ہے تند مے یہاں مست ہوں اور پی نہیں

عشقِ محمدی (صلی اللہ علیہ وسلم) پر چند واقعات

حضرت نانوتویؒ اور آپ کے رفقاءِ کار اور عقیدت مندوں کو جس درجہ اور جس قدر والہانہ عشق و محبت اور اخلاص و عقیدت جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے ساتھ ہے، اس کا انکار بغیر کسی متعصب اور سوائے کسی متعنت کے اور کوئی نہیں کرسکتا۔ رومانی افسانوں میں مجنوں بنی عامر کے عشق و محبت کے بڑے بڑے افسانے زبان زدِ خلائق ہیں لیکن اگر مجنوں سگِ کوچۂ لیلیٰ پر فدا تھا تو حضرت نانوتویؒ اور اُن کے رفقائے کار مدینہ طیبہ کی مبارک گلیوں کے ذرات پر قربان و نثار تھے۔ اگر مجنوں لیلےٰ کے عشق میں مجبور و مقہور تھا تو یہ حضرات عشقِ محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں بے چین و بے قرار تھے، اگر مجنوں لیلےٰ کی اداؤں پر مفتون تھا تو یہ حضرات اپنے آخر الزمان نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی پیاری سنتوں کے شیدائی تھے، اگر مجنون لیلےٰ کے اُنس والفت کے دام میں گرفتار تھا تو یہ حضرات آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے تعلق و علاقہ پر نثار تھے، اور آپ کے لگاؤ اور آپ کی پسند کو جانِ عزیز سے بھی زیادہ قیمتی سمجھتے تھے، کیونکہ وہ یہ جانتے اور دل سے مانتے تھے کہ دینی اور دُنیوی تمام لذتوں کا سرچشمہ ہی اُس برگزیدہ ہستی کے ساتھ مودّت اور عقیدت ہے جن کے ارشاد فرمودہ ایک جملہ کے مقابلہ میں دنیا بھر کے لعل و گوہر

اور ہفت اقلیم کی دولت اور خزانے قطعاً کوئی وقعت وحیثیت نہیں رکھتے اور جن کے پیارے اقوال وافعال اور اسوہ حسنہ کے مقابلہ میں کوئی لذیذ اور خوش آیند سے خوش آیند چیز بھی ایک رتی بھر کا وزن نہیں رکھتی، جن کا اسم گرامی دُنیا کی تمام شیرینیوں اور شربتوں سے میٹھا اور جن کی ایک ادنیٰ سنّت بھی جواہرات سے مرصّع تاج شاہی سے بھی زیادہ مرغوب وپسندیدہ ہے کیا ہی خوش قسمت ہے وہ قوم جس کو جناب رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم جیسا افضل المخلوقات نبی اور آپ کی شریعت جیسی بیش بہا شریعت مل گئی جس کے بعد کسی اور کمال اور خوبی کی سکرے کوئی حاجت ہی باقی نہیں رہتی، کیا خوب کہا گیا ہے کہ ؎

شرابِ خوشگوارم ہست ویار مہرباں ساقی
ندارد ہیچ کس یارے چنیں یارے کہ من دارم

حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ کے عشقِ نبوی (علیٰ صاحبہ الف الف تحیۃ وسلام) کے واقعات قولی اور فعلی تو بہت کچھ ہیں جن کے بیان کرنے کے لیے دفتر درکار ہیں ہم صرف چند واقعات بطورِ نمونہ باحوالہ عرض کیے دیتے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ ہندوستان میں بعض حضرات کیمزت (سبز رنگ) کا جوتا بڑے شوق سے پہنتے تھے اور اب بھی پہنتے ہیں، لیکن حضرت نانوتویؒ نے ایسا جوتا مدّت العمر کبھی نہیں پہنا اور اگر کوئی تحفۃً لا دیتا، تو اس کے پہننے سے اجتناب وگریز کرتے اور آگے کسی کو ہدیہ دے دیتے، اور سبز رنگ کا جوتا پہننے سے محض اس لیے گریز کرتے کہ سرورِ دوجہاں

حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے گنبدِ خضراء کا رنگ سبز ہے پھر بھلا ایسے رنگ کے جوتے پاؤں پر کیسے اور کیونکر استعمال کیے جا سکتے ہیں؟ چنانچہ شیخ العرب والعجم حضرت استاذنا المکرم مولانا سید حسین احمد صاحب مدنیؒ (المتوفی ۱۳۷۷ھ / ۱۹۵۷ء) حجۃ الاسلام حضرت نانوتویؒ کے حالات بیان کرتے ہوئے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

• تمام عمر کیمخت کا جوتا اس وجہ سے کہ قبہ مبارک سبز رنگ کا ہے نہ پہنا، اگر کوئی ہدیہ لے آیا تو کسی دوسرے کو دے دیا۔ (الشہاب الثاقب ص۵۲)

اندازہ کیجئے اس نظرِ بصیرت اور فریفتگی کا کہ گنبدِ خضراء کے ظاہری رنگ کے ساتھ بھی کس قدر عقیدت و الفت ہے جس کے اندر عظیم المرتبت مکین آرام فرما ہیں جن کا نظیر، جن کی مثال اور جن کا ثانی خدا تعالیٰ کی ساری مخلوق میں نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ تا قیامت آسکتا ہے، علامہ اقبال مرحوم نے شاید اسی کی ترجمانی کی ہے ؎

رُخِ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزمِ خیال میں نہ دوکانِ آئینہ ساز میں

۲۔ حضرت نانوتویؒ جب حج کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ طیبہ سے کئی میل دُور ہی سے پا برہنہ چلتے رہے، آپ کے دل اور ضمیر نے یہ اجازت نہ دی کہ دیارِ حبیبؐ میں جوتا پہن کر چلیں حالانکہ وہاں سخت نوکیلے سنگریزے اور چبھنے والے پتھروں کی بھرمار ہے، چنانچہ حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانیؒ جناب مولانا حکیم منصور علیخاں صاحب حیدر آبادیؒ کے حوالے سے نقل کرتے ہیں جو اس سفرِ حج میں حجۃ الاسلام کے

رفیق سفر تھے کہ۔

"مولانا مرحوم مدینہ منورۃ تک کئی میل آخر شب تاریک میں اسی طرح چل کر پابرہنہ پہنچ گئے۔" (سوانح قاسمی جلد ۲ صلا)

اور نیز حکیم موصوفؒ کے حوالہ ہی سے ارقام فرماتے ہیں کہ۔

جب منزل بمنزل مدینہ شریف کے قریب ہمارا قافلہ پہنچا، جہاں روضۂ پاک، صاحب لولاک نظر آتا تھا، فوراً جناب مولانا محمد قاسم صاحب مرحوم نے اپنے نعلین اتار کر بغل میں دبالیں اور پابرہنہ چلنا شروع کیا۔" (الیضاً ص ۹۱)

ملاحظہ فرمایئے کہ حضرت نانوتویؒ کو مدینہ طیبہ اور گنبد خضرا کے ساتھ کس قدر عقیدت اور کیسی فریفتگیؒ تھی، اور دیکھیے کہ حسن تادّب کا کیا ہی بہترین طریقہ اختیار فرما کر اپنی فرط محبت کا اظہار فرمایا اور یہ ساری عقیدت و محبت امام الانبیاء خاتم الرسل حضرت محمد مصطفیٰ احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجہ سے ہے، ورنہ اس سنگلاخ رقبہ اور بھتر ملی زمین کی فی نفسہٖ کیا قدر ہے؟ جو کچھ بھی ہے اور جتنی کچھ بھی ہے وہ حبیب کبریا صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی بدولت ہے اور آپ ہی کے واسطے سے ہے اور ایسے ہی موقع کے لیے کسی کُشتۂ عشق نے یہ کہا ہے کہ ؎

وما حُبّ الدّیار شغفن قلبی

ولٰکن حب من نزل الدّیارا

میرا اور میرے تمام اکابر کا یہ عقیدہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک

کا وہ حصّہ جو آپ کے جسدِ اطہر سے لگتا ہے عرش سے بھی زیادہ مرتبہ اور فوقیت رکھتا ہے۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو وفاء الوفیٰ جلد ا ص۱۹، سیرت حلبی ج ۲ ص ۳۲ اور رُوح المعانی ج ۱۵ ص ۲۲۱ وغیرہ) اور اس کی وجہ بھی صرف اور صرف یہ ہے کہ ؎

عرش پر گر فرش بھاری ہے تو ہے اُس خاک سے
جس میں محوِ خواب ہے کون و مکاں کا تاجدار

۳۔ انگریز کے خلاف جہاد ۱۸۵۷ء میں دیگر اکابر کی طرح حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ بھی بنفسِ نفیس خود شاملی وغیرہ میں شامل تھے، اور تذکرۃ الرشید کے حوالہ سے گزر چکا ہے کہ جب ظالم انگریز کی طرف سے حضرت مولانا حاجی امداد اللہ صاحبؒ، حضرت مولانا محمد قاسم صاحبؒ اور حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے وارنٹ گرفتاری جاری ہو چکے اور گرفتار کنندہ کے لیے صلہ تجویز ہو چکا تو اس کے لیے لوگ تلاش میں ساعی اور حراست کی تگ و دو میں پھرتے رہے، چونکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت نانوتویؒ کو کمال شجاعت، استقلال اور ہمتِ قلب عطا فرمائی تھی، اس لیے وہ ہر قسم کے نتیجہ سے بے نیاز ہو کر کھلے بندوں پھرتے تھے، مگر اعزّہ اور اقارب اور ہمدردوں کی طرف سے جب شدید اور بلیغ اصرار ہوا کہ حضرت وقت کی نزاکت کے پیشِ نظر ضرور روپوش ہو جائیں تو ان کے اصرار کی وجہ سے تین دن روپوش رہے، اور لکھا ہے کہ:

"تین دن پورے ہوتے ہی ایک دم باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے چلنے لگے، لوگوں نے پھر منت روپوشی کے لیے عرض کیا تو فرمایا کہ تین دن سے زیادہ

روپوش ہونا سنت سے ثابت نہیں کیوں کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کے وقت غارِ ثور میں تین ہی دن روپوش رہے ہیں۔" (سوانح قاسمی ج ۲ ص ۱۷۲، ۱۷۳ از مولانا گیلانیؒ)

داد دیجیے اس جذبۂ اتباعِ سنت کی کہ ظالم انگریز اُن دنوں اہلِ ہند کے خلاف عموماً اور مسلمانوں کے خلاف خصوصاً سفاکانہ اور قاتلانہ حربے استعمال کر رہا تھا اور نہایت بے دردی کے ساتھ مظلوموں کے ناحق خون سے ہولی کھیلتا تھا، وہ کون سی حیاسوز اور دل آزار حرکت تھی جو اس ظالم نے مجاہدوں کے خلاف روا نہ رکھی تھی اور وہ کونسی غیر انسانی کاروائی تھی جو اُس نے چھوڑ دی تھی؟ اُس وقت انگریز کا ظلم و جور اور تعدی و ستم اپنے نقطۂ عروج پر تھا لیکن حجۃ الاسلام اپنی حیات سے بے نیاز ہو کر اس موقعہ پر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنتِ اضطراری کو ترک کرنے پر باوجود شدید اصرار کے آمادہ نہ ہوئے اور تین دن کے بعد فوراً باہر نکل آئے اور کھلے بندوں پھرنے لگے اور اس روپوشی کی حالت میں بھی آقائے نامدار صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے عشق و محبت کا تعلق اور رابطہ مستحکم ہی رکھا اور اس نازک حالت میں بھی سنت پر نگاہ جمی رہی ۔

تھا اسیری میں بھی کچھ ایسا تعلق روح کو
ہم قفس میں روز خوابِ آشیاں دیکھا کیے

۴۔ حضرت حجۃ الاسلامؒ نے نظم اور نثر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جو مدح اور تعریف بیان کی ہے اور جس خلوص و عقیدت سے اس کا اظہار کیا ہے، اُن کی

کتابوں کو پڑھنے اور دیکھنے والا بجز کسی متعصب کے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ تمام کتابوں کی عبارتیں جو نظم و نثر میں آپ نے سرورِ دوجہان صلی اللہ علیہ وسلم کی توصیف و تعریف میں بیان فرمائی ہیں، نقل اور پیش کرتا تو کارے دارد صرف بطور نمونہ ہم قصائد قاسمی کے پہلے قصیدہ سے (جو ایک سو اکیاون [۱۵۱] اشعار پر حاوی ہے) صرف چند اشعار بلا رعایتِ ترتیب پیش کرتے ہیں، قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔

فلک پہ عیسیٰ و ادریس ہیں تو خیر سہی — زمیں پہ جلوہ نما ہیں محمدِ مختار

فلک پہ سب سہی پر ہے نہ ثانیِ احمد — زمیں پہ کچھ نہ ہو پر ہے محمدی سرکار

تو فخرِ کون و مکاں زبدۂ زمین و زماں — امیرِ لشکرِ پیغمبراں شہِ ابرار

خدا تیرا تو خدا کا حبیب اور محبوب — خدا ہے آپ کا عاشق تم اس کے عاشقِ زار

تو بوئے گل ہے اگر مثلِ گل ہیں اور نبی — تو نورِ شمس اگر اور انبیاء ہیں شمسِ نہار

جہاں کے سارے کمالات ایک تجھ میں ہیں — تیرے کمال کسی میں نہیں مگر دو چار

گرفت ہو تو ترے ایک بندہ ہونے میں — جو ہو سکے تو خدائی کا ایک تری انکار

بجز خدائی نہیں چھوٹا تجھ سے کوئی کمال — بغیر بندگی کیا ہے لگے جو تجھ کو عار

کہاں بلندیِ طور اور کہاں تری معراج — کہیں ہوئے ہیں زمین آسمان ہموار

جمال کو ترے کب پہنچے حسنِ یوسف کا — وہ دلربائے زلیخا تو شاہدِ ستّار

رہا جمال پہ تیرے حجابِ بشریت نجانا کون ہے کچھ بھی کسی نے جز ستار
سوا خدا کے بھلا تجھ کو کوئی کیا جانے تو شمس نور ہے شپّر نمط اُولوالابصار

کفیلِ جُرم اگر آپ کی شفاعت ہو تو قاسمی بھی طریقہ ہو مومنوں میں شمار
ترے بھروسہ پہ رکھتا ہے غرّہ طاعت گناہ قاسم برگشتہ بخت بد اطوار
گناہ کیا ہے اگر کچھ گناہ کئے میں نے تجھے شفیع کہے کون گر نہ ہوں بدکار
تمہارے حرفِ شکایت پہ غضب ہے عاشق اگر گناہ کو ہے خوفِ غصّہ قہار
یہ سُن کے آپ شفیع گناہگاراں ہیں کئے ہیں میں نے اکھٹے گناہ کے انبار

مددگار[1] اے کرمِ احمدی کہ تیرے سوا نہیں ہے قاسم بیکس کا کوئی حامی کار
دیا ہے حق نے تجھے سب سے مرتبہ عالی کیا ہے سارے بڑے چھوٹوں کا تجھے سردار
جو تو ہی ہم کو نہ پوچھے تو کون پوچھے گا بنے گا کون ہمارا ترے سوا غم خوار

---

۱ اس مدد سے مافوق الاسباب قسم کی مدد جو خاصۂ خداوندی ہے ہرگز مراد نہیں جیسا کہ بعض اہلِ بدعت نے یہ سمجھ رکھا ہے بلکہ اس سے شفاعت کی مدد مراد ہے جو قیامت کے دن ہوگی اور اسی قصیدہ کے اس سے پہلے اشعار اس کا واضح قرینہ اور دلیل ہیں جن میں صاف طور پر شفاعت کا ذکر کیا گیا ہے ۱۲ مصنف۔

اُمیدیں لاکھوں ہیں لیکن بڑی اُمید یہ ہے کہ ہو سگانِ مدینہ میں میرا نام شمار

جیوں تو ساتھ سگانِ حرم کے تیرے پھروں مروں تو کھائیں مدینہ کے مجھ مرغ و مار

جو یہ نصیب نہ ہو اور کہاں نصیب میرے کہ میں ہوں اور سگانِ حرم کی تیرے قطار

اُڑا کے باد مری مُشتِ خاک پسِ مرگ کرے حضور کے روضے کے آس پاس نثار

ولے یہ رُتبہ کہاں مشتِ خاک قاسمؔ کا

کہ جائے کوچہ اطہر میں تیرے بن کے غبار

(قصیدہ قاسمی از ص ۵ تا ۱۰ ملتقطاً)

تدبر فرمایئے کہ ایک ایک شعر میں کس طرح حضرت نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (اور آپ ہی کی بدولت مدینہ طیبہ) سے اظہار عقیدت کیا ہے اور کس طرح ایک ایک مصرع سے عشقِ نبوی ٹپک اور چھلک رہا ہے اور کس شانِ جلالت کا اظہار ان اشعار (بلکہ سارے قصیدہ) میں کیا ہے ۔ ہر باخدا اور منصف مزاج آدمی اس سے صحیح طور پر اندازہ لگا سکتا ہے کہ حضرت نانوتویؒ کے دل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کس طرح انتہائی عقیدت اور بے حد محبت تھی اور کس طرح سوز و گداز کے ساتھ وہ اپنی بے چارگی اور جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علوِ مرتبت کا ترانہ لگاتے ہیں اور آپ کے

لہ مولانا مرحوم خود ایک مقام پر فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی مکان کی طرف جاتا ہے تو مکین مقصود ہوتا ہے اس طرف کو آداب و نیاز بجا لاتا ہے تو اس کا آداب نیاز کو ہر شخص صاحب خانہ کے لیے سمجھتا ہے (قبلہ نما ص ۲۲)

عشق میں کس بے تابی، بے چینی، اور بے قراری کا ذکر فرماتے ہیں، اور کس بے حد خوش عقیدگی کے ساتھ مدینہ طیبہ کی گلیوں کا تذکرہ فرماتے ہیں۔

۵۔ نثر میں حضرت نانوتویؒ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف میں جو کچھ فرمایا اس پر ان کی تمام کتابیں شاہد عدل ہیں، ہم ان کی تصنیف لطیف قبلہ نما کا ایک حوالہ عرض کرتے ہیں، حضرت موصوفؒ پنڈت دیانند سرسوتی کو اس اعتراض کا کہ مسلمان بھی (معاذ اللہ) بت پرست ہیں کیونکہ وہ بھی قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز پڑھتے ہیں جواب دیتے ہوئے چھٹا جواب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"چھٹے اہل اسلام کے نزدیک مستحق عبادت وہ ہے جو بذات خود موجود ہو اور سوا اس کے سب اپنے وجود و بقا میں اس کے محتاج ہوں اور سب کے نفع و ضرر کا اس کو اختیار ہو اور اس کا نفع و ضرر کسی سے ممکن نہ ہو، اس کا کمال و جمال و جلال ذاتی ہو اور سوا اسکے سب کا کمال و جمال و جلال اس کی عطا ہو مگر موصوف بایں وصف ان کے نزدیک بشہادت عقل و نقل سوا ایک ذات خداوندی کے اور کوئی نہیں یہاں تک کہ ان کے نزدیک بعد خدا سب میں افضل محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، نہ کوئی آدمی ان کی برابر نہ کوئی فرشتہ نہ عرش نہ کرسی ان کے ہمسر نہ کعبہ ان کا ہم پلہ، مگر بایں ہمہ ان کو بھی ہر طرح خدا تعالیٰ کا محتاج سمجھتے ہیں، ایک ذرہ کے بنانے کا ان کو اختیار نہیں ایک رتی برابر کسی کے نقصان کی ان کو قدرت نہیں، خالق کائنات خواہ فاعل خواہ افعال اہل اسلام کے

نزدیک خدا ہے وہ نہیں اسی لیے کلمہ شہادت میں مدار کار ایمان ہے یعنی

اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

خدا کی وحدانیت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی عبدیت اور رسالت

کا اقرار کرتے ہیں، اس صورت میں اہلِ اسلام کی عبادت سوائے خدا اور کسی

کے لیے متصور نہیں، اگر ہوتی تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کیلئے ہوتی،

مگر جب ان کو بھی عبد ہی مانا معبود نہیں مانا بلکہ انکی افضلیت کی وجہ ان کی

کمال عبودیت اور عبدیت کو قرار دیا تو پھر خانۂ کعبہ کو ان کا معبود اور مسجود قرار

دینا بجز تہمت یا کم فہمی و جہالت اور کیا ہوسکتا ہے۔" الخ (قبلہ نما ص ۵)

اس سے قبل حضرت نانوتوی پانچ جوابات اور بیان فرما چکے ہیں جن میں سے بعض کا

مختصر سا خلاصہ یہ ہے کہ۔

" اہلِ اسلام کعبہ کی طرف منہ تو ضرور کرتے ہیں لیکن عبادت کعبہ کی نہیں کرتے اور

نہ اس کو مسجود لہٗ سمجھتے ہیں، عبادت تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی کرتے ہیں،

کعبہ تو صرف ایک جہت ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بے شمار مصلحتوں کے علاوہ

ایک اس مصلحت کے لیے متعین فرمایا ہے تاکہ مسلمانوں کا اس یک جہتی کی وجہ

سے اتفاق و اتحاد قائم رہے۔" (محصلہ بتوضیح)

قبلہ نما کی اس عبارت سے جہاں اللہ تعالیٰ کی خالص توحید اور جناب رسول اللہ صلی

اللہ علیہ وسلّم کی جلالت شان اور منصب رسالت واضح ہوتا ہے، اس سے یہ

مدد کر اے کرم احمدی کہ تیرے سوا وغیرہ اشعار و عبارات کا مطلب بھی بالکل عیاں و آشکارا ہو جاتا ہے کہ نہ تو حضرت نانوتویؒ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو نافع اور ضار سمجھتے ہیں اور نہ اِس ارادہ سے آپ کو پکارتے اور مدد مانگتے ہیں جیسا کہ بعض اہلِ بدعت نے سوءِ فہم سے یہ سمجھ رکھا ہے بلکہ محض عشق و محبت کے طور پر یہ ندا اور خطاب ہے، نہ یہ کہ حاضر و ناظر سمجھ کر ان سے استمداد کی گئی ہے، وہ تو حاضر و ناظر سمجھنے کو کفر لکھتے اور سمجھتے ہیں چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ اور الصلوٰۃ والسّلام علیک یارسول اللہ بہت مختصر ہے مگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاضر و ناظر نہ سمجھنا چاہیئے، ورنہ اسلام کیا ہوگا کفر ہوگا بلکہ یوں سمجھیے کہ یہ پیغام فرشتے پہنچاتے ہیں والسّلام (فیوض قاسمی ص ۴۸)

حج

اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل وکرم سے تین مرتبہ حضرت مولانا نانوتویؒ کو حج کرنے کی توفیق اور حبیبِ کبریا صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے گنبدِ خضرا کی زیارت سے متمتع ہونے کا شرف عطا فرمایا ہے، پہلا حج انہوں نے ۱۲۷۷ھ/۱۸۶۰ء میں دوسرا ۱۲۸۶ھ/۱۸۶۹ء میں اور تیسرا ۱۲۹۴ھ/۱۸۷۷ء میں کیا ہے اور ان اسفار میں جو روحانی لذت انہوں نے محسوس کی وہ صرف ان کا قلبِ مبارک ہی ادراک کر سکتا تھا دوسرا بھلا اس کو سمجھے تو کیونکر سمجھے اور بیان کرے تو کیسے بیان کرے ؎

واعظم ما یکون الشوق یوما اذا دنت الخیام من الخیام

حفظِ قرآن کریم

حضرت نانوتویؒ تصیح کتب اور دینی بحث و مباحثہ اور سرگرمیوں میں ایسے منہمک رہتے تھے کہ اِن اہم دینی کاموں سے فراغت کا موقع ہی ہاتھ نہ آتا تھا اور دل میں قرآنِ کریم کے حفظ کا جو شوق تھا وہ کب چین لینے دیتا تھا، بالآخر دو سال کے صرف دو رمضان میں قرآنِ پاک یاد کرلیا اور ایسی روانی کے ساتھ سناتے تھے کہ کوئی کہنہ مشق اور پختہ کار حافظ بھی شاید ایسا نہ سنا سکتا ہو، چنانچہ خود ان کا اپنا بیان (سوانح قاسمی صـ ۱۴ از مولانا محمد یعقوب صاحبؒ میں) ہے۔

" فقط دو سال رمضان میں مَیں نے یاد کیا ہے اور جب یاد کیا پاؤ سیپارہ کی قدر یا کچھ اس سے زائد یاد کرلیا اور جب سنایا ایسا صاف سنایا جیسے اچھے پُرانے حافظ "

اور یہ کلام اللہ کی عظمت اور اُس کی طرف پوری توجّہ اور محبّت کا نتیجہ تھا کہ اس کا ایک ایک حرف سینہ میں نقش ہوگیا ؎

حرفِ محبّت نہ ترکی نہ تازی   ترکی بھی شیریں تازی بھی شیریں

وفاتِ حسرت آیات

آہ! وہ وقت بھی آ ہی پہنچا جس سے کسی مخلوق کو مفرّ نہیں، لاکھوں تدبیریں کی جائیں پر اس سے چھٹکارا نہیں، ہزاروں انتظامات مہیا کرلئے جائیں لیکن اس سے خلاصی نہیں، سینکڑوں محافظ پاس کھڑے کرلئے جائیں مگر اس سے رہائی نہیں حکیموں اور ڈاکٹروں کے علاوہ تعویذوں اور گنڈوں اور جھاڑ پھونک کے ذریعہ کوئی مخلص تلاش

کیا جائے تو اس سے کوئی فائدہ نہیں، بھلا یہ قضائے مبرم بھی کبھی ٹلی ہے؟ کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ کا پیالہ ہر ایک کو پینا ہی ہے، اگر رہے گی تو صرف وہ ذات جس کے بغیر خالق و مالک اور کارخانۂ جہاں میں کوئی متصرف نہیں، اَلْبَقَاءُ لِلّٰہِ وَحْدَہٗ۔

بالآخر ۴ جمادی الاولیٰ ۱۲۹۷ھ مطابق ۱۵ اپریل ۱۸۸۰ء بروز جمعرات بعد از نماز ظہر ہندوستان کا یہ درخشندہ ستارہ انگریز کے خلاف لڑنے والا بہادر سپاہی پادریوں کا تعاقب کرنے والا نڈر مناظر، آریوں کے چھکے چھڑانے والا، بے باک ناقد اسلام کے خلاف فتنوں کی سرکوبی کے لیے اپنی جانِ عزیز تک پیش کرنے والا جاں نثار مسلمان سخاوت و ایثار کا پتلا، قوم و ملّت کا ہمدرد، علومِ دینیہ کے احیاء کا علمبردار، حامیٔ سنّت اور ماحیٔ بدعت حکیمانہ انداز سے حقائق اسلام کو دلنشیں کرنے والا فصیح مبلّغ اور زادِ قلیل پر قناعت کرنے والا بے نفس صوفی موت کی آغوش میں جا پہنچا اور ہزاروں دلوں کو زخمی کر گیا اور دیوبند ہی میں حکیم مشتاق احمد صاحبؒ کے خطہ ارضی میں سب سے پہلی قبر ہی حضرت نانوتویؒ کی بنی اللہ تعالیٰ کی کروڑوں رحمتیں نازل ہوں اس بزرگ ہستی پر جس کے لگائے ہوئے مبارک پودے کی وجہ سے ہم روحِ اسلام سے سرفراز ہوئے ہیں، آمین ثم آمین۔ ع ویرحم اللہ عبداً قال امینا

اِلزامات

زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ پر کیے گئے بعض سنگین الزامات کا ذکر کر کے ان کے جوابات بھی عرض کر دیں تاکہ سب منصف

مزاج حضرات بخوبی یہ اندازہ فرمالیں کہ مخالفین نے کس طرح تعصب عناد، دجل اور تلبیس سے کام لیا ہے، حق پرست تو انشاء اللہ ضرور مطمئن ہوجائیں گے البتہ خود فریب اور متعنت قسم کے لوگ اپنی ضد کو ترک کرنے پر کبھی راضی نہ ہوں گے اور ایسے لوگ حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ہاتھوں معجزات دیکھ کر اور بالمشافہ ان کی پاک زبانوں سے کلام سُن کر بھی نہیں ماننے، ایسے لوگوں کے لیے اس جہان میں سرے کوئی علاج ہی نہیں ہے اور ایسے لوگوں کو بس یہی کہا جاسکتا ہے کہ ؎

باش کہ تا طبلِ قیامت زنند آن تو نیک آید و یا این ما

ختمِ نبوّت

جس طرح توحید و رسالت اور معاد وغیرہ کے عقائد قطعی دلائل سے ثابت ہیں اور جن میں ذرّہ بھر بھی شک و شبہ نہیں اسی طرح امام الانبیاء، سیّد وُلدِ آدم حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی ختمِ نبوّت بھی قطعی اور محکم براہین سے ثابت ہے جس کے مُنکر یا مؤول کے کفر و ارتداد میں رتّی برابر اشتباہ نہیں، قرآنِ کریم کی بے شمار آیات اس پر صراحت سے دلالت کرتی ہیں کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم خاتم النبیّین ہیں۔ منجملہ اُن سے ایک یہ آیت کریمہ بھی ہے کہ۔

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ہ	محمد صلی اللہ علیہ وسلّم تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں اور لیکن اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں اور نبیوں کے ختم کرنے والے ہیں اور اللہ تعالیٰ

سب چیزوں کو جانتا ہے۔ (پ ۲۲۔ احزاب ۵)

اس آیت کریمہ میں پروردگار عالم نے آپ کا اسم گرامی لے کر وضاحت سے یہ بیان فرما دیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاتم النبیین ہیں، اس آیت کریمہ میں جب اللہ تعالیٰ نے آپ کا مقام اور منصب بیان فرمایا تو رسول اللہ کے الفاظ سے بیان فرمایا کہ ایک خاص علمی اصطلاح کی رُو سے رسول وہ ہوتا ہے جو صاحب کتاب اور صاحب شریعت ہو۔ چونکہ آپ صاحب کتاب ہیں اور مستقل شریعت لے کر تشریف لائے ہیں اس لیے اس مرتبہ کو تو وَلٰکِنْ رَّسُوْلَ اللّٰہِ سے تعبیر فرمایا اور جب ختم نبوت کا مسئلہ ارشاد فرمایا تو خَاتَمَ الرُّسُلِ نہیں فرمایا (جس کا مطلب اس سابق اصطلاح کے مطابق یہ ہوتا کہ آپ شرعی اور تشریعی نبوت کے خاتم ہیں) بلکہ خَاتَمَ النَّبِیّٖنَ فرمایا جس کا مطلب یہ ہوا کہ صاحب شریعت نبی تو آپ کے بعد کوئی کیا آتا؟ غیر تشریعی نبوت اور غیر تشریعی نبیوں کے لئے بھی آپ خاتم ہیں اور ہر قسم کی رسالت اور نبوت آپ پر ختم ہو چکی ہے، اب ایسی ماں ہی دنیا میں پیدا نہیں ہو سکتی جو کسی نبی کو جنم دے، چنانچہ ایک صاف، صریح اور صحیح حدیث میں جو حضرت انس بن مالکؓ (المتوفی ۹۲ھ) سے مروی ہے یوں آیا ہے کہ:۔

قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بے
ان الرسالۃ والنبوۃ قد انقطعت	شک رسالت اور نبوت ختم ہو چکی ہے نہ تو
فلا رسول بعدی ولا نبی (الحدیث)	میرے بعد کوئی شریعت والا نبی آ سکتا ہے

(ترمذی ج ۲ ص ۵۱ وقال صحیح) اور نہ غیر تشریعی نبی۔

غور فرمایئے کہ کس طرح واشگاف الفاظ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے رسالت اور نبوّت کے انقطاع کا حکم ارشاد فرمایا اور یہ تصریح فرمادی کہ میرے بعد نہ تو کوئی تشریعی نبی آسکتا ہے اور نہ غیر تشریعی، یہی وجہ ہے کہ اُمّت مُسلمہ کا اس پر کُلّی اتفاق اور اجماع ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کے بعد نبوّت کا دعوٰی کرنا سراسر کفر ہے چنانچہ حضرت ملّا علی القاری الحنفیؒ (المتوفی ۱۰۱۴ھ) جو گیارھویں صدی کے مجددوں میں شمار ہوتے ہیں) ارقام فرماتے ہیں کہ۔

ودعوی النبّوۃ بعد نبیّنا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کفر بالاجماع	ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کے بعد نبوّت کا دعوٰی کرنا بالاجماع کفر ہے۔

(شرح فقہ اکبر ص ۲۰۲ طبع کانپور)

اور ختم نبوّت کا مسئلہ اتنا واضح اور مبرہن ہے کہ امام صدر الائمہ موفق بن احمد المکی الحنفیؒ (المتوفی ۵۶۸ھ) نقل کرتے ہیں کہ۔

تنبّا رجل فی زمن ابی حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ وقال امھلونی حتی اجیٔ بالعلامات فقال ابو حنیفۃ رحمہ اللہ تعالیٰ من طلب منہ علامۃ فقد کفر لقول النبی صلی اللہ	امام ابو حنیفہؒ کے زمانہ میں ایک شخص نے نبوت کا دعوےٰ کیا اور اس نے یہ کہا کہ مجھے مہلت دو تاکہ میں تمہیں نشانیاں بتلاؤں اس پر حضرت امام ابو حنیفہؒ نے فرمایا کہ جس نے اس سے کوئی علامت طلب کی تو کافر ہو

علیہ وسلم لا نبی بعدی۔ جائے گا کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے

(مناقب موفق ج ا ص ۱۶۱ طبع حیدر آباد دکن) فرمادیا ہے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں۔

رأس الاتقیاء سید الفقہاء اور سراج الائمہ حضرت امام ابو حنیفہؒ (المتوفی ۱۵۰ھ) کا یہ فتویٰ کس قدر واضح ہے کہ چونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے ارشاد فرمایا ہے کہ لا نبی بعدی اس لیے کسی مدعی نبوت سے کوئی علامت اور نشانی طلب کرنا بھی کفر ہے، کیونکہ آپ کے بعد جب کسی کو نبوت ملنے کا امکان ہی نہیں تو پھر علامت اور نشانی کے طلب کرنے کا کیا معنیٰ؟ ہمیں اس مقام پر ختم نبوت کے اثبات اور اس کے دلائل سے بحث نہیں ہمارے بیشتر اکابر نے عربی، فارسی اور اردو وغیرہ میں ختم نبوت کے مسئلہ پر علمی اور ٹھوس دلائل پیش کر کے بڑی بڑی ضخیم کتابیں اور عمدہ مضامین لکھے ہیں اور بلا خوفِ تردید کہا جا سکتا ہے کہ مسئلہ ختم نبوت پر جو دلائل ہمارے اکابر نے جمع کئے اور تحفظ ختم نبوت کا جو عملی ثبوت دیا ہے، صدیوں سے کسی فرقہ نے اس کا ثبوت نہیں دیا۔ راقم الحروف بھی اس مسئلہ پر ایک خاص انداز سے کچھ لکھنے کا ارادہ رکھتا ہے اللہ تعالیٰ توفیق مرحمت فرمائے، بتانا صرف یہ مقصود ہے کہ ختم نبوت کا مسئلہ ایک اجماعی اور قطعی مسئلہ ہے جسکے اثبات کے لیے دلائل و براہین کے انبار موجود ہیں اور امتِ مسلمہ میں اس کا کوئی منکر نہیں ہوا۔ باقی رہا حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا نزول تو وہ بھی متواتر احادیث اور اجماعِ امت سے ثابت ہے اس کا منکر بھی ویسا ہی کافر ہے جیسا کہ ختم نبوت کا منکر کافر ہے، اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے نزول اور آمد

سے مسئلہ ختمِ نبوّت پر قطعاً کوئی زد نہیں پڑتی، راقم الحروف اس کو اپنی کتاب نزولِ مسیحؑ میں بادلائل عرض کرے گا انشاء اللہ العزیز۔

پہلا الزام

ختمِ نبوت اور حضرت نانوتویؒ

ہم نے عربی، فارسی اور اردو میں بہت سی کتابیں مسئلہ ختم نبوت پر پڑھی ہیں لیکن بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ جس نرالے، انوکھے اور ٹھوس عقلی انداز میں جو خامہ فرسائی حضرت نانوتویؒ نے اس مسئلہ پر کی ہے ہم نے اور کہیں نہیں پڑھی لیکن چونکہ حضرت کا اندازِ تحریر و بیان خالص محققانہ اور عالمانہ ہے اس لیے بعض کوتاہ فہم یا خود غرض لوگوں نے حضرت کی بعض عبارات کا مطلب کچھ سے کچھ بنا ڈالا ہے۔ ایک طرف تو مولوی احمد رضا خان صاحب (المتوفیٰ ۱۳۴۰ھ) اور ان کے پیروکار ہیں جو اس ضد پر مصر ہیں کہ حضرت نانوتویؒ (معاذ اللہ) ختم نبوت زمانی کے منکر ہیں لہذا وہ کافر ہیں اور ان کو کافر نہ سمجھنے والا بھی کافر ہے بلکہ جو انکے کفر میں شک بھی کرے وہ بھی کافر ہے (العیاذ باللہ) اور دوسری طرف مرزا غلام احمد صاحب قادیانی (المتوفی ۱۹۰۸ء) اور اُن کے اتباع و اذناب ہیں جو حضرت نانوتویؒ کی بعض عبارات سے اجراءِ نبوت پر استدلال کرتے ہیں اور جھوٹی و خانہ ساز نبوت کی کھوکھلی عمارت کی بنیاد ان پر قائم کرتے ہیں اس لیے نہایت ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہم ختم نبوت کے مسئلہ میں حضرت نانوتویؒ کا نقطۂ نظر خود ان کی اپنی عبارات کی روشنی میں دیکھیں کہ آپ کیا فرماتے

میں اور غلط کار اور خود فریب لوگ کیا کہتے ہیں؟ اور لوگوں کو کیا باور کراتے ہیں مگر ع

خوابِ غفلت میں رہیں گے تا بکے اہل یمن

حضرت نانوتویؒ ختم نبوّت کے تین درجات اور مراتب بیان کرتے ہیں، ختم نبوت مرتبی، ختم نبوۃ مکانی اور ختم نبوۃ زمانی، اور باقی دو درجوں کو تسلیم کرتے ہوئے وہ یہ فرماتے ہیں کہ ان میں اعلیٰ درجہ اور رُتبہ ختم نبوّت مرتبی ہے، جو ختم نبوت زمانی کے لیے علّت ہے، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم بایں معنیٰ خاتم النبیّین ہیں کہ نبوّت کے تمام مراتب آپ پر ختم ہیں اور تمام مخلوق میں آپ کے اوپر کسی اور کا رُتبہ نہیں اور چونکہ آپ وصفِ نبوّت کے ساتھ بالذات متّصف ہیں اور باقی انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام بالعرض متصف ہیں، اس لیے اگر ان مراتب میں سے صرف ایک لیا جائے تو دلیل مطابقی کے طور پر لفظ خاتم النبیّین ختم نبوّت مرتبی پر دلالت کرتا ہے اور ختم نبوۃ زمانی کا ثبوت دلیل التزامی سے متحقق ہے، اور آپ محض بایں معنیٰ خاتم النبیّین ہی نہیں کہ آپ کا زمانہ سب سے آخر ہے، ورنہ یہ لازم آئے گا کہ آپ (معاذ اللہ) اس لیے تمام انبیاء علیہم السلام سے اعلیٰ و افضل ہیں کہ آپ کا زمانہ آخر تھا، تو اس لحاظ سے زمانہ سے اکتسابِ فضیلت ہوا۔ گویا زمانہ کی افضلیت سے آپ کی افضلیت ثابت ہوئی حالانکہ آپ کی وجہ سے زمانہ کو شرف حاصل ہوا ہے، زمانہ کی وجہ سے آپ کو شرف حاصل نہیں ہوا۔ اور فرماتے ہیں کہ یہ تو ہرگز نہیں لیکن اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کوئی نبی آجائے اور فرض کیجئے کہ کسی کو آپ کے بعد بھی نبوّت مل جائے تب بھی آپ کی ختم نبوّت چونکہ

مرتبی ہے جس کے اوپر اور کوئی مرتبہ نہیں اس لیے آپ کی ختم نبوت پر کوئی اثر اور زد نہیں پڑتی، کیونکہ ہر قسم کا مرتبہ آپ پر ختم ہے لہذا کوئی آپ سے پہلے آئے یا بعد کو آئے آپ کی ختم نبوت پر اس سے کیا حرف آتا ہے؟ اور اگر ان مراتب میں سے صرف ایک نہ لیا جائے بلکہ تینوں مراد ہوں تو تینوں ہی مطابقی طور پر ثابت ہیں نہ یہ کہ صرف ختم نبوت زمانی ہی مطابقی طور پر ثابت ہے کیونکہ یہ تو معلول ہے ختم نبوت مرتبی کے لیے اور صاف تصریح فرماتے ہیں کہ آپ کی ختم نبوت زمانی کا انکار کرنا یا اس میں تامل کرنا کفر ہے۔

ہم نے نہایت ہی اختصار کے ساتھ اپنی ناقص سمجھ کے مطابق حضرت نانوتویؒ کی بہت سی عبارات کا خلاصہ عرض کر دیا ہے، اب آپ حضرت نانوتویؒ کی اپنی عبارات ملاحظہ کریں اور پھر انصاف سے فرمائیں کہ حضرتؒ نے کیا ارشاد فرمایا ہے اور قادیانی اور بریلوی حضرات کیا کہتے ہیں، چنانچہ مولانا نانوتویؒ فرماتے ہیں کہ۔

ا۔ قبل عرض جواب یہ گذارش ہے کہ اول خاتم النبیین کے معنی معلوم کرنے چاہئیں تاکہ فہم جواب میں کچھ دقت نہ ہو سو عوام کے خیال میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خاتم ہونا بایں معنی ہے کہ آپ کا زمانہ انبیاء سابق کے زمانہ کے بعد اور آپ سب میں آخری نبی ہیں مگر اہل فہم پر روشن ہوگا کہ تقدم یا تاخر زمانی میں بالذات کچھ فضیلت نہیں، پھر مقام مدح میں وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ فرمانا اس صورت میں کیونکر صحیح ہو سکتا ہے؟ ہاں اگر اس وصف کو اوصاف مدح میں سے نہ کہیے اور اس مقام کو مقام مدح قرار نہ دیجیے تو البتہ خاتمیت

باعتبار تأخر زمانی صحیح ہو سکتی ہے مگر میں جانتا ہوں کہ اہلِ اسلام میں سے کسی کو یہ بات گوارا نہ ہوگی۔" الخ (تحذیر الناس ص۲/۳)

یعنی عوام تو آپ کی ختم نبوّت کو صرف ختم نبوّت زمانی ہی میں منحصر سمجھتے ہیں حالانکہ اس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی پوری فضیلت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ختم نبوت زمانی کے علاوہ آپ کے لیے ختم نبوۃ مرتبی بھی ثابت کرنی چاہیئے جو دلیل مطابقی کے طور پر ہو (کیونکہ اس سے آپ کی مدح خوب عیاں ہوتی ہے اور ختم نبوّت زمانی دلیل التزامی کے طور پر ثابت ہے۔

۲۔ "تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ موصوف بالعرض کا قصہ موصوف بالذات پر ختم ہو جاتا ہے جیسے موصوف بالعرض کا وصف موصوف بالذات سے مکتسب ہوتا ہے، موصوف بالذات کا وصف جس کا ذاتی ہونا اور غیر مکتسب من الغیر ہونا لفظ بالذات ہی سے مفہوم ہے کسی غیر سے مکتسب اور مستعار نہیں ہوتا۔ دلیل درکار ہے تو لیجئے زمین و کہسار اور در و دیوار کا نور اگر آفتاب کا فیض ہے تو آفتاب کا نور کسی کا فیض نہیں اور ہماری غرض وصف ذاتی ہونے سے اتنی ہی تھی" الخ (تحذیر الناس ص۳) یعنی ذاتی سے یہ مراد ہے کہ مثلاً آفتاب کا نور در و دیوار کا رہینِ منّت نہیں ہے نہ یہ کہ خدا تعالیٰ کے فیض ہی سے مستغنی ہے۔

۳۔ سو اسی طور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی خاتمیت کو تصوّر فرمایئے یعنی آپ موصوف بوصفِ نبوّت بالذّات ہیں اور سوا آپ کے اور نبی موصوف بوصف نبوّت بالعرض، اوروں کی نبوّت آپ کا فیض ہے، پر آپ کی نبوّت کسی اور کا فیض نہیں،

آپ پر سلسلۂ نبوت مختتم ہو جاتا ہے، غرض آپ جیسے نبی الامت ہیں ویسے ہی نبی الانبیاء بھی ہیں۔" (تحذیر الناس ص۴)

۴۔ "اور اسی طرح اگر فرض کیجئے آپ کے زمانہ میں بھی اس زمین میں یا (جس میں انسان آبلو میں) یا کسی اور زمین میں یا آسمان میں کوئی نبی ہو تو وہ بھی اس وصفِ نبوت میں آپ ہی کا محتاج ہوگا اور اس کا سلسلۂ نبوت بہر طور آپ پر مختتم ہوگا اور کیوں نہ ہو عمل کا سلسلہ علم پر ختم ہوتا ہے، جب علم ممکن للبشر ہی ختم ہوگیا تو پھر سلسلۂ علم و عمل کیا چلے۔ غرض اختتام اگر بایں معنیٰ تجویز کیا جائے جو میں نے عرض کیا تو آپ کا خاتم ہونا انبیاء گزشتہ ہی کی نسبت خاص نہ ہوگا، بلکہ اگر بالفرض آپ کے زمانہ میں بھی کہیں اور نبی ہو جب بھی آپ کا خاتم ہونا بدستور باقی رہتا ہے۔" اھ (تحذیر الناس ص۱۲،۱۳)

۵۔ "ہاں اگر خاتمیت بمعنیٰ اتصافِ ذاتی بوصفِ نبوت لیجئے جیسا کہ اس ہیچمدان نے عرض کیا ہے، تو پھر سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور کسی کو افراد مقصود بالخلق میں سے مماثل نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں کہہ سکتے بلکہ اس صورت میں فقط انبیاء کے افراد خارجی ہی پر آپ کی فضیلت ثابت نہ ہوگی افرادِ مقدّرہ پر بھی آپ کی افضیلت ثابت ہو جائے گی۔ بلکہ اگر بالفرض بعد زمانہ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کوئی نبی پیدا ہو تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا چہ جائیکہ آپ کے معاصر کسی اور زمین میں یا فرض کیجئے اسی زمین میں کوئی اور نبی تجویز کیا جائے۔" اھ (تحذیر الناس ص۲۴)

قادیانی اور بریلوی حضرات نے حضرت حجۃ الاسلامؒ کی انہیں عبارات سے اجراءِ

نبوت اور تکفیر کا مسئلہ بزور کشید کیا ہے، صد افسوس اور انتہائی حیرت ہے کہ حضرت نانوتوی ؒ
کی ان عبارت میں اگر فرض کیجئے اور بلکہ اگر بالفرض اور افراد مقدرہ وغیرہ کے الفاظ
اور قیود کو مخالفین شیر مادر سمجھ کر ہڑپ اور ہضم کر گئے ہیں، حضرت مولانا نانوتوی ؒ تو ختم نبوت
مرتبی کے اعلیٰ مقام کو ثابت کرتے ہوئے یہ فرماتے ہیں کہ اگر فرض کیجئے یا اگر بالفرض آپ
کے زمانہ میں یا آپ کے زمانہ کے بعد بھی کوئی نبی آجائے تب بھی آپ کی ختم نبوت پر کوئی
زد نہیں آتی، رہا یہ سوال کہ حضرت نانوتوی ؒ کے نزدیک آیا آپ کے بعد کوئی اور نبی آسکتا ہے؟
یا کسی کو نبوت مل سکتی ہے؟ یا اس کا امکان شرعی پیدا ہو سکتا ہے؟ تو قضیہ شرطیہ اور فرضیہ
سے اس کا ثبوت کیونکر ہوا؟ خود قرآن کریم میں اس کی متعدد مثالیں موجود ہیں، ہم
چند ایک عرض کئے دیتے ہیں۔

۱۔ قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ۔ (پ ۲۵۔ الزخرف ۸۱) تو کہہ کہ اگر ہو رحمن کے واسطے اولاد تو میں سب سے پہلے (اسکو) پوجوں۔

چودہ سو سال سے تمام مفسرین کرامؒ یہی سمجھتے اور بیان کرتے آئے ہیں کہ یہ محض جملہ
شرطیہ ہے، اس سے کسی نے بھی اللہ تعالیٰ کے لیے امکانِ اولاد کا ثبوت مہیا نہیں کیا
اور نہ معاذ اللہ اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد تجویز کی ہے۔

۲۔ لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا (پ ۱۷، الانبیاء ۲۰) اگر ہوتے زمین و آسمان میں اور معبود اور حاکم سوائے اللہ تعالیٰ کے تو دونوں خراب ہو جاتے۔

یہ بھی جملہ شرطیہ ہے جس کا مطلب اس کے بغیر اور کچھ نہیں کہ اگر بالفرض زمین و آسمان

میں بجز اللہ تعالیٰ کے اور الٰہ ہوتے تو یقیناً ان کے باہمی تخالف و تضاد کی وجہ سے یہ کارخانہ درہم برہم ہو جاتا، نہ یہ کہ اللہ تعالیٰ کے بغیر اور الٰہ تجویز ہو سکتے ہیں اور نہ کسی نے اس سے تعدد آلہہ کا امکان ثابت اور پیش کیا ہے۔

۳۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے ایک مقام پر اٹھارہ انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے نام لے کر اور باقی حضرات کا اجمالی طور پر تذکرہ کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا ہے کہ،

وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ (پ۷، الانعام ۱۰) اور اگر یہ لوگ شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتا جو کچھ انہوں نے کیا تھا۔

غور فرمایئے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اور شرک؟ آگ اور پانی سے بھی ان میں زیادہ تضاد ہے مگر محض فرضی طور پر شرک کی قباحت اور برائی بیان کرنے کے لیے ایسا ارشاد فرمایا گیا ہے اس سے کوئی سر پھرا یہ ثابت کرنا چاہے کہ معاذ اللہ انبیاء کرام علیہم السلام سے بھی شرک سرزد ہو سکتا ہے ایک نری حماقت اور خالص بے دینی ہوگی۔

۴۔ ایک مقام پر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ بلاشبہ اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کی طرف اور آپ سے پہلے نبیوں کی طرف یہ حکم بھیجا گیا کہ۔

لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ (پ ۲۴۔ الزمر ۷) اگر تو نے (اے محمد) شرک کیا تو ضرور حبط ہو جائیں گے تیرے عمل اور بتاکید ہو جائینگے آپ نقصان اٹھانے والوں میں

جو بزرگ ترین ذات دنیا میں مبعوث ہی اس خاطر ہو کہ کفر و شرک کو صفحۂ ہستی سے مٹا کر توحید خالص کا جھنڈا چار دانگ عالم میں نصب کرے اس سے (العیاذ باللہ) شرک

صادر ہو؟ اور ہو تو کیوں کر ہو؟ مگر رب العزت نے مشرک کے اعمال کے حبط وا کارت ہونے کے لیے یہ فرمایا کہ اگر بالفرض سردار دوجہاں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بھی شرک صادر ہو تو آپ کے اعمال بھی حبط ہو جائیں (معاذ اللہ) بدیگراں چہ رسد)

۵۔ ایک جگہ اللہ تعالیٰ اس طرح ارشاد فرماتا ہے کہ۔

وَلَئِنْ شِئْنَا لَنَذْهَبَنَّ بِالَّذِیْ أَوْحَیْنَا اِلَیْكَ (پ ۱۵، بنی اسرائیل ۱۰) اور اگر ہم چاہیں تو لیجائیں اُس چیز کو جو ہم نے تجھ کو وحی بھیجی۔

کیا اس کا یہ مطلب ہو گا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نبوت اور وحی مسلوب ہو سکتی ہے؟ اور آپ کو رسالت اور نبوت سے معزول کیا جا سکتا ہے؟ (معاذ اللہ ثم معاذ اللہ) کسی مسلمان کے دل میں اس کا ادنیٰ سا وہم بھی نہیں گزرتا۔ اس میں تو صرف اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت بتائی ہے کہ جس طرح ہم آپ کو نبوت دے سکتے ہیں، اگر ہم چاہیں تو چھین بھی سکتے ہیں، اور اگر ایسا کریں تو ہمیں کوئی پوچھ نہیں سکتا۔

کرنے اور کر سکنے میں بڑا بڑا فرق ہے اب حد حیرت ہے کہ اہل بدعت اس واضح فرق سے کبوتر کی طرح آنکھیں بند کر کے امکان نظیر اور خلف وعید وغیرہ کے مسائل میں بلا وجہ اہل حق سے اُلجھتے ہیں مگر ؂

گہر جو دل میں نہاں ہیں خدا ہی دے تو ملیں اُسی کے پاس ہے مفتاح اس خزانے کی

رجع الحدیث

ہم نے حضرت نانوتوی کی عبارت میں "اگر فرض کیجیے" اور "بلکہ اگر بالفرض" وغیرہ

فرضی اور شرطی جملوں کی وضاحت میں تھوڑی سی قرآنی تشریح عرض کر دی ہے تا کہ ایک طرف خانہ ساز نبوت کے دعویداروں کو حضرت نانوتویؒ کی عبارات کا صحیح مطلب معلوم ہو سکے اور دوسری طرف اہل بدعت اور شائقین تکفیر (بلکہ ٹھیکہ داران تکفیر) کو بخوبی یہ معلوم ہو جائے کہ حضرت نانوتویؒ نے کیا فرمایا ہے، اور انہوں نے شوق تکفیر میں کیا سے کیا کر دیا ہے، اب اس کے بعد ہم حضرت نانوتویؒ کی اور عبارات ہدیہ ناظرین کرام کرتے ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۶۔ ہاں اگر بطور اطلاق یا عموم مجاز اس خاتمیت کو زمانی اور مرتبی سے عام لے لیجئے تو پھر دونوں طرح کا ختم مراد ہوگا، پر ایک مراد ہو تو شان محمدی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم خاتمیت مرتبی ہے نہ زمانی، اور مجھ سے پوچھئے تو میرے خیال ناقص میں تو وہ بات ہے کہ سامع منصف انشاء اللہ انکار ہی نہ کر سکے سو وہ یہ ہے کہ تقدم تاخر یا زمانی ہوگا یا مکانی یا مرتبی یہ تینوں نوعیں ہیں، باقی مفہوم تقدم و تاخر ان تینوں کے حق میں جنس ہے۔ اھ

(تحذیر الناس ص۸)

۷۔ سو خاتمیت زمانی یا اولیت زمانی کچھ کمال نہیں ورنہ زمانہ سے افضلیت کا استفاضہ ماننا پڑے گا یہ معنی ہوں گے، زمانہ اول (میں) آپ پیدا ہوئے وہ اشرف تھا آپ بھی اشرف ہوں گے سو یہ غلط (ہے) ہمارا تو یہ اعتقاد ہے کہ زمین و زمان کون و مکان کو آپ سے شرف ہے، آپ کو ان سے شرف نہیں۔ (مناظرہ عجیبہ ص۹۸)

۸۔ بلکہ اس سے بھی بڑھ کر لیجئے (تحذیر الناس) صفحہ نہم کی سطر دہم سے لے کر صفحہ

یازدہم کی سطر ہفتم تک وہ تقریر لکھی ہے جس سے خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی اور
خاتمیت مرتبی تینوں بدلالت مطابقی ثابت ہو جائیں اور اسی تقریر کو اپنا مختار قرار دیا ہے۔

(مناظرہ عجیبہ ص۵۰)

۹۔ جیسے عہدہ ہائے ماتحت میں سب میں اوپر عہدہ گورنری یا وزارت ہے اور سوا اس کے
اور سب عہدے اس کے ماتحت ہوتے ہیں اوروں کے احکام کو وہ توڑ سکتا ہے اس کے
احکام کو اور کوئی نہیں توڑ سکتا اور وجہ اس کی یہی ہوتی ہے کہ اس پر مراتب عہدہ جات ختم
ہو جاتے ہیں، ایسے ہی خاتم مراتب نبوت کے اوپر اور کوئی عہدہ یا مرتبہ ہوتا ہی نہیں، جو ہوتا
ہے اس کے ماتحت ہوتا ہے اسلئے اسکے احکام اوروں کے احکام کے ناسخ ہونگے اوروں کے احکام اسکے احکام
کے ناسخ نہ ہوں گے، اور اس لیے یہ ضرور ہے کہ وہ خاتم زمانی بھی ہو کیونکہ اوپر کے
حاکم تک نوبت سب حکام ماتحت کے بعد میں آتی ہے اور اس لیے اس کا حکم اخیر حکم
ہوتا ہے، چنانچہ ظاہر ہے پارلیمنٹ تک مرافعہ کی نوبت سبھی کے بعد میں آتی ہے۔
یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ کسی اور نبی نے دعویٰ خاتمیت نہ کیا، کیا تو حضرت محمد رسول
اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔ چنانچہ قرآن وحدیث میں یہ مضمون بتصریح موجود ہے"

(مباحثہ شاہجہان پور ص۲۴، ۲۵)

۱۰۔ جو نبی رتبہ میں سب میں اول ہوگا اس کا دین یعنی اس کے احکام باعتبار زمانہ درست
سب میں آخر رہیں گے کیونکہ ہنگام مرافعہ جو موقع نسخ حکم حاکم ماتحت ہوتا ہے حاکم بالا
کے حکم کی نوبت آخر میں آتی ہے۔" (قبلہ نما ص۶۲)

۱۱۔ تو لاجرم دین خاتم الانبیاء ناسخ ادیان باقیہ اور خود خاتم الانبیاء سرور انبیاء اور افضل الانبیاء ہوگا۔ (قبلہ نما ص ۶۳)

۱۲۔ اور انبیاء کی نبوت تو آپ کی نبوت کا پرتو ہے پر آپ کی نبوت پر قصہ ختم ہو جاتا ہے اور اس بات کو آپ کے دین کا ناسخ الادیان ہونا اسی طرح لازم ہے جیسے آفتاب کے نور کا اور انوار کو محو کر دینا یا کھیتی میں بال (خوشہ) کا سب میں پیچھے ظاہر ہونا۔ (تصفیۃ العقائد ص ۳)

۱۳۔ خاتمیت زمانی تو سب کے نزدیک مسلم ہے۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۲)

۱۴۔ خاتمیت زمانی اپنا دین ایمان ہے ناحق کی تہمت کا البتہ کچھ علاج نہیں سو اگر ایسی باتیں جائز ہوں تو ہمارے منہ میں بھی زبان ہے۔ (مناظرۂ عجیبہ ص ۳۹)

۱۵۔ بالجملہ ہمارے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشن گوئیاں بھی اس قدر ہیں کہ کسی اور نبی کی نہیں، کسی صاحب کو دعویٰ ہو تو مقابلہ کر کے دیکھیں۔ (حجۃ الاسلام ۲۹)

۱۶۔ خداوند عالم نے یہ فضل فرمایا کہ میری عقل نارسا ان مضامین بلند تک پہنچی یہ طفیل انتساب حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے ورنہ میں کہاں اور یہ باتیں کہاں؟ (قبلہ نما ص ۸۸)

۱۷۔ حاصل مطلب یہ ہے کہ خاتمیت زمانی سے مجھ کو انکار نہیں بلکہ یوں کہیئے۔ کہ منکروں کے لیے گنجائش انکار نہ چھوڑی، افضلیت کا اقرار ہے بلکہ اقرار کرنے والوں

کے پاؤں جمائیے اور نبیوں کی نبوت پر ایمان ہے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی برابر کسی کو نہیں سمجھتا۔" (مناظرہ عجیبہ ص۵)

۱۸۔ مولانا نانوتویؒ اپنی تحذیر الناس کی عبارت کا مطلب بیان کرتے ہوئے حضرت مولانا عبد العزیز صاحب امروہیؒ کے جواب میں تفصیلاً بحث فرماتے ہوئے یہ بھی ارقام فرماتے ہیں کہ:

"مولانا خاتمیت زمانی کی میں نے تو توجیہ اور تائید کی ہے تغلیط نہیں کی مگر ہاں آپ گوشۂ عنایت و توجہ سے دیکھتے ہی نہیں تو میں کیا کروں، اخبار بالعلۃ مکذب اخبار بالمعلول نہیں ہوتا بلکہ اس کا مصدق اور مؤید ہوتا ہے اوروں نے فقط خاتمیت زمانی اگر بیان کی تھی تو میں نے اس کی علت یعنی خاتمیت مرتبی ذکر اور شروع تحذیر ہی میں اقتضائے خاتمیت مرتبی کا بہ نسبت خاتمیت زمانی ذکر کر دیا۔ یہ تو اس صورت میں ہے کہ خاتم سے خاتم المراتب ہی مراد لیجئے اور خاتم کو مطلق رکھیے تو پھر خاتمیت مرتبی اور خاتمیت زمانی اور خاتمیت مکانی تینوں اس سے اسی طرح ثابت ہو جائیں گے جس طرح آیت اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ میں لفظ رجس سے نجاست معنوی اور نجاست ظاہری دونوں ثابت ہوتی ہیں، اور اس ایک مفہوم کا انواعِ مختلفہ پہ محمول ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ (مناظرۂ عجیبہ ص۳۷)

۱۹۔ سو اگر اطلاق و عموم ہے تب تو ثبوت خاتمیت زمانی ظاہر ہے ورنہ تسلیم لزوم خاتمیت زمانی بدلالتِ التزامی ضرور ثابت ہے ادھر تصریحاتِ نبوی مثل اَنْتَ مِنِّي

بِمَنْزِلَةِ هَارُوْنَ مِنْ مُوْسٰى اِلَّا اَنَّهٗ لَا نَبِیَّ بَعْدِیْ وادعما قال!

جو بظاہر بطرزِ مذکور اسی لفظ خاتم النبیین سے ماخوذ ہے اِس باب میں کافی ہے کیونکہ یہ مضمون درجۂ تواتر کو پہنچ گیا ہے، پھر اس پر اجماع بھی منعقد ہو گیا گو الفاظِ مذکور بسند متواتر منقول نہ ہوں سو یہ عدمِ تواتر الفاظ باوجود تواتر معنوی یہاں ایسا ہی ہوگا جیسا تواتر اعدادِ رکعاتِ فرائض و وتر وغیرہ باوجودیکہ الفاظ احادیث مشعر تعداد رکعات متواتر نہیں جیسا اُس کا منکر کافر ہے ایسا ہی اس (خاتمیت زمانی) کا منکر بھی کافر ہوگا۔"

(تحذیر الناس ص۱۰)

۲:۔ "اپنا دین و ایمان ہے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں جو اس میں تأمل کرے اس کو کافر سمجھتا ہوں۔" (مناظرۂ عجیبہ ص۱۰۳)

(اِنْ يَّكُنْ مِّنْكُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ يَغْلِبُوْا مِائَتَيْنِ)

قارئینِ کرام! یہ سب عبارات حجۃ الاسلام قاسم الخیرات والعلوم حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ کی اپنی ہیں جو ہم نے باحوالہ بقیدِ حروف نقل کر دی ہیں، اگر اس ساری تفصیل کے بعد بھی کوئی متعصب یہ کہے کہ مولانا نانوتویؒ معاذ اللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو خاتم النبیین اور آخر الزمان نبی تسلیم نہیں کرتے یا آپ کی ختم نبوت زمانی کی تغلیط کرتے ہیں یا عامۃ المسلمین کے عقیدۂ ختم نبوّت زمانی کے منکر ہیں یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے بعد کسی قسم کے نبی کی نبوّت کے قائل ہیں یا اُن کے نبی ہونے کا احتمال ہے، یہ اور اس کے جتنے الزامات و اتہامات حضرت نانوتویؒ پر

قادیانی اور اہلِ بدعت حضرات کی طرف لگائے جاتے ہیں اور پھر اس مظلوم کی تکفیر کی جاتی ہے۔ کیا اس سے بڑھ کر بھی دنیا میں کوئی ظلم ہوگا؟ اور کیا اس سے بڑھ کر سفید جھوٹ، خالص افتراء اور صریح بہتان بھی کوئی اور ہوسکتا ہے؟ مگر حیرت اور افسوس ہے کہ قہار اور جبار کے عذاب اور گرفت سے بے نیاز ہوکر یہ سب کچھ دنیا میں ہوا اور ہو رہا ہے، کوئی ان کو ختمِ نبوت زمانی کا منکر قرار دے کر معاذ اللہ کافر کہنے کو دین کی خدمت اور ملت کی ترقی کا راز سمجھتا ہے اور اسی میں لذت اور سرور محسوس کرتا ہے اور کوئی خانہ ساز نبوت کے اجراء کے لیے ان کی عبارات سے ناجائز اور حرام فائدہ اٹھاتا ہے اور تعجب ہے کہ اس پر اپنے بے بنیاد مذہب اور مسلک کی بنیاد رکھی جاتی ہے اور ان کی تکفیر کے لیے نعرۂ تکبیر و رسالت و غوثیہ کی گونج میں عوام سے داد تحسین حاصل کی جاتی ہے۔ اور اس پر بھی وہ یہ چاہتے ہیں کہ ہم لب کشائی نہ کریں۔ آہ ؂

صدائے نالۂ دِل پر خموشی کس کا شیوہ ہے
تو ہی کہہ دے کہ پتھر کا جگر تیرا ہے یا میرا

خشتِ اوّل

حضرات اکابر علماءِ دیوبند کثر اللہ جماعتہم کی تکفیر اور حضرت نانوتوی کی تکفیر کی پہلی مشق مولوی احمد رضا خان صاحب بریلوی نے کی ہے، چنانچہ خانصاحب نے اپنی مایۂ ناز کتاب حسام الحرمین ص ۱۰۰ میں کمال چابک دستی اور نہایت ہوشیاری سے حضرت نانوتوی کا نام لے کر تحذیر الناس کا حوالہ دے کر ان کی تکفیر کی تمہید باندھی ہے اور تحذیر الناس ص ۱۴

پھر ص ۲۴ اور پھر ص ۲ کی عبارت کو ایک خاص ترتیب سے ملا کر بقول شخصے کہیں کی اینٹ کہیں کا روڑا بھان متی نے کنبہ جوڑا، بزعم خود ایک عجیب کفریہ مضمون ایجاد و اختراع کیا ہے اور پھر دل کھول کر ان کی تکفیر کی ہے (معاذ اللہ) اور دوسرے مقام پر اکابر علماء دیوبند کی بعض عبارات کا مطلب غلط لے کر اور اپنی طرف سے ان کے عقائد اختراع کر کے ان میں سے ایک عقیدہ یہ بھی لکھا ہے (جو غالباً حضرت نانوتویؒ کے سر تھوپا) کہ

"نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سب سے پچھلے نبی نہیں اُن کے بعد اور نبی ہو جائے تو حرج نہیں۔" انتہیٰ بلفظہٖ۔ (حسام الحرمین ص ۶۷)

یہ ہے بانی فرقہ کی دیانت و انصاف اور اس پر شوقِ تکفیر جس کو ان کے اتباع اور پیرو کار متاعِ عزیزہ کی طرح پلے باندھے پھرتے ہیں اور منبروں اور سٹیجوں پر کتابیں کھول کھول کر حوالے دیتے ہیں اور یہ اختراعی عقائد اخبارات و رسائل میں سرخیاں قائم کر کر کے لکھے جاتے ہیں۔ اور بعض مدارس میں ان عبارات کی باقاعدہ مشق کرائی جاتی ہے اور مناظرہ کے لیے اُن کو مبنیٰ اور سنگِ بنیاد ٹھہرایا جاتا ہے، کیا ان لوگوں کو مرنا یاد نہیں؟ کیا قبر کا نقشہ ان کے سامنے نہیں؟ کیا میدانِ محشر کے ہولناک مناظر کا ان کو یقین نہیں؟ کیا اللہ تعالیٰ کی سچی عدالت میں پیش ہونے کا سبق ان کو کسی نے نہیں دیا؟ کیا نیکی اور بدی کے محاسبہ کا درس انھوں نے کہیں نہیں سُنا؟ کیا جنت و دوزخ پر ان کا ایمان نہیں؟ کیا کسی پر افتراء و بہتان تراشنے کے گناہ کا حکم ان کو کسی نے نہیں بتلایا؟ کیا بدظنی اور بدکلامی کی برائی ان کو معلوم نہیں؟ کیا تکفیرِ مُسلم

کے وبال و گناہ کا ان کو علم نہیں؟ کیا فقہاء کرام کا یہ فتوے اُن کے پیش نظر نہیں کہ اگر کسی کلمہ میں سو احتمالات پیدا ہوں ننانوے ۹۹ کفر کے ہوں اور ایک اسلام کا ہو تب بھی اس کے قائل کی تکفیر نہیں کرنی چاہیے، ممکن ہے کہ اُس نے اسلام ہی کا پہلو مُراد لی ہو، (ہاں اگر وہ قائل خود کفر والا معنی ہی متعین کر دے تو پھر اس کی تکفیر میں تامل نہیں کیا جا سکتا ورنہ متامل خود کافر ہو جائے گا۔) اور یہاں حال یہ ہے کہ حضرت نانوتوی تو پکار پکار کر یہ کہہ رہے ہیں کہ نبوت ختم زمانی کا منکر ایسا ہی کافر ہے جس طرح تعداد رکعات فرائض اور وتر کا منکر کافر ہے، اور صاف و صریح الفاظ میں اپنا عقیدہ یہ لکھتے ہیں۔

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد کسی اور نبی کے ہونے کا احتمال نہیں، جو اس میں تامل کرے میں اُس کو کافر سمجھتا ہوں۔" (ملاحظہ ہو ۱۹ اور ۲۱ کا حوالہ)

مگر پھر بھی بریلوی حضرات ان کو کافر کہنے سے باز نہیں آتے، اگر ان حضرات کی تکفیر کا کوئی خاص مشن اور منصوبہ نہیں بلکہ محض فقیہانہ انداز میں مسئلہ ہی ہے، تو دیگر اکابر دیوبند کی طرح حضرت نانوتوی کی تکفیر کی بھی قطعاً کوئی وجہ نہیں، اگر کسی کو محض غلط فہمی ہے تو اس پیش کردہ تفصیل کے بعد بالکل رفع ہو جانی چاہیے، اور اگر اس کے بعد بھی وہ حضرات تکفیر سے باز نہیں آتے تو ہر منصف مزاج اور سمجھدار آدمی سمجھ سکتا ہے کہ اس تکفیر کی تہ میں کیا راز مضمر ہے جو بلا وجہ کی جا رہی ہے اور جماعتی رنگ میں کی جا رہی ہے؟ اور اس تکفیر کی کس دور میں اور کن حالات میں ابتداء ہوئی؟ اور اب اس کو کیوں نبھایا جا رہا ہے؟ ہم تو اس کے بغیر اور کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اے مکفرین حضرات کب تک تکفیر کرتے رہو

گے، آخر ایک وقت ایسا آنے والا ہے جس میں حق و باطل آئینہ کی طرح بالکل نمایاں ہو جائے گا اور اپنے غلط افکار و نظریات پر پچھتانا پڑے گا۔

بوقت صبح شود ہمچو روز معلومت که باکہ باختۂ عشق در شب دیجور

دوسرا الزام

کیا امتی اعمال میں نبی کے برابر ہو سکتے ہیں یا بڑھ سکتے ہیں؟

اس سے قبل کہ ہم حضرت نانوتویؒ کی وہ عبارت پیش کریں جس کی وجہ سے بریلوی حضرات نے خوب دل کی بھڑاس نکالی ہے بطور تمہید ایک مختصر سی مگر اصولی بات عرض کرنا ضروری سمجھتے ہیں، غور سے ملاحظہ کریں۔

حضرت ابو سعید الخدریؓ (المتوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی امت کو خطاب کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ۔

لا تسبوا اصحابی فلو ان احدکم انفق مثل احد ذھبا ما بلغ مد احدھم ولا نصیفہ۔ میرے صحابہؓ کو برا مت کہو کیونکہ اگر تم میں سے کوئی شخص احد پہاڑ جتنا سونا بھی خرچ کرے تو صحابہؓ میں سے کسی کے مد اور کسی کے نصف مد کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتا۔

(بخاری ج ۱ ص ۵۱۸، مسلم ج ۲ ص ۳۱۰، مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۵۲)

اور حضرت ابوہریرہؓ (المتوفی ۵۷ھ) کی روایت میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوالذی نفسی بیدہ کے الفاظ سے قسم اٹھا کر دو مرتبہ فرمایا کہ میرے صحابہؓ کو برا نہ کہو الخ (مسلم ج ۲ ص ۳۱۰)

مُد تقریباً پندرہ چھٹانک وزن کا ہوتا ہے مطلب یہ ہے کہ اگر عام اُمتیوں میں سے
کوئی شخص اُحد پہاڑ بھی سونے کا راہِ خدا میں صرف کردے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ
وآلہٖ وسلّم کا کوئی صحابی مُد بھر گندم اور جَو وغیرہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں خرچ کرے تو
اُمتیوں میں سے کسی کا اُحد پہاڑ جتنا سونا بھی صحابی کے مُد اور نصف مُد کو نہیں پہنچ سکتا
اور اس کی وجہ سوائے اِس کے اور کیا ہوسکتی ہے کہ جو اخلاص للّٰہیت اور قلبی کیفیّت
حضرات صحابۂ کرامؓ کو حاصل تھی وہ اور کس کو حاصل ہوسکتی ہے؟ اور اسی اخلاص قلبی اور
علمی کیفیّت سے اعمال کا وزن بڑھتا ہے، حالانکہ اُحد کا پہاڑ ظاہری طور پر مُد بھر
وزن سے کروڑ در کروڑ درجے بڑا ہے اور اس ظاہری بڑائی اور تفاوت کا بجز کسی احمق
اور نادان کے اور کون انکار کرسکتا ہے؟ جب اُمتی اور اُمتی کے عمل کا اندرونی اور
قلبی کیفیّت کی وجہ سے یہ فرق اور تفاوت ہے تو غور فرمایئے کہ نبی اور اُمتی کے اعمال
کا یہ فرق و تفاوت کس قدر ہوگا؟ اور پھر نبی بھی وہ جو صرف نبی الاُمّت ہی نہ ہو بلکہ
نبی الانبیاء (علیہم الصلوٰۃ والسّلام) بھی ہو؟ اِس فرق و تفاوت کا بجز پروردگار کے کون
اندازہ لگاسکتا ہے؟ اور اسی فرق اور تفاوت سے نبی اپنی ساری امّت پر بھاری ہوتا
ہے۔ چنانچہ حضرت ابوذر (جندب بن جنادہ) غفاریؓ (المتوفّٰی ۳۲ھ) سے روایت
ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان کے ایک خاص سوال کے جواب میں ارشاد
فرمایا کہ میرے پاس دو فرشتے آئے، ایک زمین پر اُتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان
کے درمیان فضا میں ٹھہرا رہا۔ ایک نے دوسرے سے کہا کہ کیا یہ وہی ہیں؟ دوسرے نے

نے کہا ہاں وہی ہیں، تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ ان کو ایک آدمی کے ساتھ وزن کرو، چنانچہ وزن کیا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ میں بھاری نکلا، اُس نے کہا کہ ان کو دس آدمیوں کے ساتھ وزن کرو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا تو میں ان پر بھی بھاری رہا۔ پھر سو آدمیوں کے ساتھ وزن کرنے کو کہا گیا اور میرا سو کے ساتھ وزن کیا گیا تو میں ان پر بھی بھاری رہا۔ پھر کہا گیا کہ ان کو ہزار آدمی کے ساتھ وزن کرو، چنانچہ مجھے ہزار کے مقابلہ میں تولا گیا تو میں وزنی ثابت ہوا، اور جب ترازو کی ڈنڈی اٹھائی گئی تو میرا پلڑا تو زمین سے نہ اٹھا اور دوسری طرف کا پلڑا جب اُٹھا تو سب کے سب ان کے وزن کے کم ہونے کی وجہ سے بکھر کر نیچے گر پڑے، اس پر ان میں سے ایک فرشتے نے دوسرے سے کہا کہ۔

لَوْ وَزَنْتَهُ بِأُمَّتِهِ لَرَجَحَهَا اگر ان کو تمام امت کے ساتھ بھی تولو گے تو بھاری ہوں گے۔

(دارمی ص۔ و مشکوٰۃ ج ۲ ص ۵۱۵)

غور فرمایئے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم ساری اُمت پر بھاری ہیں کیوں؟ محض اس لیے کہ جو علمی اور قلبی کیفیت اور انوار باری تعالیٰ کے مشاہدات اور تجلیات کا مقام آپ کو حاصل تھا وہ اور کس کو حاصل ہوا؟ یا حاصل ہو سکتا ہے؟ مگر بایں ہمہ یہ ہو سکتا ہے کہ ظاہری طور پر کوئی اُمتی کسی ظاہری عمل میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کے برابر ہو جائے یا بڑھ جائے۔ متواتر قسم کی روایت سے یہ ثابت ہے کہ پانچ نمازیں معراج کی رات فرض ہوئی ہیں (جو راجح قول اور صحیح روایت کی بنا پر نبوت کے گیارہویں سال قرار پائی ہے) اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے فرضی

نمازیں تقریباً تیرہ ۱۳ سال پڑھی ہیں اور اس گئے گذرے زمانہ میں بھی آپ کو ہزاروں نیک بندے ایسے ملیں گے جنہوں نے ساٹھ ساٹھ سال تک باقاعدہ فرضی نمازیں پڑھی ہیں، اب بظاہر تیرہ سال کی فرضی نمازوں سے تعداد اور گنتی سے ساٹھ سال کی نمازیں تو ہر حال زیادہ ہیں اور اس لحاظ سے اُمّتی بظاہر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے بڑھ گئے مگر کون کہہ سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ایک نماز کے مقابلہ میں اُمّت کی ساری نمازیں توازن و تقابل میں پیش ہو سکتی ہیں؟ کیونکہ جو قلبی مشاہدہ اور اخلاص آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھا جس سے اعمال کا وزن بڑھتا ہے وہ اور کس کو حاصل ہو سکتا ہے؟ اور اس مقام میں بجز اس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ ؏

چہ نسبت خاک را با عالم پاک!

لیکن اس بدیہی امر کا کون انکار کر سکتا ہے، اور اگر انکار کرے تو اس کو باور بھی کون کرتا ہے کہ ساٹھ سال کی نمازیں تیرہ سال کی نمازوں سے زیادہ نہیں ہوتیں اسی طرح جمعہ کی نماز کی فرضیت صحیح قول میں ۱ھ میں ہوئی ہے (ملاحظہ ہو طبری ص ۱۲۵۶) اس اعتبار سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے جمعہ کی نمازیں صرف دس سال پڑھی ہیں اور اس وقت بھی لاکھوں مسلمان آپ کو ایسے ضرور ملیں گے جنہوں نے اگر اور نمازیں نہ پڑھی ہوں تو جمعہ کی نماز تو بالالتزام پچاس پچاس سال تک پڑھی ہو گی، اب بظاہر دس سال کی نمازِ جمعہ سے پچاس سال کی نماز جمعہ تو یقیناً زیادہ ہے اور کوئی بھی اس کا انکار نہیں کر سکتا مگر اپنے باطنی اثر اور درجہ کے لحاظ سے آنحضرت

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کی ایک ہی نماز جمعہ تمام اُمّت کی جمعہ کی نمازوں پر بھاری ہے وعلیٰ ہٰذا القیاس رمضان مبارک کے روزے ۲ھ میں فرض ہوئے اور اسی سال عیدین کی نماز کا حکم نازل ہوا۔ اس اندازہ سے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہٖ وسلم نے صرف نو ۹ سال رمضان شریف کے روزے رکھے، اور نو ۹ سال ہی عیدین کی نماز پڑھی مگر اس وقت بھی بے شمار مسلمان آپ کو ایسے نظر آئیں گے جنہوں نے پچاس پچاس اور ساٹھ ساٹھ سال تک رمضان شریف کے روزے رکھے اور عیدین کی نمازیں پڑھی ہیں تو ظاہری طور پر اُمّت کے یہ اشخاص وافراد ان اعمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم سے بڑھ گئے، مگر معرفتِ خداوندی کی اندرونی کیفیت اور اَنْ تَعْبُدَ اللّٰہَ کَاَنَّکَ تَرَاہُ کا جو بلند مقام آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم کو حاصل تھا وہ اور کس کو نصیب ہو سکتا ہے؟ کیونکہ آپ کا ایک ہی فرضی روزہ اور ایک ہی عید کی نماز ساری اُمّت کے تمام فرضی روزوں اور زندگی بھر کی عید کی نمازوں سے وزنی ہے اور اس کا انکار کوئی مسلمان نہیں کر سکتا۔

یہ چند مثالیں ہم نے نماز اور روزہ وغیرہ کی محض بات کو واضح کرنے کی خاطر عرض کی ہیں، ورنہ بے شمار عبادات وطاعات ایسی ہیں جو نزولِ قرآن کریم وحدیث شریف کے بعد فرض وواجب ہوئیں، اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم نے ان پر صرف چند سال عمل کیا جب کہ آپ کی اُمّت میں سے بہت سے حضرات ان پر نصف صدی بلکہ اس سے بھی زیادہ عرصہ تک عمل کرتے رہے اور اس دورِ انحطاط میں بھی کرتے ہیں

اور اس ظاہری لحاظ سے ان فرضی اور واجبی طاعات کی گنتی اور تعداد کی وجہ سے اُمتی نبی سے بڑھ گئے پر باطنی کیفیت سے بڑھنا بلکہ برابر ہونا تو رہا الگ، آپ کی ایک طاعت اور عبادت کے مقابلہ میں بھی ساری اُمت کی جملہ طاعات اور عبادات کوئی وقعت نہیں رکھتیں، کیونکہ جو جاندار اور شاندار عمل اور مقبول خداوندی نبی اور رسول کر سکتا ہے وہ اور کس کی قسمت میں ہو سکتا ہے، اس لیے کہ ؎

قسمت کیا ہر چیز کو قسامِ ازل نے جو شخص کہ جس چیز کے قابل نظر آیا

پھر نبی بھی وہ جو صرف نبی الاُمت ہی نہ ہو بلکہ نبی الانبیاء بھی ہو جس کے رتبہ اور شان میں مثیل نہ آج تک وجود میں آیا اور نہ قیامت تک وجود میں آسکتا ہے۔

اس تمہید کے بعد ہم قارئینِ کرام کی خدمت میں حجۃ الاسلام حضرت مولانا نانوتویؒ کی چند عبارات پیش کرتے ہیں جن میں بعض عبارات پر بریلوی حضرات نے بڑی لے دے کی ہے حتیٰ کہ حضرت مظلومؒ کی تکفیر سے بھی نہیں چوکے، اور نعوذ باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا گستاخ، بے ادب اور توہین کرنے والا ثابت کرنے کے بے خطا ہتھیار سے ان کا تعاقب کیا ہے چنانچہ مولانا موصوفؒ لکھتے ہیں۔

(۱)۔ "اسی طرح سے عالمِ حقیقی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں اور انبیاء باقی اور اولیاء اور علماء گذشتہ و مستقبل اگر عالم ہیں بالعرض ہیں مگر اس کے ساتھ یہ بھی اہلِ فہم جانتے ہیں کہ نبوت کمالاتِ علمی میں سے ہے کمالات عملی میں سے نہیں الغرض کمالات ذوی العقول کُل دو کمالوں میں منحصر ہیں، ایک کمال علمی اور دوسرا کمال عملی اور بناءِ مدح کل انہی دو باتوں پر ہے چنانچہ کلام اللہ میں چار فرقوں کی تعریف کرتے ہیں نبیین اور صدیقین اور شہداء اور صالحین جن میں سے انبیاء اور صدیقین کا کمال علمی ہے اور شہداء اور صالحین کا

کمال عملی، انبیاء کو تو منبع العلوم اور فاعل اور صدیقین کو مجمع العلوم اور قابل سمجھیے اور شہداء کو منبع العمل اور فاعل اور صالحین کو مجمع العمل اور قابل خیال فرمائیے، دلیل اس دعویٰ کی یہ ہے کہ انبیاء اپنی امت سے اگر ممتاز ہوتے ہیں تو علوم ہی میں ممتاز ہوتے ہیں، باقی رہا عمل اس میں بسا اوقات بظاہر امتی مساوی ہو جاتے ہیں بلکہ بڑھ جاتے ہیں۔ اور اگر قوت عملی اور ہمت میں انبیاء امتیوں سے زیادہ بھی ہوں تو یہ معنی ہوئے کہ مقام شہادت اور وصف شہادت بھی ان کو حاصل ہے مگر کوئی ملقب ہوتا ہے تو اپنے اوصاف غالبہ کے ساتھ ملقب ہوتا ہے۔ مرزا جانِ جاناں صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ چاروں صاحب جامع بین الفقر والعلم تھے پر مرزا صاحبؒ اور شاہ غلام علی صاحبؒ تو فقیری میں مشہور ہوئے اور شاہ ولی اللہ صاحبؒ اور شاہ عبدالعزیز صاحبؒ علم میں، وجہ اس کی یہی ہوئی کہ ان کے علم پر تو انکی فقیری غالب تھی اور ان کی فقیری پر ان کا علم اگرچہ ان کے علم سے انکا علم یا انکی فقیری سے ان کی فقیری کم نہ ہو سو انبیاء میں علم عمل سے غالب ہوتا ہے اگرچہ ان کا عمل اور ہمت اور قوت اوروں کے عمل اور ہمت اور قوت سے غالب ہو؟ بہرحال علم میں انبیاء اوروں سے ممتاز ہوتے ہیں۔ (تحذیر الناس ص ۵،۴)

اس عبارت میں خط کشیدہ الفاظ کی وجہ سے فریق مخالف نے حضرت نانوتویؒ مظلوم کو بہت کوسا ہے اور بیحد جلی کٹی سنائی ہیں اور آئے دن بریلوی حضرات کے مقرر اس عبارت کو سیاق وسباق سے الگ کر کے سناتے اور ہنگامہ برپا کرتے رہتے ہیں اور سامعین حضرات بھی ذرا یہ تکلیف گوارا نہیں کرتے کہ انکے ہاتھ سے کتاب لے کر آگے پیچھے کی ساری عبارات پڑھیں اور صحیح مطلب سمجھ سکیں اور اپنے وقت کے اولیاء اللہ

اور اسلام کے ظاہری محافظوں سے بغض وکینہ رکھ کر خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا ذریعہ نہ بنیں اور حدیث قدسی من عادیٰ لی ولیا (الحدیث) کی زد سے بچیں، مگر افسوس کہ جن حضرات نے یہ قسم ہی اٹھا رکھی ہو کہ ہم نے علماء دیوبند کو اچھا نہیں کہنا اور انکی صحیح اور مبنی بر انصاف عبارات کا مطلب ہی بگاڑ کر عوام کو ان سے بدظن کرنا ہے، تو اس کا بھلا کسی کے پاس کیا علاج ہے؟ اور اس جہان میں کون اس کا علاج کر سکتا ہے؟ اور اس کا علاج بھی کب ہوا ہے؟ حالانکہ نفس امارہ کے علاج کی ہر وقت کوشش اور سعی کرنا ضروری ہے اور ایک لمحہ بھر کیلئے اسے آزاد نہ چھوڑنا چاہیئے ورنہ وہ لاعلاج ہو جائے گا۔

علاجِ نفسِ ظالم زود ہنگامِ جوانی کن کہ ایں مارِ سیاہ چوں پیر گردد اژدہا گردد

(۲) ”خود انبیاء کرام علیہم السلام ہی کو دیکھو امتی بسا اوقات مجاہدہ وریاضت میں اُن سے بڑھے ہوئے نظر آتے ہیں مگر مرتبہ میں انبیاء کے برابر نہیں ہو سکتے وجہ اسکی بجز شرف علم وتعلیم اور کیا ہے؟ الغرض بوجہ علم وتعلیم ہی انبیاء اُمتیوں سے ممتاز ہوتے ہیں بوجہ عبادت وریاضت ممتاز نہیں ہوتے مگر جب یہ ہے تو پھر علم عمل سے بالضرور افضل ہوگا، اس لیے معجزات علمیہ معجزات عملیہ سے کہیں زیادہ (افضل وبہتر ہونگے) ہوں گے۔“ (حجۃ الاسلام ص ۲۸)

یعنی مثلاً قرآن کریم جوامع الکلم اور اخبار غیب کے معجزات حسی معجزات سے اعلیٰ ہی ہونگے۔

(۳) ” اور اس لیے بعد لحاظ اس امر کے علم اور کمالات کے حق میں منشاء اور اصل ہے اور نیز جملہ کمالات میں خاتم الانبیاء کو اصل اور مصدر ماننا لازم ہے جس سے یہ بات عیاں ہو جاتی ہے کہ عالم امکان میں کمالات علمی ہوں یا کمالات عملی دونوں میں خاتم الانبیاء اصل اور مصدر ہے اور سوا اس کے جو کوئی کچھ کمال رکھتا ہے وہ دریوزہ گر خاتم الانبیاء ہے۔“ (قبلہ نما ص ۶۲)

۴۔ ''القصہ کمال علمی کمال عملی کمال محمدی ایسا لاثانی ہے کہ بجز اہل تعصب اور سوائے جاہلانِ کم فہم اور کوئی اس کا منکر نہیں ہوسکتا جب کمال علمی اور کمال عملی دونوں میں آپ یکتا نکلے تو پھر آپ خاتم نہ ہوں گے تو اور کون ہوگا!'' (قبلہ نما ص۶۷)

۵۔ ''مگر جیسے اعمال میں فیما بین بنی آدم تفاوت زمین وآسمان ہے کسی کا دس گنا اجر ہے، کسی کا سات سو گنا، کسی کا اس سے بھی زیادہ ایسے ہی اصحاب عمل میں زمین وآسمان کا فرق ہے کیونکہ اصحاب اعمال کی فضیلت بوجہ اعمال ہے، جتنا ان میں تفاوت ہوگا اتنا ان میں'' اھ (آبِ حیات ص۱۸۲)

۶۔ ''علاوہ بریں مابہ الامتیاز انبیاء علیہم السلام وامم علم وجہل ہوتا ہے عمل وعدم عمل نہیں ہوتا ظاہر اعمال میں اکثر امتی انبیاء سے برابر ہوجاتے ہیں، بلکہ بہت سے امتی بڑھ جاتے ہیں چنانچہ انبیاء علیہم السلام کی عبادات اور مجاہدین امت کے مجاہدات کے موازنہ سے یہ بات واضح ہے اور فرق باطنی اعمال اعنی تفاوت اخلاص کیلئے بڑا سبب معرفت ذات وصفات وعواقب عبادات وسیئات ہوتی ہے جسکا حاصل وہی کمال علم ہے'' الخ (آبِ حیات ص۱۵۲)

دیکھئے کسطرح حضرت نانوتوی نے تصریح فرمادی ہے کہ فرق اعمال کے باطنی اخلاص سے ہوتا ہے جس کا حاصل علم ہے اور وہ تصریح کرتے ہیں کہ اس کمال میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کوئی ثانی نہیں اور آپ اسمیں یکتا ہیں اور اس سے اعمال میں جو وزن پیدا ہوتا ہے وہ بالکل عیاں ہے جس کو حضرت نانوتوی ص۵ میں دیئے گئے حوالہ کے رو سے زمین وآسمان کے فرق سے تعبیر کرتے ہیں

۷۔ آنحضرۃ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیلئے برعکس امت کے بیک وقت چار سے زیادہ نکاح کے جائز ہونے کے عقلی دلائل بیان کرتے ہوئے اور آپ کا مقام ذکر کرتے ہوتے فرماتے ہیں کہ۔

"پھر اُمید مساوات مابین مرتبۂ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور مابین مومنین و مومنات منجملہ اضغاث احلام اور خیال واہیات ہے" اھ (آبِ حیات ص ۱۸۴)

یعنی اُمتی اگر بظاہر اعمال میں بڑھ سکتے ہیں تو وہ اعمال ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت میں شامل نہیں ہیں، مثلاً چار سے زیادہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کا آپ کے لیے بیک وقت حلال ہونا آپ کی خصوصیت تھی، اُمتی اس عمل میں ظاہری طور مساوات کے سرے سے مجاز ہی نہیں چہ جائیکہ (معاذ اللہ) بڑھ جائیں۔

یہ تمام عبارات باحوالۂ صفحات و کتب ہم نے حجۃ الاسلام حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی پیش کی ہیں تاکہ ہر ایک منصف مزاج آدمی کو یہ بات بخوبی معلوم ہو جائے کہ بریلوی حضرات کس دیدہ دلیری سے حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کی عبارات کو خانہ ساز مطلب کا لباس پہنا کر اُن کو کوستے اور اُن پر توہینِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تیر برساتے ہیں اور صد افسوس ہے کہ وہ نہ خود عبارات کا مطلب سمجھتے ہیں اور نہ عوام کو سمجھنے دیتے ہیں بلکہ اہلِ حق کے لیے عرصۂ حیات تنگ کرنے کے درپے ہیں، اور اس جہان میں ایسا ہوتا ہی آیا ہے کہ ؎

باغ میں زاغ و زغن کے آشیاں دیکھا کیے   اور بلبل کو قفس میں نوحہ خواں دیکھا کیے

امام فخر الدین محمد رازی رحمہ اللہ (المتوفی ۶۰۶ھ) فرماتے ہیں۔

وقد نجد فی الامۃ من ھو اطول عمرا واشد اجتھادًا من النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھو منہ ابعد فی الدرجۃ من العرش الی ما تحت الثری۔ (تفسیر کبیر ص ۲۱۸ ج ۲۲)

اور بلاشبہ ہم اُمت میں ایسے لوگ بھی پاتے ہیں جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عمر میں زیادہ اور آپ سے زیادہ (عبادۃ میں) محنت کرنے والے ہیں لیکن درجہ میں وہ آپ سے اتنے دور ہیں جتنا عرش سے ماتحت الثریٰ ہے۔

فریقِ مخالف اس عبارت کے پیشِ نظر امام رازی رحمہ اللہ پر کیا فتویٰ لگاتا ہے۔

تعلیم یافتہ حضرات سے التماس: تعلیم یافتہ حضرات سے یہ التماس ہے کہ وہ از خود حضرت نانوتوی رح اور دیگر اکابر علماء دیوبند کثر اللہ جماعتہم کی کتابیں پڑھیں اور غور و فکر کے بعد انصاف سے یہ دیکھیں کہ کیا ان حضرات نے اللہ تعالیٰ کی یا جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یا اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ کی یا علماءِ اسلام کی توہین اور گستاخی کی ہے؟ یا کسی اسلامی عقیدہ اور عمل سے سرِ مو بھی تجاوز کیا ہے؟ یا قرآنِ کریم، حدیث شریف اور فقہ حنفی کے خلاف کچھ کہا ہے؟ اگر پورا مطالعہ کرنے اور سمجھنے کے بعد آپ انصاف و دیانت سے اس نتیجہ پر پہنچیں کہ واقعی انھوں نے ایسی چیزوں کا ارتکاب کیا ہے تو بلاشک آپ ان حضرات سے بغض اور عداوت رکھنے کے مجاز ہیں کیونکہ اَلْحُبُّ فِي اللهِ وَالْبُغْضُ فِي اللهِ ایمان کی واضح اور روشن علامات میں سے ہے اور اگر آپ کو ان حضرات کے تمام عقیدے، اعمال اور اخلاق عین اسلام کے مطابق نظر آئیں اور یقیناً ان کی کتابوں سے آپ کو ایسا ہی نظر آئے گا تو پھر حدیث قدسی مَنْ عادیٰ لی ولیا (الحدیث) بھی ضرور پیش نظر رکھیں کیونکہ یہ ہر آدمی کی آنیوالی مابعد الموت زندگی کا معاملہ ہے باقی رہے متعصب اور زرانداز سولوی تو یقین جانیے کہ وہ آپ کو کبھی نہ سمجھنے دیں گے کیونکہ اگر آپ حقیقت کی تہ کو پہنچ گئے تو ان کے لیے آپ کو ورغلانا اور اندھیرے میں رکھنا بہت ہی مشکل ہو جائیگا اور یہی سودا ان کیلئے مہنگا ہے ان کی قلبی خواہش ہی یہی ہے اور ہمیشہ سے رہی ہے کہ عوام الناس کو اہلِ حق سے متنفر دلا کر اپنا الّو سیدھا کیا جائے اور اپنے نفسی میلانات کے لیے مزید سے مزید سہولت مہیا کی جائے اور یہ بات نفس الامر کے عین مطابق ہے کہ مذہبی طور پر جس قدر اور جتنے فتنے بھی سرزمین پر برپا ہوئے ہیں وہ تین طاقتوں اور قوتوں کی دسیسہ کاری اور مکاری سے برپا ہوئے ہیں حضرت امام ابو حنیفہ رح کے شاگرد رشید امام عبد اللہ بن المبارک رح نے ان کی نشاندہی یوں کی ہے۔

وَهَلْ اَفْسَدَ الدِّيْنَ اِلَّا الْمُلُوْكُ   وَاَحْبَارُ سُوْءٍ وَّرُهْبَانُهَا

یعنی دین کو بگاڑنے والے یہی تین گروہ ہیں، بادشاہ علماء سوء اور پیرانِ بدکردار موصوف نے جو کچھ فرمایا ہے وہ سو فیصد صحیح اور درست فرمایا ہے دین کے بگاڑنے کے یہی تین گروہ ذمہ دار ہیں اور علماءِ حق پر ظلم وزیادتی کے ناحق فیصلے بھی انہی کے رموز واشارات کے بل بوتے پر ہوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے لیکن جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اپنے مقام پر حق اور ثابت ہے کہ۔

ولا یزال طائفۃ من اُمتی منصورین لا یضرھم من خذلھم حتیٰ تقوم الساعۃ (الحدیث) (ترمذی ص ۴۲ ج ۲ وقال حسن صحیح ومشکوٰۃ ص ۵۸۲ ج ۲)

میری اُمت میں ایک طائفہ گروہ ہمیشہ منصور رہیگا اور تا قیامت اس کو اس کے دشمن اور رسوا کرنے والے ضرر نہیں پہنچا سکیں گے۔

اس صحیح حدیث سے روزِ روشن کی طرح یہ امر عیاں ہے کہ قیامت تک اہلِ حق کا گروہ حق پر قائم و دائم رہیگا اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی نصرت وامداد ہوتی رہے گی، اور اس طائفہ کے مخالف اور دشمن اس کو نیچا دکھانے کیلئے جتنے بھی حربے استعمال کریں گے بفضلہٖ تعالیٰ اس طائفہ کو اس سے کوئی گزند نہیں پہنچے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان آج تک پورا ہوا اور قیامت تک انشاء اللہ العزیز پورا ہوتا رہیگا اور سلف صالحین کا وہ نیک گروہ جو دنیا سے جا چکا سو جا چکا آنیوالوں کو اُن کے نقشِ قدم پر چل کر ہی رضائے الٰہی نصیب اور حاصل ہو سکتی ہے، اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو اسلاف کے پیروی بنائے اور دین کے بگاڑنے والوں سے محفوظ رکھے آمین ثم آمین

والتوفیق بید اللہ تعالیٰ وحدہٗ وصلی اللہ تعالیٰ علیٰ خیر خلقہٖ محمد خاتم النبیین وعلیٰ آلہٖ واصحابہٖ وجمیع متبعیہٖ الیٰ یوم الدین۔

احقر الناس، ابوالزاھد محمد سرفراز

مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی عارفانہ شان

حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب صاحب رحمہ اللہ کا ایک غیر مطبوعہ خط بنام مولانا عبدالاحد (مردان)

محترم ومکرمی زید مجدکم!

سلام مسنون نیاز مقرون!...... گرامی نامہ نے مشرف فرمایا۔ آپ نے حضرت نانوتوی قدس سرہٗ اور ان جیسے دوسرے اکابر کے بارہ میں ان کے بیان کی مقبولیت اور جاذبیت کے بارے میں جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ حقیقت ہے۔ حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ کی تحریرات بظاہر تو فلسفیانہ ہوتی ہیں مگر حقیقتاً عارفانہ اس لئے اثر قلب پر یہ پڑتا ہے کہ جیسے کوئی مربی تربیت کر رہا ہو۔ اس کی وجہ محض علم نہیں بلکہ معرفت ہے اور محض معرفت بھی نہیں بلکہ انکشاف اور ان کا حال ہے۔ صاحب حال کی ہر چیز میں کشش جاذبیت اور مقبولیت ہوتی ہے۔ حضرت کے علوم الہامی ہیں کتابی نہیں۔ ماخوذ کتاب و سنت سے ہیں اور کتاب وسنت کی رُوح ان کے اندر سمائی ہوتی ہے۔ اس لئے وہ رُوح کی بات اندر سے کھینچ لاتے ہیں اور وہی مؤثر ہوتی ہے چونکہ وہ خود اس سے لطف اندوز ہیں اس لئے مطالعہ کنندہ بھی اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔

از دل خیزد بردل ریزد

یہ علوم درحقیقت علم الٰہی سے متصل ہوتے ہیں۔ اس لئے ان کی تاثیر بھی قوی اور کامل ہوتی ہے۔ حضرت ہی نے تقریر دلپذیر میں ایک موقع پر جہاں غالباً مسئلۂ تقدیر

بیان فرما رہے ہیں ارشاد فرمایا کہ یہاں پہنچ کر ایک دم طبیعت رُک گئی اور بات سمجھ میں آئی کہ کیا لکھوں تو آخر کار میں نے اسی پروگرام کی طرف رجوع کیا جہاں سے بندوں کو علم کی روزی ملتی ہے۔ اور میں نے کہا کہ۔

قطرۂ دانش کہ دادستی زبیش متصل گردان بدریا ہائے خویش

آخر کار فتح یاب ہوا اور میرے اللہ نے بات سمجھائی اور پھر لکھا کہ آنچہ بصفحہ خاطر می ریزند بقلم می آرم (او کما قال) اس سے واضح ہے کہ یہاں کی یہ جذب و کشش محض رسمی علم میں نہیں بلکہ عارفانہ اور عاشقانہ علوم میں ہوتی ہے۔ عاشق جب اپنی دیوانگی میں بولتا ہے اور گرج پڑتا ہے تو سب لرز جاتے ہیں وہ اس کے قلب اور اُدھر کے کنکشن کا اثر ہوتا ہے۔ اس لئے تاثیر درحقیقت الفاظ میں نہیں بلکہ قلب کے ان احوال میں ہے جو اپنے ظہور کے لئے الفاظ کا جامہ خود تراش لیتے ہیں۔

مگر یہ بھی ظاہر ہے کہ جن کیفیات سے وہ علم صادر ہوتا ہے اسی نوع کی تھوڑی بہت کیفیت آشنائی جب کسی میں ہوتی ہے تو وہ اثر قبول کرتا ہے ورنہ بے کیف اور جاہل مطلق افراد پر کوئی چیز بھی اثر انداز نہیں ہوتی۔

اس لئے جہاں آپ ان ارباب علوم کی تعریف فرما رہے ہیں اس میں دوسرا پہلو آپ کی خود کی واقعی تعریف کا بھی نکلتا ہے، خواہ آپ کو احساس نہ ہو۔ آپ میں بحمد اللہ ان کیفیات سے شناسائی کسی حد تک موجود ہے تو اس حد تک تاثر بھی ہے اور اسی حد تک یہ خواہش بھی ہے کہ کاش آپ بھی اسی قسم کے بیان پر قادر ہو جاویں اور ویسا بھی کلام کرنے لگیں اور اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ یہ کمال ابتداء کسبی ہی ہے۔ اگرچہ انتہاءً وہبی ہے۔ صرف نبوۃ ہی وہ کمال ہے جو کسبی نہیں صرف وہبی ہے جو صرف دادِ حق سے ملتا ہے ورنہ آثار نبوۃ میں سے تمام علمی و عملی و اخلاقی کمالات اکتساب سے تعلق رکھتے ہیں جو ہر ایک کو حاصل ہو سکتے ہیں، مگر جسے بھی حاصل ہوگا اسی کے ظرف و ذہن کی قدر حاصل ہوگا اور ظروف اور اذہان کی بناوٹ خلقی ہے جس میں تفاوت ہے اس

لئے ایک کمال سب میں آ کر پھر بھی علیٰ قدر الذہانت متفاوت ہو جائے گا۔

اس لئے حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی کسی کی نقل اُتار کر ویسا نہیں ہو سکتا جس کی نقل اُتاری گئی ہے جس طرح ہر ایک کی چال الگ الگ ہے، نقل سے ویسے ہی انداز سے آدمی چلے گا بھی تو نبھ نہ سکے گا اور آخر کار پھر اپنی ہی چال پر آ جائے گا یا جیسے صورت ہر ایک کی الگ الگ ہے، تصنع سے صورت کو مشابہ بنانے کی کتنی بھی کوشش ہو مشابہ بن نہ سکے گی۔ اور کسی حد تک بن جائے گی تو فرق صاف نمایاں رہے گا اور اتفاقاً نمایاں نہ بھی ہو تو یہ نقل دیرپا نہ ہو سکے گی۔ اس لئے کسی کی نقل کی فکر ہی نہ کی جاوے جبکہ وہ بس کی بات نہیں البتہ خود اپنے خلقی جوہر کو اجاگر کرنے اور چمکانے کی کوشش کی جاوے اور جب وہ حدِ کمال پر پہنچ جائے جب ہی اس میں جاذبیت اور مقبولیت پیدا ہو جائے گی۔ اس لئے مقبولیت کی بنیاد اور جاذبیت کی اساس تکمیلِ نفس یا اس کے کسی وصف کی حدِ کمال ہے، نقالی نہیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ کمالاتِ باطن اگر حدِ کمال پر آ جائیں تو ان کی جاذبیت عمومی ہوتی ہے اور حقیقی اور کمالات ظاہر کی محدود اور وقتی۔

ان سارے ہی بزرگوں کے کلام میں قبولیت اور جاذبیت ہے جو ان کے مجاہدات ظاہر و باہر کا اثر ہے، لیکن پھر بھی جاذبیت کے درجات متفاوت ہیں جو ان کی ذہنی صلاحیتوں کے تفاوت کا نتیجہ ہیں۔ اس لئے آدمی مجاہدہ و ریاضت تو کرے لیکن نہ اس لئے کہ اس میں فلاں کا رنگ پیدا ہو جائے بلکہ اس لئے کہ صبغۃ اللہ پیدا ہو جائے اور پھر صبغۃ اللہ جس قسم کے شیشۂ ذہن سے نمایاں ہوگا اسی قسم کا رنگ اختیار کرے گا اور جاذبیت کا مقام پیدا کرے گا۔ مگر متفاوت ضرور رہے گا۔ اس لئے کہ وہ خلقت کا تفاوت ہے۔ **ولا تبدیل لخلق اللّٰہ۔**

گلہائے رنگ رنگ سے ہے زینتِ چمن
اے ذوق اس جہاں کو ہے زیب اختلاف سے

اس لئے آپ کائنات کے خلقی اختلاف کو مٹانے کی فکر نہ فرماویں کہ وہ بس کی

بات نہیں، یہ اختلاف بہر حال اپنی جگہ ضرور باقی رہے گا، صرف اپنے رنگ کو نکھارنے اور حدِ کمال پر پہنچانے کی سعی فرمادیں۔

حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ سے (جو دار العلوم کے اوّلین صدر مدرس اور عارفِ کامل تھے) کسی نے پوچھا کہ کتابیں آپ نے بھی وہی پڑھی ہیں جو حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھی تھی استاد بھی آپ دونوں کے ایک ہیں پھر اس کی کیا وجہ ہے کہ جو علوم وہ بیان کرتے ہیں۔ اور جو اندازِ بیان ان کا ہے وہ آپ کا نہیں؟

فرمایا اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے دماغ کی ساخت ہی حکیمانہ تھی وہ کوئی معمولی سے معمولی مسئلہ بھی بیان کرتے تو وہ حکیمانہ ہی رنگ کا ہوتا اس لئے جو مضمون بھی ان کے دماغ میں ڈھل کر باہر آتا تھا وہ حکیمانہ ہی رنگ اختیار کر لیتا تھا، اس جواب کا حاصل بھی وہی ہے کہ کسب و ریاضت ظاہری ہو یا باطنی اس کے ثمرات کا تفاوت خلقتوں کے تفاوت سے ہوتا ہے......

انبیاء علیہم السلام سب کے سب مقدس اور بشریت کے انتہائی کمالات پر پہنچے ہوئے ہوتے ہیں لیکن تفاوت مراتب اور تفاضل بھی ان میں موجود اور قرآنِ حکیم میں منصوص ہے اس کی وجہ کمالات نبوۃ کا زیادۃ و نقصان نہیں بلکہ ظروف کا قدرتی تفاوت ہے، ان کمالاتِ الٰہیہ سے مزاجی خصوصیات زائل نہیں ہوتیں بلکہ انہی مزاجی خصوصیات میں سے گزر گزر کر وہ کمالات نمایاں ہوتے ہیں اور خصوصیات متفاوت ہیں اس لئے رنگ کمالات بھی متفاوت ہو جاتا ہے۔

موسیٰ علیہ السلام کی جلالی شان ہے عیسیٰ علیہ السلام کی جمالی شان ہے۔

یعقوب علیہ السلام کی حزن و بث کی شان ہے۔ سلیمان علیہ السلام کی شاہانہ شان ہے۔ ایوب علیہ السلام کی صابرانہ شان ہے۔ داؤد علیہ السلام کی شاکرانہ شان ہے۔ ان سب شانوں میں کمال نبوۃ مشترک ہے اور خود شانیں متفاوت۔

ظاہر ہے کہ یہ نبوۃ کے تفات سے نہیں کہ وہ سب میں یکساں ہے بلکہ خلقی ظروف کے تفاوت سے ہے۔ اس لئے یہاں نہ نقل کی گنجائش ہے نہ عقل کی، بلکہ کسب و عمل کی ضرورت ہے جو رنگ فطری ہے۔ بلا کسب کے ہر ایک کا خود اپنا ہی نمایاں ہو جائے گا اور وہی مقبول ہوگا اس کے حاصل کرنے یا تبدیل کرنے کی سعی غیر ضروری بلکہ بے ثمر رہ جائے گی اس لئے اس کی فکر ہی کی ضرورت نہیں۔

جہاں تک اس ناکارہ کے بارہ میں حسنِ ظن کے الفاظ تحریر فرمائے گئے ہیں حق تعالیٰ آپ کو اسی کا اجر دے۔ اور مجھے ان کا صحیح مصداق بنادے......

وما ذلک علی اللہ بعزیز

والسلام **محمد طیب**

مہتمم دارالعلوم دیوبند ۱۳۸۱ھ

(ماخوذ از ماہنامہ "الحق"...... اکوڑہ خٹک پاکستان)

اللہ تعالیٰ کے فضل اور توفیق سے

مقالات حجۃ الاسلام کی جلد نمبر ❶ مکمل ہوئی حضرت نانوتوی رحمہ اللہ کے مزید حالات و واقعات جلد نمبر ⓱ میں ملاحظہ فرمائیں۔ (مرتب)